قسم اُس وقت کی

جب زندگی شروع ہوگی کا دوسرا حصہ

ایک منکر خدا لڑکی کی داستان

ابو یحییٰ

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free. www.inzaar.org ,www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: www.facebook.com/inzaartheorg

Whatsapp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from Whatsapp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

Join us on Youtube @ youtube.com/inzaar-global

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to info@inzaar.org and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD
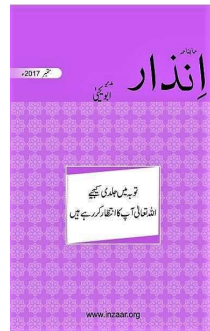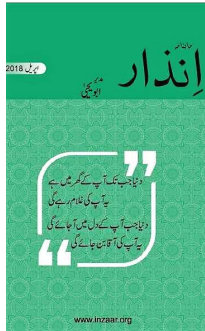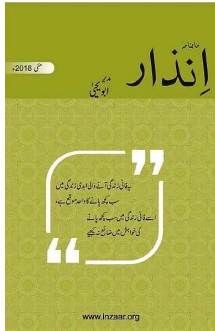
ماہنامہ انذار

مدیر: ابویحییٰ

ماہنامہ انذار ایک دعوتی و اصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان و اخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کے لیے ان نمبروں پر رابطہ کیجیے۔

0345-8206011 or 0332-3051201

ابویحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے
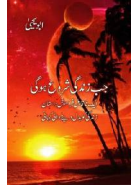
قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی
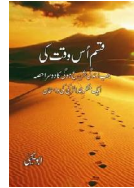
آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ
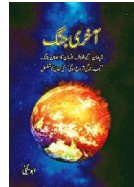
خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں
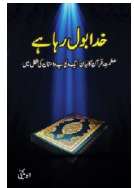
مالی تعاون

اللہ تعالیٰ کے پیغام (ایمان واخلاق، تعمیرِ شخصیت اور فلاحِ آخرت) کو پھیلانے میں انذار کا ساتھ دیجیے۔

ہمارا مالی طور پر ساتھ دینے کے لیے درج ذیل اکاؤنٹ میں عطیات جمع کرائے جاسکتے ہیں۔

For Local Transaction

Title of Account: Inzaar Educational and Charitable Trust

Address: P.O.BOX.7285 Karachi.

Bank Name: United Bank Limited

Branch Address: UBL Vault Branch, Abdullah Haroon Road, Saddar, Karachi.

Account Number: 0080248866323

Branch Code: 0080

For Foreign Transaction

IBAN: PK32 UNIL 0109 0002 4886 6323

SWIFT CODE: UNILPKKA

عطیات جمع کرنے کے بعد

0092-345-8206011 یا info@inzaar.org یا info@inzaar.pk پر ہمیں مطلع کریں تاکہ اس کی رسید آپ کو بھیجی جاسکے۔

رضاکارانہ تعاون

انذار کے لئے رضاکارانہ تعاون فراہم کرنے کے لئے براہ مہربانی ذیل میں درج ای میل ایڈریس پر ای میل بھیجیں۔ info@inzaar.org , info@inzaar.pk

قسم اُس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستانِ سفر
جو سچ تلاش کرنے نکلی تھی

ابویحییٰ

انذار پبلیشرز

A Non-Profit Organization

www.inzaar.pk

اولوالعزم رسولوں بالخصوص خاتم الانبیا والرسل ﷺ کی بے مثل شخصیت کے نام

آفاق را گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیز دیگری

اور جو لوگ ہماری راہ میں جد و جہد کریں گے
ہم ان پر اپنی راہیں ضرور کھولیں گے
بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔
(العنکبوت69:29)

فہرست ابواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسری یلغار

انسانیت کا قافلہ مختلف ادوار سے ہوتا ہوا آج انفارمیشن ایج میں داخل ہو چکا ہے۔ اس مرحلہ سفر میں انسانیت کی امامت اہل مغرب کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی زبان، تہذیب، ثقافت، علم، فلسفہ، اقدار اور حیات و کائنات کے بارے میں ان کے نظریات آج دنیا بھر میں غالب ہیں۔ دنیا پر اہل مغرب کا یہ غلبہ ان کی دوسری یلغار کا نتیجہ ہے۔ ان کی پہلی یلغار صنعتی دور کے آغاز میں ہوئی تھی، مگر اس وقت ان کا غلبہ سیاسی نوعیت کا تھا۔ ان کے تہذیبی اثرات محکوم اقوام کی اشرافیہ ہی تک محدود تھے۔ تاہم آج جب سیٹلائٹ، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی غیر معمولی ترقی نے دنیا کو حقیقی معنوں میں ایک گلوبل ویلج بنا دیا ہے، مغربی فکر و تہذیب ذرائع ابلاغ کی طاقت سے معاشرے کے ہر طبقے میں سرائیت کر رہی ہے۔ ہمارا تہذیبی ڈھانچہ، اخلاقی اقدار اور اعتقادی نظام سب مغرب کی اس دوسری یلغار کی زد میں ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس یلغار کا پہلا نشانہ ہمارا تہذیبی ڈھانچہ اور اخلاقی نظام بنے ہیں لیکن اس کا آخری ہدف ہمارا مذہبی اور اعتقادی نظام ہی ہوگا۔ یہ بنیادی حقیقت کہ عالم کا ایک پروردگار ہے جو کائنات کا نظام براہ راست چلا رہا ہے۔ وہ اپنے رسولوں کو لوگوں کے پاس بھیجتا

ہے تا کہ وہ اس کی مرضی سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ پھر ایک دن وہ اپنے وفاداروں کو بہترین جزا دے گا اور منکروں کا احتساب کرے گا...... یہ باتیں الحاد اور انکار خدا (atheism) پر مبنی مغربی فکر کے تحت لوگوں کو ناقابل یقین لگتی ہیں۔ ان چیزوں کو حقائق سے زیادہ بعض مذہبی لوگوں کا انفرادی عقیدہ یا ایک ثقافتی مظہر (Cultural Phenomenon) سمجھا جاتا ہے۔

جدید دنیا میں مذہبی افکار سے متعلق یہ تصورات عام ہیں، مگر ہمارے ہاں پچھلی دو نسلوں میں مذہبی فکر کے غلبے کی بنا پر یہ چیزیں نمایاں نہیں ہو سکی تھیں۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ انٹرنیٹ اور سیٹلائٹ ٹی وی چینلز کی وجہ سے تبدیلی کا ایک عمل آہستہ آہستہ شروع ہو چکا ہے۔ ان ذرائع کی پہنچ اور قوت کی بنا پر الحاد (atheism) کا اصل نشانہ ہماری جدید نسلیں اور نوجوان ہیں۔ ان نوجوانوں میں سوال اور تشکیک کے مرحلے کا آغاز ہو چکا ہے۔ موثر جواب سامنے نہیں آیا تو شکوک و شبہات اور انکار کا مرحلہ جو ابھی ایک اقلیت تک محدود ہے جلد ہی اکثریت کا مسئلہ بن جائے گا۔ اگلی نسل میں بیشتر پڑھے لکھے لوگ خدا و آخرت کو ایک زندہ حقیقت ماننے کے بجائے ایک ثقافتی مظہر کے مقام پر پہنچا دیں گے۔ میں مذہب کے ساتھ سوشل سائنس کا بھی طالب علم ہوں اور سماجی حرکیات (Social Dynamics) کو سمجھتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کیا تبدیلی آرہی ہے اور کیا آنے والی ہے۔ جواب دینے کا یہی وقت ہے۔ اس کے بعد کوئی جواب موثر نہیں ہوگا۔ نوجوان نسل کو بچانے کا یہی وقت ہے۔ اسی احساس کے تحت میں نے آج سے دو برس قبل ''جب زندگی شروع ہوگی'' کے نام سے ایک ناول شائع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو وہ مقبولیت عطا فرمائی جو کم ہی تحریروں کو ملا کرتی ہے۔

''جب زندگی شروع ہوگی'' میں میرا مقصد روز قیامت کو ایک زندہ حقیقت کی شکل میں دکھانا تھا۔ اس اسلوب میں استدلال کی ضرورت ہوتی ہے نہ اس کے بیان کی گنجائش۔ لیکن یہ اپنی

حقیقت کے اعتبار سے ایک کمی تھی جو پچھلے ناول میں بہر حال موجود تھی۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے قارئین کی خدمت میں ''قسم اُس وقت کی'' کے نام سے ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ یا Sequel پیش ہے۔ الحمدللہ اس کتاب میں قیامت کے وجود کو ثابت کیا گیا اور اس طرح ثابت کیا گیا ہے کہ انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے یہ ایک معجزانہ کام ہے جو کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ الحمدللہ یہ کام پروردگار عالم نے اپنی آخری کتاب میں خود ہی کر رکھا ہے۔ اس ناول میں قرآن مجید کا یہی معجزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو آخری درجے میں سچائی کو ثابت کر دیتا ہے۔ اس بندۂ عاجز کے نزدیک قرآن کریم کا یہی وہ معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک ہر انسان پر حجت قطعی ہے۔ ہمارے اہل علم اس معجزے کو سمجھتے اور اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں، مگر عام مسلمانوں کی اکثریت پر اس کی اہمیت واضح نہیں ہے۔ مگر درحقیقت ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس معجزے کو سمجھے اور دوسروں کو سمجھائے۔ یہ ناول اس کام کو ایک کہانی کی شکل میں آسان کرنے میں انشاءاللہ بہت معاون و مددگار ثابت ہوگا۔

میں نے اس ناول میں قرآن مجید کے اصل استدلال کے ساتھ کئی اور پہلوؤں سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ یہ وہ سوالات اور اعتراضات ہیں جو لوگ برسہا برس سے میرے سامنے رکھتے رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ہر جواب کے بعد ایک نیا اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ تاہم جو استدلال قرآن مجید کا ہے اور جو چوتھے باب سے شروع ہوگا، وہ ایک معجزہ ہے۔ اس کا جواب دینا ممکن نہیں۔ میرے پیش نظر اسی کا بیان ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ اسی کے ذیل میں ضمنی طور پر بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ استدلال جگہ جگہ بکھرا ہوا ہے، مگر اس کی ایک مختصر مگر جامع ترین سورت ''العصر'' کو بنیاد بنا کر میں نے اس ناول کی بنا اٹھائی ہے۔ ناول کا نام ''قسم اُس وقت کی'' اسی سورت کے ابتدائی الفاظ ''والعصر'' سے ماخوذ ہے۔

آج کی انفارمیشن ایج میں انکار خدا و آخرت پر مبنی مغربی فکر علم کے بجائے ثقافتی روایات ، تہذیبی اقدار اور میڈیا کے ذریعے سے ہماری نئی نسلوں کو متاثر کر رہی ہے۔ میں نے بھی ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے علمی طریقے کے بجائے اسی طریقے کو اختیار کیا ہے جو مغربی فکر کا طریقہ ہے۔ یعنی علمی کتاب لکھنے کے بجائے جذبات و احساسات پر مبنی ایک دلچسپ کہانی کی شکل میں نوجوان نسلوں کو مخاطب کیا ہے جو عام طور پر دین سے دور ہیں۔

مغرب کی اس دوسری یلغار کا چیلنج اتنا بڑا ہے کہ اس کے لیے کم از کم ایک پورے میڈیا گروپ کو وقف ہونا چاہیے۔ اس کے وسائل میرے پاس نہیں ہیں۔ میرا ہتھیار ایک بے مایہ قلم اور ایک خامہ خام ہے۔ یہ قلم نوائے حق بن کر ناول نگاری کے اسلوب میں الحاد کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے صف آرا ہوا ہے۔ اس غیر متوازن جنگ میں تنہا اترنے کی جرات مجھ میں اس یقین کی بنا پر پیدا ہوئی کہ یہ دراصل خدا کی جنگ ہے۔ اس جنگ میں کوئی ہمارے ساتھ ہو نہ ہو پروردگار عالم ضرور ہمارے ساتھ ہے۔ وہ اگر ساتھ ہے تو پھر اس راہ میں کسی دوسرے تیسرے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اللہ کے بندوں اور بندیوں کو اپنے تعصّبات ،فرقوں اور جماعتوں کی وفاداری سے اوپر اٹھ کر ایک دفعہ ضرور سوچنا چاہیے کہ عالم کے پروردگار نے روز قیامت اگر ان سے پوچھ لیا کہ جب میرا دین اپنی بقا کی فیصلہ کن جنگ لڑتے ہوئے تمھیں مدد کے لیے پکار رہا تھا تو تم کیا کر رہے تھے؟ سینے میں دل کی جگہ اگر پتھر نہیں تو سوچنا چاہیے کہ لوگ اس بات کا کیا جواب دیں گے۔ ہم لوگ اس بات کا کیا جواب دیں گے۔

ابو یحییٰ

26 اکتوبر، 2012ء

یوم العرفہ، 1433ھ

پہلا باب

کافرہ کی دعا

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بے وقوف میں نانا ابو کو کیا خاص بات نظر آئی ہے۔ کیا امی کے بعد وہ میری زندگی بھی تباہ دیکھنا چاہتے ہیں؟''

غصے اور جھنجھلاہٹ سے بھرپور یہ الفاظ وہ پہلی بات تھے جو فاریہ کو دیکھ کر ناعمہ کی زبان سے نکلے۔ یہ فاریہ کے لیے ایک بالکل غیر متوقع استقبال تھا۔

فاریہ کچھ دیر قبل جب ناعمہ کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر آسمان کی سمت بے مقصد بھٹک رہی تھیں۔ وہ اپنی سوچ میں اتنی مگن تھی کہ اسے فاریہ کی آمد کا احساس بھی نہیں ہوا۔ وہ اس کی آمد سے بے خبر اپنے خیالات کی دنیا میں کھوئی رہی۔

فاریہ کچھ دیر کھڑی ناعمہ کا جائزہ لیتی رہی۔ اسے ناعمہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ خیالات کے جس سمندر میں کھوئی ہوئی ہے وہاں ہموار لہریں موجزن نہیں بلکہ تلاطم کی کیفیت برپا ہے۔ اس کی خاموشی جس طوفان کا پیش خیمہ تھی اس کے تمام تر آثار ناعمہ کے چہرے پر بکھرے تاثرات سے ظاہر ہو رہے تھے۔

فاریہ کو یہ اندازہ تو اپنے گھر ہی میں ہو گیا تھا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ آج جیسے ہی وہ کالج

سے گھر پہنچی تو ناعمہ کا فون آ گیا کہ فوراً میرے پاس چلی آؤ۔ پہلے تو فاریہ سمجھی کہ ناعمہ کے نانا اسماعیل صاحب کی طبیعت کی خرابی کا کچھ مسئلہ ہے۔ کیونکہ پچھلے دنوں وہ ہسپتال میں تھے اور آج ناعمہ کالج بھی نہیں آئی تھی۔ مگر ناعمہ نے بتایا کہ ان کی طبیعت ٹھیک ہے۔ البتہ اس نے فاریہ سے بہت اصرار کیا کہ وہ فوراً اس کے پاس چلی آئے۔ لہٰذا کھانا کھاتے ہی وہ اس کے گھر چلی آئی۔ یہاں آ کر اس نے ناعمہ کو فکر و تردد کے جس سمندر میں غوطہ زن دیکھا اس نے اس کی تشویش کو اور بھی بڑھا دیا۔ ناعمہ خیالات کی جس دنیا میں کھوئی ہوئی تھی وہاں نہ دروازہ کھلنے کی آواز پہنچ سکی تھی نہ فاریہ کے قدموں کی چاپ۔

فاریہ اپنی عزیز سہیلی کو اس حال میں دیکھ کر مضطرب ہوگئی۔ وہ بچپن سے بہت گہری سہیلیاں تھیں۔ دونوں ایک ہی محلے میں رہے اور اسکول سے لے کر کالج تک ساتھ پڑھے تھے۔ وہ ناعمہ کی سوچ، اس کے رویے اور اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ناعمہ نے زندگی کتنی محرومیوں میں گزاری ہے۔ مگر زندگی کی ہر مشکل کو اس نے بڑی ہمت سے جھیلا تھا۔ پچھلے دنوں اپنے نانا کی بیماری میں اس نے جس طرح اپنی والدہ کا ساتھ دیا تھا وہ خود اس کی ہمت کی ایک مثال تھی۔ گھر میں نانا کے سوا کوئی اور مرد نہ تھا، مگر اس نے بڑی بہادری سے اس صورتحال کا سامنا کیا اور نانا کی خدمت میں پیش پیش رہی۔ اپنی ایسی باہمت سہیلی کی پریشانی فاریہ کے لیے باعث تشویش تھی۔

فاریہ کے کمرے میں داخل ہونے کے کافی دیر بعد بھی ناعمہ نے اس کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا تو فاریہ نے بہت پیار سے ناعمہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی آمد کی اطلاع دی۔

''ہماری فلسفی حسینہ کس کی یادوں میں کھوئی ہوئی ہے؟''

فاریہ ایک خوشگوار مذاق سے بات شروع کرنا چاہ رہی تھی، لیکن جواب میں ایک تند و تیز جملہ

سننے کو ملا جو ہر قسم کے سیاق و سباق کے بغیر تھا۔ وہ کون بے وقوف تھا جو اس کے نانا ابو کو نظر آ گیا تھا اور ناعمہ کی زندگی سے اس کا کیا تعلق تھا، فاریہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس نے ناعمہ کے برابر بیٹھتے ہوئے پیار سے اس کی کمر کو تھپتھپایا اور بولی۔

''مسئلہ کیا ہے؟ پوری بات بتاؤ۔ ایسے تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا۔''

''تمھیں معلوم ہے نا کہ پچھلے کچھ عرصے سے ہمارے گھر میں ایک بلا آ گئی ہے۔''

ناعمہ نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ مگر فاریہ پر ناعمہ کا مدعا واضح نہیں ہو سکا۔ اس نے نہ سمجھنے کے انداز میں سوال کیا:

''یار یہ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟ صاف صاف بتاؤ کس بلا کا ذکر کر رہی ہو؟''

ناعمہ نے جھلا کر کہا:

''وہی بلا جو پچھلے ہفتے نانا ابو کی بیماری میں مستقل طور پر ہمیں چمٹ گئی تھی۔''

''تم عبداللہ بھائی کی بات کر رہی ہو؟''، فاریہ پر اب واضح ہو گیا تھا کہ اس لب و لہجے میں کس کا ذکر خیر ہو رہا تھا۔ اس نے سوال کی شکل میں اپنی بات کی تصدیق چاہی۔ ناعمہ نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اسی توہین آمیز لہجے میں عبداللہ کا ذکر جاری رکھا۔

''ہاں اُسی احمق کی بات کر رہی ہوں جو روزانہ نانا ابو کے ساتھ رات کو زبردستی رکتا تھا۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ پانچ سات دن ہسپتال میں ان موصوف نے نانا ابو کی کیا خدمت کر لی کہ اب وہ مجھے کوئی بکری سمجھ کر میری رسی عمر بھر کے لیے اس کے حوالے کرنے پر تل گئے ہیں اور امی کو بھی انھوں نے قائل کر لیا ہے۔''

ناعمہ کے لہجے میں غصہ، نفرت، حقارت سب ایک ساتھ جمع تھے۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔''، فاریہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ معاملہ اب اس کی سمجھ میں آ چکا

تھا۔ وہ اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اسے پیار سے سمجھانے لگی۔

''دیکھو ناعمہ! تمھاری زندگی کا فیصلہ تمھاری مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ میں آنٹی کو جانتی ہوں اور نانا ابو کو بھی۔ وہ دونوں تم سے بے حد محبت کرتے ہیں اور تمھاری رضامندی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ مگر کیا آنٹی نے تم سے کوئی بات کی ہے؟''

اس نے ایک سوال پر اپنی بات ختم کی تو فاریہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''ہاں انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔''

''تو تم نے کیا جواب دیا؟''

''وہی جو تمھیں دے چکی ہوں۔''

''پھر انہوں نے کیا کہا؟''

''بس خاموش ہوگئیں۔''

''یار تو بس بات ختم ہوگئی۔ وہ یہ بات نانا ابو کو بتا دیں گی۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تمھیں اتنا غصہ کس بات پر ہے؟''، فاریہ نے قدرے تعجب سے پوچھا۔

ناعمہ اس سوال پر خاموش رہی تو فاریہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

''ویسے عبداللہ بھائی اتنے برے تو نہیں کہ تم رشتے کے ذکر پر اس قدر ناراض ہو جاؤ۔ تم نے ہی تو مجھے بتایا تھا کہ وہ تمھارے حسن سے اتنا مرعوب ہوئے تھے کہ تمھیں پہلی دفعہ دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے تھے۔''

ناعمہ کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے فاریہ نے لطیف انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ مگر ناعمہ کے چہرے پر مسکراہٹ کی کوئی رمق نمودار نہیں ہوئی۔ وہ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''اس شخص کا نہ کوئی کیریر ہے نہ اسٹیٹس۔ نہ شکل ہے نہ صورت۔ پھر اوپر سے اس کی مذہبی

باتیں۔ نانا ابو کی بیماری میں اس کی باتیں سن سن کر میں تو تنگ آ گئی تھی۔''

ناعمہ کے لفظ لفظ سے حقارت کا زہر چھلک رہا تھا۔

''یار کچھ تو خدا کا خوف کرو!''، فاریہ بھی چہرے پر سنجیدگی لاتے ہوئے بولی:

''عبداللہ بھائی کا اس وقت کوئی بڑا اسٹیٹس نہیں، مگر کیریر تو بہت شاندار ہے۔ ان کے پاس انجینئرنگ اور فائننس کی اعلیٰ ترین ڈگریاں ہیں۔ وہ پوزیشن ہولڈر رہے ہیں۔ ان کی جاب بھی اچھی خاصی ہے بلکہ ترقی کا بھی امکان ہے۔ رہی شکل کی بات تو یہ حقیقت ہے کہ وہ کسی اداکار کی طرح نہیں، نہ ایسے ہیں کہ ہزاروں میں نمایاں نظر آئیں، مگر اتنی بری شکل کے بھی نہیں کہ تم ان کے ساتھ کھڑی ہو کر شرمندہ ہو۔ اچھی مناسب شکل وصورت کے ہیں۔ اور جنہیں تم مذہبی باتیں کہہ رہی ہو، وہ تو تسلی کی کچھ باتیں تھیں جو وہ نانا ابو کی بیماری کے دوران میں ان سے، آنٹی سے اور تم سے کرتے رہے۔ اس میں کیا برائی ہے؟''

ناعمہ نے پوری بات کا جواب دینے کے بجائے فاریہ کے پہلے جملے کو پکڑ لیا۔

''کس خدا کا خوف کروں میں؟ اس کا جس نے بچپن میں مجھ سے میرا باپ چھین لیا۔ اس کا جس نے ساری زندگی سوائے غربت اور تنگ دستی کے مجھے کچھ نہیں دیا؟ اس کا جس نے جوانی میں میری ماں کو بیوہ کر دیا؟''

ناعمہ کے منہ سے الفاظ نہیں زہر میں بجھے ہوئے تیر نکل رہے تھے۔

''نہیں فاریہ بی بی نہیں! میں جاہل نہیں ہوں۔ نفسیات اور فلسفے کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میں نے بڑے بڑے فلسفیوں کو پڑھ رکھا ہے۔ یہ مذہبی ڈھکوسلے مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔ نہ عبداللہ جیسے مذہبی بہروپیوں کی باتیں مجھے احمق بنا سکتی ہیں۔''

شدت جذبات سے ناعمہ کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ وہ رکے بغیر بے تکان بولے چلی جارہی تھی۔

''اللہ سب ٹھیک کردے گا......اس کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے......وہ اپنے بندوں سے بے حد محبت کرتا ہے......''، ناعمہ لمحہ بھر سانس لینے کو رکی اور پھر بولنے لگی:

''کیا ٹھیک کیا ہے اس نے میرے ساتھ؟ اور میرے ساتھ ہی کیا پوری دنیا کے ساتھ کیا ٹھیک کیا ہے اس نے۔ کتنی غربت ہے یہاں۔ کتنی بیماریاں ہیں یہاں۔ کتنا ظلم ہے اس دنیا میں۔ ختم نہ ہونے والی طبقاتی درجہ بندی ہے۔ دولت کی غیر مساوی تقسیم ہے۔ بی بی اس دنیا میں کسی خدا کا حکم نہیں چلتا۔ یہاں صرف مادے کی حکمرانی ہے۔ یہاں صرف دولت اور طاقت کا راج ہے۔ یہی ایک حقیقت ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری حقیقت نہیں ہے۔ اپنے عمل سے ہر شخص بتاتا ہے کہ یہی آخری سچائی ہے، مگر چہرے پر منافقت کا نقاب چڑھائے رہتا ہے۔ میں منافق نہیں ہوں۔''

ناعمہ کی باتیں سن کر فاریہ کچھ پریشان ہوگئی۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ اس نے اپنے ان باغیانہ خیالات کا اظہار اس کے سامنے کیا تھا۔ ناعمہ کو اپنی زندگی اور حالات سے شکوہ تو شروع ہی سے تھا، مگر جب سے اس نے کالج میں فلسفے کے مضمون کو پڑھنا شروع کیا اور بڑے بڑے فلسفیوں کے افکار کا مطالعہ کیا تھا، تب سے اس کی بغاوت نظریاتی حیثیت اختیار کرگئی تھی۔ مگر آج اس نے جو لب ولہجہ اور انداز اختیار کیا تھا، وہ فاریہ نے بھی پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بات ختم کرنے کے لیے بولی:

''اچھا چھوڑو یار! اس موضوع پر ہم پہلے بھی کئی دفعہ بحث کر چکے ہیں......''

ناعمہ نے اس کی بات بیچ سے کاٹتے ہوئے کہا۔

''اور ہر دفعہ میں تمھیں لاجواب کر چکی ہوں۔''

''میں ہی نہیں کئی اور لوگ بشمول نانا ابو کے تمھاری ان خرافات کا شکار ہو چکے ہیں''

''میرے عقلی اعتراضات کو اگر خرافات کہہ کر تم آنکھیں چرانا چاہتی ہو تو تمھاری مرضی۔

ویسے لاجواب تو میں نے نانا ابو کو بھی کر دیا تھا۔‘‘

’’ہاں! مجھے وہ دن یاد ہے۔‘‘

فاریہ نے ہنستے ہوئے کہا:

’’اور اسی دن کے بعد وہ بے چارے تم سے ایسے ڈرے کہ اپنی جمع پونجی خرچ کر کے تمھیں اور آنٹی کو عمرہ کرانے لے گئے۔ شاید مکہ مدینہ جا کر کچھ سدھر جاؤ۔ لیکن لگتا ہے سدھرنے کے بجائے تم اور زیادہ بگڑ کر آئی ہو۔‘‘

’’میں تو مجبوری میں گئی تھی۔ نانا اور امی کہنے لگے کہ ہم دونوں عمرے پر جارہے ہیں۔ تم اکیلی یہاں کیسے رہو گی۔ اس لیے مجھے ان کے ساتھ جانا پڑا۔ اور وہاں جا کر میں تو بور ہی ہوتی رہی تھی......اور یہ مصیبت بھی وہیں گلے پڑی تھی۔‘‘

ناعمہ نے اپنے ’’جبری‘‘ عمرے کے آخر میں جس مصیبت کا ذکر کیا تھا، اس کی وضاحت کے لیے فاریہ کو کوئی سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ فاریہ جانتی تھی کہ اس کا اشارہ عبداللہ کی طرف ہے۔

ناعمہ نے اسی ٹون میں گفتگو کرتے ہوئے فاریہ پر ایک حملہ کیا:

’’لیکن یار یہ تو بتاؤ تمھارے خیال میں یہ بے وقوفی کا کام نہیں ہے کہ لاکھوں روپے خرچ کر کے انسان پتھروں کو دیکھنے اور چھونے چلا جائے۔ اس کے بجائے یہ پیسے کسی غریب کی مدد پر خرچ نہیں ہونے چاہییں؟‘‘

اس کے بعد ناعمہ جو کثرت مطالعے کی بنا پر ایک چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھی اعداد و شمار سے یہ ثابت کرنے لگی کہ جتنے پیسے حج عمرہ کے سفر پر خرچ ہوتے ہیں، اس سے غریب لوگوں کے کتنے مسائل ختم ہو سکتے ہیں۔ فاریہ کے پاس ایسی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس بے چاری نے

جان بچانے کے لیے کہا:

''یار میں تم سے بحث میں نہیں جیت سکتی۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں ہم یہ اللہ کے لیے کرتے ہیں۔ہم سب کو اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔سب سے بڑھ کر یہ شکریہ تمھیں ادا کرنا چاہیے۔اس لیے کہ......''

فاریہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑا اور ناعمہ کو کندھوں سے پکڑ کر دیوار پر لگے آئینے کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے بولی۔

''اللہ تعالیٰ نے اتنا حسین چہرہ اور ایسا دلکش وجود لاکھوں میں شاید کسی کو دیا ہوگا۔اس کا ہی شکر ادا کرلیا کرو۔''

ناعمہ اپنی تعریف پر خوش ہونے کے بجائے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے فاریہ سے بولی:

''میری جان! میری ماں بھی جوانی میں میرے جیسی تھی۔مگر جانتی ہو اس کے ساتھ کیا ہوا۔ میرے نانا نے ایک بہت شریف، ایماندار مگر غریب آدمی سے انہیں بیاہ دیا۔ میں دس مہینے کی تھی کہ میرے والد کا کینسر میں انتقال ہوگیا۔ وہ عین جوانی میں تڑپ تڑپ کر مرے اور میری ماں نوجوانی ہی میں بیوگی کا داغ لیے بیٹھی رہ گئی۔ میرے باپ نے ورثے میں میری ماں کے لیے بیوگی کے سوا کچھ اور نہیں چھوڑا۔ جس کے بعد میری ماں مجھے لے کر نانا کے گھر لوٹ آئیں۔ انھوں نے دوسری شادی کرنے کے بجائے میری پرورش کے خاطر اپنی جوانی برباد کردی۔اب میرے نانا یہ چاہتے ہیں کہ اس گھر میں پھر ایکشن ری پلے ہو۔اور تم کہتی ہو کہ میں شکر کروں۔''

''تو نہ کرو شکر۔ جو دل چاہے کرو۔''

فاریہ نے قدرے ناراض لہجے میں کہا تو ناعمہ کو احساس ہوا کہ وہ بے چاری اتنی دیر سے اس کی دل جوئی کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ جواب میں وہ اس کے ساتھ بلاوجہ تلخ ہورہی ہے۔وہ

اپنے لہجے اور گفتگو کی تلافی کرتے ہوئے نرمی سے بولی۔

''سوری یار۔ مجھے غصہ امی اور نانا پر تھا جو میں نے تم پر اتار دیا۔''

اس کو نرم پڑتے دیکھ کر فاریہ نے اس جارحانہ لب و لہجے کی طرف توجہ دلائی جس میں اس نے کچھ دیر قبل اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا تھا:

''میری تو خیر ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے معاملے میں محتاط رہا کرو۔ہم سب اس کے بندے ہیں اور وہ ہمارا مالک ہے۔''

''چھوڑو یار۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔''

ناعمہ ایک دفعہ پھر پٹڑی سے اترنے لگی تو فاریہ نے اسے سمجھایا:

''دیکھو میری بہن! میں تمھارے جیسی حسین ہوں نہ ذہین۔ میں ایک عام سی لڑکی ہوں۔ بلکہ ایورج سے بھی کم کہو۔میری منگنی بھی ایک عام سے لڑکے کے ساتھ ہوئی ہے۔لیکن میں بہت خوش ہوں۔تم سے کہیں زیادہ خوش ہوں۔اس لیے کہ خوشی اس چیز کا نام نہیں کہ ہمیں زندگی میں کیا ملا ہے۔ بلکہ جو کچھ ملا ہے اس میں خوش رہنا اصل چیز ہے۔ یہ کامیاب زندگی کا نسخہ ہے جو تم اپنے سارے علم اور ذہانت کے بعد بھی نہیں سمجھ سکیں۔تم ذہین ہو۔ بہت خوبصورت ہو۔مگر اللہ کی ان نعمتوں کو بھی تم نے اپنے منفی اندازِ فکر کی بنا پر اپنے لیے ایک مصیبت بنا لیا ہے۔''

ناعمہ اس دفعہ خاموش رہی۔ فاریہ نے اپنی بات کو موثر ہوتا دیکھ کر بات جاری رکھی:

''تم تعلیم اور علم میں بہت آگے ہو۔ ہر دفعہ تمھاری پوزیشن آتی ہے۔تم شکل ہی میں خوبصورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں شخصیت اور ذوق بھی بہت اچھا دیا ہے۔تمھارا لباس، اٹھنا بیٹھنا، اندازِ گفتگو ہر اس شخص کو متاثر کر دیتا ہے جو تم سے پہلی دفعہ ملتا ہے۔تم ان سب نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو۔شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں۔''

"نعمتیں شکر سے نہیں بڑھا کرتیں۔ موقع سے فائدہ اٹھانے سے بڑھتی ہیں۔"

ناعمہ نے فاریہ کی ساری اخلاقی تلقین کو مادی فلسفے کے دو جملوں میں برابر کر دیا۔

"اور میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں ان مواقع سے فائدہ اٹھاؤں گی جو قسمت سے مجھے مل گئے ہیں۔"

ناعمہ نے سوچ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے بجائے قسمت کو اپنا محسن قرار دیا تھا۔

"میں ایسی جگہ شادی کروں گی جہاں میرا مستقبل بالکل محفوظ ہو۔ بہت امیر گھرانہ ہو۔ بنگلہ، گاڑیاں ہوں، ملازم ہوں، بینک بیلنس ہو۔ ہر طرح کی خریداری کے لیے کریڈٹ کارڈ ہوں۔ فارن ٹرپس ہوں اور بس......"

ناعمہ نے آخری بات کہتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ شاید تصوراتی دنیا میں خود کو انہی سب چیزوں کے درمیان دیکھ رہی تھی۔

....

عبداللہ کے بارے میں ناعمہ کے جو جذبات تھے وہ فاریہ کے لیے کسی انکشاف کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ عبداللہ کا پچھلے کئی مہینوں سے ناعمہ کے نانا اسماعیل صاحب کے پاس آنا جانا تھا۔ تین افراد پر مشتمل اس چھوٹے سے کنبے سے عبداللہ کی ملاقات کچھ عرصہ قبل اس وقت ہوئی تھی جب اسماعیل صاحب اپنی بیٹی آمنہ اور نواسی ناعمہ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے۔ عمرہ ادا کرنے کے بعد وہ اپنی فیملی سے بچھڑ گئے تھے۔ عبداللہ نے اس وقت ان کی مدد کی اور اس جگہ تک ان کی رہنمائی کر دی تھی جہاں ان کی بیٹی اور نواسی ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ ساری باتیں فاریہ کے علم میں ناعمہ ہی کے ذریعے سے آئی تھیں۔

واپس آ کر انہوں نے عبداللہ سے رابطہ قائم رکھا اور کئی دفعہ اسے اپنے گھر پر بلایا تھا۔ فاریہ

ناعمہ کی سہیلی ہی نہیں اس چھوٹے سے کنبے کی ایک فرد کی طرح تھی۔اس لیے وہ بھی عبداللہ سے اچھی طرح واقف ہو چکی تھی۔ناعمہ کے برعکس فاریہ ایک مذہبی ذہن رکھتی تھی۔دیگر نوجوانوں کی طرح اس کے ذہن میں بھی بہت سے سوالات تھے۔اسماعیل صاحب جب عبداللہ سے باتیں کررہے ہوتے تو وہ بھی کبھی کبھار جا کر بیٹھ جاتی اور عبداللہ سے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات کا جواب حاصل کرتی۔ وہ عبداللہ کی شخصیت اور شرافت سے بھی بے حد متاثر تھی۔عبداللہ کے لہجے کا ٹھہراؤ، گفتگو میں متانت، نگاہوں میں حیا اور انداز واطوار میں شائستگی وہ چیزیں تھیں جو اسے اس کی عمر کے لوگوں سے بہت مختلف بناتی تھیں۔ان سب سے بڑھ کر عبداللہ کا علم بہت متاثر کن تھا جو اس کی عمر کے اعتبار سے بہت زیادہ تھا۔ان سب چیزوں کی بنا پر فاریہ عبداللہ کی بہت عزت کرتی تھی۔ تاہم ناعمہ کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔اپنی مذہب بیزار طبیعت کی بنا پر اسے اول دن ہی سے عبداللہ کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔اس پر مستزاد ابتدا ہی میں پیش آنے والا ایک واقعہ تھا، فاریہ جس کی گواہ بھی تھی اور کسی درجہ میں ذمہ دار بھی۔اس واقعے نے ناعمہ کے دل میں عبداللہ کے حوالے سے وہ دراڑ ڈال دی جو آنے والے دنوں میں ایک وسیع خلیج میں تبدیل ہوگئی۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب فاریہ اور ناعمہ کی ایک مشترکہ سہیلی کرن ناعمہ کے گھر آئی ہوئی تھی۔

....

کرن انٹرمیڈیٹ کی تعلیم کے زمانے میں فاریہ اور ناعمہ کی دوست بنی تھی۔وہ تھی تو دراصل ناعمہ کی ہم ذوق اور اسی کی دوست مگر ناعمہ کے تعلق سے فاریہ سے بھی اس کا ملنا جلنا ہو گیا۔کرن کے والد ایک کالج میں فلسفے کے پروفیسر تھے۔وہ مذہب اور اہل مذہب کے سخت خلاف تھے۔ ان کے زیر اثر ان کی بیٹی کرن بھی ایسے ہی خیالات رکھتی تھی اور بڑے فخر سے ان کا اظہار بھی

کرتی تھی۔ ناعمہ کے لیے تو اس میں خیر کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن فاریہ کو یہ باتیں بالکل پسند نہیں آتی تھیں۔ بات اگر کچھ مذہبی لوگوں کے منفی رویوں پر تنقید کی ہوتی تو فاریہ کو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مگر کرن مذہبی اعمال تو کجا اعتقادات کو بھی اہمیت نہیں دیتی تھی۔

انٹر کے بعد کرن الگ کالج میں پڑھنے لگی جبکہ ناعمہ اور فاریہ ساتھ ہی رہے۔ کالج کے بعد فاریہ نے کرن سے ملنا جلنا باقی نہیں رکھا تھا لیکن ناعمہ سے کرن کے تعلقات باقی رہے اور وہ دونوں کبھی کبھار ملاقات کرلیتی تھیں۔ پھر ایک روز ناعمہ نے فاریہ کو بتایا کہ کرن کے والد اپنی فیملی کو لے کر ایک مغربی ملک شفٹ ہو رہے ہیں۔ جانے سے قبل کرن اس سے ملنے آرہی ہے اس لیے وہ بھی اس کے گھر آجائے۔ چنانچہ فاریہ بھی اس کے گھر آگئی تاکہ کچھ پرانے دنوں کے حوالے سے گپ شپ ہوجائے اور وہ کرن کو الوداع بھی کہہ سکے۔

یہ ملاقات اس پہلو سے بہت اچھی رہی کہ پرانی کلاس فیلو سے ملاقات ہوگئی، لیکن فاریہ کے لیے کرن سے ملنا کئی پہلوؤں سے بڑا تکلیف دہ تھا۔ اسے پہلا جھٹکا تو کرن کو دیکھ کر ہی لگا۔ اسے دوپٹے کا بے وزن کپڑا ہمیشہ ایک بوجھ لگا تھا۔ کالج میں یہ بوجھ وہ کسی نہ کسی طرح ڈھو رہی تھی، مگر اب اس نے یہ بھاری بوجھ اپنے کندھوں سے اتار پھینکا تھا۔ کپڑے جدید فیشن کے مطابق اور تراش خراش میں ان تمام ہتھیاروں سے لیس تھے جو صنف مخالف کے دل و دماغ میں تہلکہ مچادیتے۔ جب گفتگو شروع ہوئی تو فاریہ کے لیے اس وقت صورتحال بڑی تکلیف دہ ہوگئی جب کرن نے حسب عادت مذہب کا مذاق اڑانا شروع کردیا۔ وہ اپنی گفتگو میں مغربی ممالک کے رہن سہن کی بہت تعریف کررہی تھی۔ پھر بغیر کسی وجہ کے یہ تعریف اُس وقت مذہب پر تنقید میں تبدیل ہوگئی جب کرن نے کہا:

''یار مغرب نے یہ ساری ترقی مذہب اور خدا کے تصور سے نجات پا کر حاصل کی ہے۔''

’’تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔‘‘، ناعمہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

’’پتہ نہیں ہمارے ہاں وہ وقت کب آئے گا جب لوگ ایسے فرسودہ تصورات سے نجات حاصل کریں گے۔ میں تو ایک مغربی اسکالر کی اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ نسل انسانی تب تک آزاد نہیں ہوسکتی جب تک خدا کو دیے ہوئے اپنے اختیارات واپس نہیں لے لیتی۔‘‘

کرن نے ترقی کے ساتھ آزادی کو بھی ایک بے خدا زندگی کا فیض ثابت کرتے ہوئے کہا تو فاریہ سے رہا نہ گیا:

’’یار کرن تم پتہ نہیں کس طرح کی انسان ہو۔ خدا ایک زندہ ہستی ہے جسے فلسفیانہ موشگافیوں سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔‘‘

’’تم معصوم ہو فاریہ۔ تمھیں نہیں معلوم کہ خدا کا تصور انسانوں کی ایجاد ہے۔‘‘

کرن نے شفقت آمیز لہجے میں فاریہ کو سمجھایا اور پھر اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک شعر پڑھا:

خدا کو اہل جہاں جب بنا چکے تو نیاز

پکار اٹھے خدا نے ہمیں بنایا ہے

کرن کا شعر پوری طرح ختم بھی نہ ہوا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ فاریہ جس کے لیے اس نشست میں بیٹھنا اب مشکل ہو چکا تھا وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی:

’’میں دیکھتی ہوں باہر کون ہے۔‘‘

فاریہ نے دروازہ کھولا تو باہر عبداللہ کھڑا ہوا تھا۔ فاریہ کو دیکھ کر وہ حسب عادت مسکرایا اور اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

’’السلام علیکم فاریہ۔ آپ خیریت سے ہیں۔‘‘

پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے بولا:

''مجھے اسماعیل صاحب سے ملنا ہے۔کیا وہ گھر پر ہیں؟''

اس وقت اسماعیل صاحب گھر پر نہیں تھے۔ فاریہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ وہ آمنہ بیگم کے ساتھ باہر گئے ہیں اور رات سے پہلے نہیں آئیں گے۔مگر اس وقت وہ کرن کی ناک توڑنا چاہتی تھی اور ناک توڑنے والا شخص اس کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ عبداللہ کو باہر سے لوٹا دیتی۔ اس نے عبداللہ کو اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''عبداللہ بھائی! وہ تو گھر پر نہیں ہیں لیکن تھوڑی ہی دیر میں آجائیں گے۔اس وقت تک آپ اندر آ کر انتظار کر لیجیے۔''

عبداللہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر اس کی رہنمائی میں چلتا ہوا ڈرائنگ روم تک آگیا۔اسے اندر آتا دیکھ کر ناعمہ نے تیزی سے دوپٹہ سر پر رکھا۔البتہ کرن حسب سابق بے تکلفی سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی رہی۔فاریہ نے اس کا تعارف کرن سے کراتے ہوئے کہا۔

''یہ عبداللہ بھائی ہیں اور یہ کرن ہیں، ہماری سابقہ کلاس فیلو۔''

پھر اس نے ناعمہ کو مخاطب کیا جو اسے حیرت اور ناگواری کے ملے جلے تاثر کے ساتھ گھور رہی تھی۔

''عبداللہ بھائی نانا ابو سے ملنے آئے تھے۔وہ تو ہیں نہیں۔میں نے سوچا ان کے ساتھ ایک کپ چائے ہی پی لی جائے۔''

فاریہ ایک لمحے کے لیے رکی اور شرارت بھرے انداز میں مسکراتے ہوئے ناعمہ سے بولی:

''ناعمہ مہمانوں کے لیے ذرا چائے تو بناؤ۔''

ناعمہ فاریہ کی بات سن کر جھنجھلا اٹھی۔اسے غصہ آرہا تھا کہ جب نانا اور امی گھر پر نہیں ہیں تو فاریہ عبداللہ کو اندر لے کر کیوں آئی اور وہ بھی اس وقت جب اس کی ایک پرانی سہیلی اس سے

ملنے آئی ہوئی ہے۔لیکن مروت اور لحاظ میں اس وقت وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ چاروناچار اسے اٹھنا پڑا۔وہ جھلائے ہوئے انداز میں کچن کی طرف چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد فاریہ نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے عبداللہ سے کہا:

''آپ بیٹھیے نا۔''

عبداللہ بیٹھ گیا اور فاریہ کرن سے عبداللہ کا تفصیلی تعارف کرانے لگی۔عبداللہ کا تعلیمی اور پیشہ ورانہ تعارف متاثر کن تھا۔تعارف ختم ہوا تو کرن ایک گرمجوش مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف قدرے جھکتی ہوئی بولی:

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔''

وہ جھکتے وقت اس بات سے قطعاً بے پروا تھی کہ اس نے دوپٹہ نہیں پہن رکھا ہے۔ جواب میں عبداللہ نے کہا:

''مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔''

یہ کہتے ہوئے عبداللہ نے نظر اٹھا کر کرن کی طرف دیکھا اور تیزی کے ساتھ نظر جھکا لی۔اس کے بعد جب تک عبداللہ بیٹھا رہا اس نے نظر اٹھا کر کرن کو نہیں دیکھا۔خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا جس کے بعد فاریہ نے جنگ کا میدان ہموار کرتے ہوئے کہا:

''یار کرن وہ عبداللہ بھائی کے آنے سے پہلے تم کیا شعر پڑھ رہی تھیں؟''

کرن نے ایک لمحے کو رک کر غور سے عبداللہ کو دیکھا۔وہ نظروں ہی نظروں میں عبداللہ کو تول رہی تھی۔عبداللہ کے جھکے ہوئے سر نے اس کی ہمت بندھائی۔اس نے پورے اعتماد کے ساتھ شعر دہرا دیا۔اس کے خاموش ہونے پر فاریہ نے عبداللہ سے کہا:

''کرن کا خیال ہے کہ خدا کے تصور سے نجات حاصل کیے بغیر ترقی ممکن نہیں۔''

کرن کو اپنی بات پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ عبداللہ کا جواب سنے بغیر بولی:

''مذہب پری موڈرن ازم میں کائنات کی توجیہہ کا ایک طریقہ تھا، مگر اب جب سائنس کی ترقی نے ہمیں بتادیا ہے کہ یہ کائنات کن فزیکل لاز کی بنیاد پر چل رہی ہے، ہمیں کسی خدا کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

کرن کے لہجے میں تحکم اور اعتماد کمال درجے کو پہنچا ہوا تھا۔ اس کے جملوں میں موجود ''پری موڈرن ازم'' کے الفاظ یہ بتارہے تھے کہ وہ انکار خدا کی فکری روایت سے واقف تھی۔ عبداللہ نے جو اس علمی اور فکری روایت کو کرن سے زیادہ جانتا تھا، تحمل سے اس کی بات سنی اور دھیمے لہجے میں بولا:

''آپ نے کبھی غور کیا کہ فزیکل لاز کے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ یہاں کوئی خدا نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کوئی لا میکر بھی ضرور ہوگا۔ کیا یہ کامن سینس کی بات نہیں؟''

کرن اس کا جواب سن کر گڑبڑا گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ وہ عبداللہ کو جواب دینا چاہ رہی ہے، مگر اس بات کا کوئی فوری جواب اس سے بن نہیں پڑ رہا تھا، مگر اب کرن کو اندازہ ہو چکا تھا کہ سر جھکائے بیٹھا ہوا شخص جسے وہ گاؤدی سمجھی تھی، اتنا پیدل نہیں تھا۔ عبداللہ نے ایک وقفے کے بعد کہا:

''یہی قرآن مجید کا طریقہ ہے۔ کائنات جن فزیکل لاز کے تحت چل رہی ہے وہ ان سے پیدا ہونے والے نظم، ترتیب، تنظیم کو بار بار سامنے رکھ کر یہ واضح کرتا ہے کہ کائنات کے اتنے مختلف اور باہم متضاد اجزا حیرت انگیز طور پر ہم آہنگ ہیں اور مل کر وہ لائف سپورٹنگ سسٹم ترتیب دیتے ہیں جو سرتا سر انسان دوست اور حیات دوست ہے۔ یہ بغیر کسی خالق کی مداخلت کے کیسے ممکن ہے؟''

قرآن کے ذکر پر کرن نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا:

''قرآن کا ذکر تو آپ بالکل نہ کیجیے۔ساری مذہبی کتابوں کی طرح اس میں بھی بڑی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔''

فاریہ جو کرن کی یہ بات پہلے بھی کئی دفعہ سن چکی تھی، وضاحت کرتے ہوئے بولی:

''کرن کا کہنا ہے کہ قرآن میں زبان و بیان اور گرامر کی بہت سی غلطیاں ہیں۔اس لیے یہ اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔''

فاریہ کی اس بات پر عبداللہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور ہنستے ہوئے کہا:

''کرن صاحبہ تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں مانتیں۔اس لیے قرآن کا اللہ کی طرف سے ہونا نہ ہونا ویسے بھی ان کا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔مگر میں بتاتا ہوں کہ یہ دراصل کس کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ درحقیقت اسلام مخالف مستشرقین کا ہے جو اللہ کو تو مانتے ہیں، مگر قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے۔ مگر ایسی باتوں کی کمزوری تو دو منٹ میں واضح ہو سکتی ہے۔''

''وہ کیسے؟''، فاریہ نے اشتیاق کے ساتھ کہا۔

''دیکھیے قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے، یہ ثابت کرنا سب سے زیادہ قرآن مجید کے پہلے مخاطبین مشرکین عرب کے لیے اہم تھا۔ یہ کام سب سے زیادہ آسانی سے وہی کر بھی سکتے تھے۔ کیونکہ وہ شعر وخطابت اور ادب و بلاغت کے بادشاہ تھے۔انہیں یہ کوشش بھی ضرور کرنی چاہیے تھی کیونکہ وہ اسلام کے بدترین دشمن تھے۔اس دشمنی میں انہوں نے ہر حربہ اختیار کیا، مگر کبھی یہ نہیں کہا کہ قرآن میں گرامر یا زبان کی کوئی غلطی ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر قرآن میں کوئی غلطی وہ لوگ دریافت نہیں کر سکے تو پھر سیکڑوں سال بعد پیدا ہونے والے لوگ کیسے قرآن کی غلطی نکال سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے اردو یا فارسی زبان بولنے والا کوئی شخص گرامر کی کتابوں سے

انگریزی سیکھے اور پھر دنیا کو یہ بتائے کہ اس نے شیکسپیر کے کلام میں غلطیاں نکال لی ہیں یا پھر کوئی انگریز اردو سیکھ کر دنیا کو بتائے کہ کلام غالب میں فلاں غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ یاد رکھیے کلاسیکل لٹریچر سے زبان کے قواعد وجود میں آتے ہیں۔قواعد کی بنیاد پر ان کو پرکھنا سطحی اندازِ فکر کی دلیل ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو غلطیاں مستشرقین قرآن میں نکالتے ہیں وہ کسی ناواقف شخص کو تو کچھ متاثر کر سکتی ہیں، لیکن زبان و بیان کا اچھا ذوق رکھنے والا کوئی شخص ان سے پہلے کبھی متاثر ہوا ہے نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ یہ سارے اعتراضات بچگانہ نوعیت کے ہیں۔''

پھر اس نے ایک اور آسان مثال سے اپنی بات کی وضاحت کی:

''عربی گرامر کی بنیاد پر قرآن میں غلطیاں نکالنا ایسا ہی ہے جیسے میڈیکل کی کسی کتاب میں کسی انسانی عضو کے کچھ فنکشنز لکھے ہوں۔ پھر تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ عضو ایک اور کام بھی کرتا ہے۔ اب صحیح رویہ تو یہ ہوگا کہ اس عمل یا فنکشن کو میڈیکل کی کتاب میں لکھ دیا جائے، نہ کہ میڈیکل کی کتاب کو بنیاد بنا کر یہ کہا جائے کہ فلاں عضو میں ایک غلطی دریافت ہوگئی۔''

عبداللہ بول رہا تھا اور کرن کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ عبداللہ نے اس کے مبلغ علم کا منبع بھی واضح کر دیا تھا اور اعتراض کا ایک واضح جواب بھی دے دیا تھا۔ اسی دوران میں ناعمہ چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے اندر آتا دیکھ کر فاریہ نے کہا:

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا میں جو ظلم ناانصافی، حادثات اور سانحات پائے جاتے ہیں، وہ اس بات کو ماننے کی اجازت نہیں دیتے کہ اس دنیا کا کوئی خالق و مالک ہے۔''

ناعمہ چائے رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر تناؤ تھا۔ وجہ صاف ظاہر تھی۔ یہ اعتراض ناعمہ کا تھا۔ عبداللہ نے بدستور جھکے ہوئے سر اور دھیمے لہجے کے ساتھ کہا:

''یہ دنیا کو آخرت کے بغیر دیکھنے کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل دنیا اور اصل زندگی آخرت

کی ہے۔جبکہ یہ عارضی اور فانی دنیا تو اس نے صرف امتحان کے لیے بنائی ہے۔اس مقصد کے لیے یہاں انسان کو اختیار و آزادی دی گئی ہے۔اس اختیار سے ظلم وجود میں آتا ہے۔اسی طرح امتحان کی غرض سے سانحات و حادثات بھی ہوتے رہتے ہیں۔یہ بھی امتحان کی غرض سے دنیا میں رکھے گئے ہیں۔مگر یہ حقیقت کا صرف ایک پہلو ہے۔اس دنیا میں سانحات سے زیادہ انعامات اور مہربانیاں ہیں۔انسان کو دونوں طرف دیکھنا چاہیے۔نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کرنا چاہیے۔جنت اسی کا بدلہ ہے۔‘‘

ناعمہ خاموشی سے سنتی رہی۔اس کے اعتراضات کی عمارت برسہا برس میں تعمیر ہوئی تھی۔ عبداللہ کے چند جملوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔البتہ کرن نے ناعمہ کی طرف سے عبداللہ کا جواب دینا ضروری سمجھا۔وہ ناعمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:

’’یہ جنت بھی ایک اور خیالی تصور ہے۔مذہبی یوٹوپیا۔بھئی یہی وہ باتیں ہیں جو ہمیں دنیا میں ترقی سے محروم رکھے ہوئے ہیں۔آخرت اور خدا کی باتیں کر کے ہم لوگوں نے مذہب کو افیون بنالیا ہے اور اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے۔‘‘

کرن ناعمہ سے حمایت کی طلبگار تھی۔مگر ناعمہ دل سے اس سے متفق ہونے کے باوجود خاموش رہی۔وہ عبداللہ کے سامنے کچھ بولنا نہیں چاہ رہی تھی۔ناعمہ کے بجائے عبداللہ نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا:

’’جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔مگر اللہ تعالیٰ تو یہ بات نہیں کہتے کہ اپنی صلاحیت استعمال نہ کرو۔وہ تو دنیا کے بارے میں بھی اسباب اکٹھا کرنے کا کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر جنت کے متعلق بھی بتاتے ہیں کہ اس میں داخل ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان راہ خدا میں جدوجہد کرے۔‘‘

کرن جنت کے دوبارہ ذکر پر تلملا اٹھی۔وہ تنک کر بولی۔

''ہاں وہی جنت جس کے متعلق شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

دوزخ کی دیوار پہ چڑھ کر میں نے اور شیطان نے دیکھا

سہمی ہوئی حوروں کے پیچھے وحشی ملا بھاگ رہے ہیں''

پھر اس نے ہنستے ہوئے عبداللہ سے کہا:

''آپ برا مت مانیے گا مگر آپ کے قرآن میں ہر جگہ حوروں ہی کا تو ذکر ہے۔''

کرن کی بات سے عبداللہ کو اندازہ ہوگیا کہ گفتگو اب دلائل کی حدود سے باہر نکل چکی ہے۔اس نے متانت سے کہا:

''آپ کی معلومات درست نہیں ہیں۔قرآن مجید کی چھ ہزار دوسو چھتیس آیات میں صرف چار مقامات پر حوروں کا لفظ آیا ہے۔مگر اس بات کو جانے دیجیے۔اہم بات یہ ہے کہ ہمیں ہر حال میں تہذیب اور شائستگی کا دامن تھامے رہنا چاہیے۔''

عبداللہ کا اشارہ کرن کے سنائے ہوئے شعر کی طرف تھا۔

''جی شائستگی اور تہذیب کا یہ درس آپ پہلے ذرا ملاؤں کو سکھا دیں جو اپنے سے مختلف نقطہ نظر کے لوگوں کو کافر اور واجب القتل قرار دیتے ہیں۔جو خود کو سرتاسر حق اور اپنے سوا ہر ایک کو سراپا باطل سمجھتے ہیں۔جو اختلاف رائے برداشت کر سکتے ہیں نہ کسی اور نقطہ نظر کے فرد کو جینے کا حق دینے کے لیے تیار ہیں۔جو ان سے اختلاف کر دے بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔اور لگتا ہے کہ آپ مذہبی اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف لگائے گئے فتووں، اچھالے گئے کیچڑ، الزام و بہتان اور فرقہ وارانہ قتل و غارتگری سے واقف نہیں ہیں۔''

کرن نے تند و تیز لہجے میں بات شروع کی اور ایک طنز پر اسے ختم کیا۔عبداللہ نے اس تندی و تیزی کا جواب بہت نرمی اور شائستگی سے دیتے ہوئے سے کہا:

’’جی مجھے معلوم ہے۔ میں سب جانتا ہوں۔ مگر ان کی غیر شائستگی سے میرے اور آپ کے لیے غیر شائستہ ہونے کا جواز پیدا نہیں ہو جاتا۔ دین میں معیار تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہوتی ہے اور میرے نبی نے مجھے تہذیب اور شائستگی ہی سکھائی ہے۔ میں اس کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتا۔

رہے عام انسان تو ان میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ پچھلی امتوں میں تو مکمل گمراہی آ گئی تھی۔ ہمارے ہاں کم از کم ایک گروہ ایمان کی راہ پر اور اعلیٰ اخلاق کے راستے پر کھڑا ہو کر ہمیشہ سچائی کی طرف بلاتا رہے گا۔ ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں۔ آپ ان کو کیوں نہیں تلاش کرتیں؟ ہمیں رس چوسنے والی شہد کی مکھی کی طرح بننا چاہیے جو پھولوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔ گندگی کی مکھی بننا کسی اعلیٰ انسان کو زیب نہیں دیتا۔‘‘

کرن کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ مگر اس کے چہرے کی بے پرواہی صاف بتا رہی تھی کہ اس پر عبداللہ کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

عبداللہ نے فاریہ سے مخاطب ہو کر کہا:

’’یاد ہے فاریہ! پچھلے دنوں میں نے آپ کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ہم مسلمان سمجھتے ہیں کہ ہم صرف عمل کی آزمائش میں ہیں۔ فکر اور عقیدہ کا مشکل ترین امتحان صرف غیر مسلموں کا مقدر ہے۔‘‘

فاریہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا:

’’جی مجھے یاد ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ ہم مسلمانوں کا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم فکر و ایمان کے امتحان کو یہود و نصاریٰ کا مسئلہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے لیے بھی یہ امتحان جاری ہے۔ دوسروں کے لیے اس کا مطلب ایمان قبول کرنا ہے اور ہمارے لیے اس کا مطلب سچائی قبول کرنا ہے۔ مگر

ہماری اکثریت اپنے مطلب کی حد تک سچائی قبول کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ جو سچائی ہمارے تعصّبات کے خلاف ہو ہمیں اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ اکثر تو ہم اس سچائی کے دشمن ہو جاتے ہیں۔''

فاریہ کا اشارہ بالکل واضح تھا۔ مگر عبداللہ اب اس بحث و مباحثے کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے ناعمہ سے پوچھا:

''اسماعیل صاحب کب تک آئیں گے؟''

''وہ اور امی کام سے گئے ہیں۔ رات تک آئیں گے۔''

ناعمہ نے اصل بات بتا دی جو فاریہ نے چھپالی تھی۔ عبداللہ یہ سنتے ہی کھڑا ہو گیا۔

''اچھا تو میں پھر بعد میں آؤں گا۔ انہیں میرا اسلام کہیے گا۔''

''آپ چائے تو پی لیجیے۔''، فاریہ نے اسے روکتے ہوئے کہا تو اس نے جواب دیا:

''نہیں شکریہ۔ میں خوامخواہ آپ لوگوں کی نشست میں مخل ہو گیا۔ معذرت چاہتا ہوں۔''

اس نے ناعمہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ مگر وہ خاموش رہی۔ ناعمہ کو اس بات کا سخت افسوس تھا کہ اس کی سہیلی کرن اس کے گھر آخری دفعہ ملنے آئی بھی تو اس کے لیے ایک ناگوار صورتحال پیدا ہو گئی۔ عبداللہ اٹھ کر کمرے سے باہر گیا تو فاریہ بھی اسے دروازے تک چھوڑنے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد کرن ناعمہ سے بولی:

''یہ آدمی بظاہر تعلیم یافتہ ہے، مگر اندر سے ایک جاہل مولوی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں تو لحاظ کر گئی کہ تمھارا مہمان ہے۔ ورنہ ایسا مزہ چکھاتی کہ ہمیشہ یاد رکھتا۔''

کرن نے اپنا غصہ عبداللہ پر اتارتے ہوئے کہا۔

''ہاں تم صحیح کہہ رہی ہو۔ مذہب افیون کا نشہ بن کر ان لوگوں کے رگ و پے میں اترا ہوا

ہوتا ہے۔''

ناعمہ عبداللہ اور کرن کی گفتگو کے بیشتر حصے میں موجود نہیں تھی۔ مگر فکری طور پر وہ کرن کی طرف ہی تھی۔ اس لیے اس نے کرن کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''یار یہ صاحب ہیں کون اور تمھارے گھر کا رخ کیسے کرلیا۔''، کرن نے معنی خیز انداز میں ناعمہ سے سوال کیا۔

''یہ میرے نانا کے چہیتے ہیں۔ انھی سے ملنے آتے ہیں۔''

ناعمہ نے ناگواری کے ساتھ جواب دیا۔

''مگر یار تم بچ کر رہنا۔ کہیں یہ اجڈ ملا ہماری حوروں سے زیادہ حسین ناعمہ کے پیچھے نہ لگ جائے اور پھر تم اس سے سہمی سہمی نہ بھاگ رہی ہو۔''

کرن نے بے ہودہ انداز میں قہقہہ مار کر کہا۔

ناعمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر چہرے کے تاثرات سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے دل میں عبداللہ کے لیے ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔

....

اِس واقعے کے تقریباً دو ہفتے بعد ایک روز اچانک ناعمہ کے نانا اسماعیل صاحب کے سینے میں درد اٹھا۔ اُس دن اتفاق سے عبداللہ ان سے ملنے آیا ہوا تھا۔ اسماعیل صاحب اکثر عبداللہ کو اپنے گھر بلا لیتے تھے۔ انہیں عبداللہ کی شکل میں ایک بہت قابل اور نیک نوجوان نظر آیا تھا جو عام نوجوانوں کے برعکس بہت ذمہ دار، باشعور اور بااخلاق تھا۔ بلاشبہ قدرت نے عبداللہ کو غیر معمولی شخصی خوبیوں سے نوازا تھا۔ بے پناہ ذہانت اور صلاحیت کی بنا پر اسے اسکول کے زمانے ہی سے اسکالرشپ ملتی رہی۔ یوں ماں باپ کے سائے سے محروم ہونے کے باوجود وہ اعلیٰ تعلیم حاصل

کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔تعلیم کے فوراً بعد ایک بہترین جاب سے وہ اپنے کیریر کا آغاز کر چکا تھا اور بتدریج ترقی کی سیڑھیوں پر کامیابی سے چڑھ رہا تھا۔

زندگی غموں اور خوشیوں کی دھوپ چھاؤں کا نام ہے۔سارے آثار یہ تھے کہ زندگی کی تپتی دھوپ سہنے کے بعد اب خوشیوں کی ردا اس پر سایہ فگن ہونے والی تھی۔عمر کے سفر پر عبداللہ نے برسات سے قبل چلنے والی ٹھنڈی ہواؤں کو اپنے وجود کا احاطہ کرتے محسوس کرلیا تھا۔اسماعیل صاحب کے خاندان میں اسے وہ سب کچھ نظر آ گیا تھا جس سے وہ محروم تھا۔اس لیے ان کے بلانے پر وہ ہر دفعہ بہت شوق اور اہتمام سے ان کے گھر جاتا تھا۔ دوسری طرف اسماعیل صاحب کو بھی اس نوجوان کی شکل میں اپنی اولاد نرینہ کی کمی کا احساس دور ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔عبداللہ میں انہیں وہ ذمہ داری اور صلاحیت نظر آئی تھی جس کی بنا پر ان کا ارادہ تھا کہ وہ اپنی نواسی اور بیٹی کی ذمہ داری اس کو سونپ کر اطمینان سے دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں۔

اس روز بھی وہ اسماعیل صاحب کے بلانے پر آفس سے واپس آتے ہوئے ان کے گھر آ گیا تھا۔وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا کافی دیر سے ان کا انتظار کررہا تھا۔مگر وہ نہیں آئے۔ پھر ان کی صاحبزادی آمنہ بیگم نے بتایا کہ ان کے سینے میں درد اٹھ رہا ہے۔عبداللہ نے فوراً انہیں ہسپتال لے جانے کا نہ صرف مشورہ دیا بلکہ خود اصرار کرکے انہیں ہسپتال لے گیا۔وہاں معلوم ہوا کہ اسماعیل صاحب کو ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہو چکا ہے۔ڈاکٹروں نے انہیں تفصیلی معائنے اور احتیاط کے پیش نظر ہسپتال میں داخل کرلیا۔

اس خاندان کے کفیل اور سرپرست اسماعیل صاحب تھے۔جب وہ خود ہسپتال آ گئے تو ایک مسئلہ پیدا ہوگیا۔ مالی طور پر تو کچھ نہ کچھ انہوں نے اچھے برے وقت کے لیے پس انداز کررکھا تھا، مگر ایسے مسائل سے نمٹنے کے لیے کسی مرد کا ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔اس کمی کو عبداللہ نے

بہت خوبی سے نبھایا۔ وہ دن میں اپنے دفتر جاتا اور رات بھر ان کے ساتھ ہسپتال میں رکتا۔ صبح کے وقت آمنہ بیگم آجاتیں اور دوپہر سے شام تک ناعمہ ان کے ساتھ رکتی۔

ناعمہ ایک بہت پراعتماد اور حوصلہ مند لڑکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس مسئلے کو تن تنہا بہت اطمینان کے ساتھ ہینڈل کرسکتی ہے۔ عبداللہ ویسے بھی اسے شروع ہی سے ناپسند تھا۔ اس نے بہت منع کیا کہ وہ رات کو نہ رکے، مگر عبداللہ کا اصرار تھا کہ رات کو وہی رکے گا۔ اسماعیل صاحب نے اس کی تائید کی اور ناعمہ کی والدہ آمنہ بیگم نے بھی اس کے ہونے کو ایک غیبی مدد سمجھا۔ یوں ہسپتال کے ان دنوں میں وہ اس خاندان سے قریب ہوتا چلا گیا۔ سوائے ناعمہ کے جس کے دل میں ہر گزرتے دن کے ساتھ عبداللہ کی ناپسندیدگی بڑھتی چلی جارہی تھی۔

اس ناپسندیدگی کا سبب بھی انہیں دنوں میں ناعمہ پر واضح ہونے لگا تھا۔ یہ عبداللہ کے اندر موجود اللہ تعالیٰ کی گہری محبت تھی جو بات بے بات پر اس کی زبان پر اللہ کا نام لے آتی تھی۔ ناعمہ کو اس نام سے چڑ تھی۔ جب اللہ کے نام سے چڑ تھی تو عبداللہ کے متعلق اس کی رائے کیسے مختلف ہوسکتی تھی؟

....

یہ اسماعیل صاحب کا ہسپتال میں چوتھا دن تھا۔ پہلے ان کی انجیوگرافی ہوئی جس کے فوراً بعد ڈاکٹروں نے ان کی انجیو پلاسٹی کردی۔ اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہوچکی تھی اور وہ خود کو بہت بہتر محسوس کررہے تھے۔ مگر چار دن کی فکر اور بے آرامی کے سبب آمنہ بیگم آج خود کو کچھ بہتر محسوس نہیں کررہی تھیں۔

سیانے ٹھیک کہتے ہیں کہ بیماری فرد پر نہیں آتی پورے گھرانے پر آتی ہے۔ یہی اسماعیل صاحب کے گھرانے کے ساتھ ہوا تھا۔ بیمار تو وہ ہوئے تھے، مگر ناعمہ اور آمنہ بیگم بھی مکمل بے

آرامی کی زد میں تھے۔ سب سے زیادہ بے آرام عبداللہ تھا مگر اس کا کیا ذکر کہ اس نے یہ ذمہ داری رضا کارانہ طور پر لی تھی۔ پھر وہ اور ناعمہ نوجوان تھے، اس بے آرامی کو قدرے ہمت سے جھیل گئے، مگر آمنہ بیگم پر آج اس بے آرامی کا اثر ہو چکا تھا۔ اپنے والد کی طرف سے انہیں فکر بھی بہت تھی۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ باپ کو کچھ ہو گیا تو ان دو خواتین کے لیے مشکل زندگی اور مشکل ہو جائے گی۔ اس فکر و بے آرامی نے آج انہیں کچھ بیمار کر دیا تھا۔ اس لیے رات ہونے کے باوجود وہ ابھی تک ہسپتال نہیں آئی تھیں۔ ورنہ ان کا معمول تھا کہ عبداللہ کے آنے کے بعد رات کے وقت ناعمہ کو ہسپتال سے گھر لے جانے کے لیے وہ خود آتی تھیں۔

اس وقت ناعمہ ہسپتال میں نانا ابو کے پاس بیٹھی انہی کا انتظار کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر قبل عبداللہ آ چکا تھا۔ عبداللہ کے لیے ناعمہ کی قربت ایک خوشگوار تجربہ ہوتا تھا۔ مگر ناعمہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس نے عبداللہ کے آتے ہی گھڑی دیکھنی شروع کر دی تھی۔ اسے گھر جانے کی جلدی نہیں تھی۔ اس کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ عبداللہ کے ساتھ ایک لمحہ بیٹھنا بھی اس پر گراں گزرتا تھا۔ ناعمہ کو چند دنوں ہی میں تجربہ ہو گیا کہ یہ شخص بیماری کو اتنا گلیمرائز کرتا تھا کہ صحت مند شخص کو بھی اپنے آپ کو بیمار دیکھنے کی خواہش پیدا ہو جاتی۔ بیمار کا اجر، اللہ کی قربت، گناہوں کی معافی اور پیغمبروں کی بیماریوں میں صبر کے واقعات جب وہ سنانے لگتا تو آمنہ بیگم اور اسماعیل صاحب سر دھنتے اور ناعمہ کا دل چاہتا کہ اپنی جوتی اٹھائے اور اس کے سر پر برسا دے۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا کہ کسی طرح عبداللہ کو ہسپتال کی تیسری منزل سے نیچے دھکا دے دے تاکہ اس کی ٹانگیں ٹوٹ جائیں۔ پھر وہ مہینہ بھر ہسپتال میں رہے اور اپنے آپ کو یہ سارے مذہبی قصے جنھیں ناعمہ خرافات کہتی تھی، سناتا رہے۔

آج کا دن ناعمہ کے لیے بہت غنیمت تھا کہ ابھی تک عبداللہ خاموش تھا۔ اس کا ایک

سبب شاید یہ تھا کہ آمنہ بیگم ابھی نہیں آئی تھیں۔ کیونکہ اپنا دکھڑا وہی روتی تھیں اور تسلی کی باتیں بھی عبداللہ ان ہی سے کیا کرتا تھا۔ تاہم پھر بھی ناعمہ کو عبداللہ کا وجود گراں گزر رہا تھا۔ اس لیے وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔

کافی دیر تک جب ناعمہ نہ لوٹی تو اسماعیل صاحب نے عبداللہ سے کہا:

''بیٹا! ذرا جا کر ناعمہ کو دیکھو۔ وہ کہاں رہ گئی ہے۔''

عبداللہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھا اور ناعمہ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھتا ہوا وارڈ سے باہر آ گیا۔ وہ یہاں پہنچا ہی تھا کہ اسے ناعمہ فاریہ کے ساتھ کھڑی ہوئی نظر آئی۔

فاریہ نے بھی عبداللہ کو دیکھ لیا تھا وہ عبداللہ سے بہت تپاک سے ملتے ہوئے بولی:

''السلام علیکم عبداللہ بھائی! آپ کیسے ہیں؟ میں یہاں لینے تو ناعمہ کو آئی ہوں، مگر خواہش یہ بھی تھی کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ سو اللہ نے یہ خواہش بھی پوری کرا دی۔''

عبداللہ نے بھی اسے اسی گرمجوشی سے جواب دیا:

''میں الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔ لیکن پہلے یہ بتائیے کہ آج ناعمہ کو لینے آنٹی کیوں نہیں آئیں۔''

''ان کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ بس ذرا بخار سا محسوس کر رہی ہیں۔ لیکن میں نے انہیں گولی کھلا دی تھی۔ میں انہیں بستر پر لٹا کر ان سے اصرار کر کے یہاں آئی ہوں کہ ناعمہ کو خود لے کر آ جاؤں گی۔ آپ لوگ بالکل پریشان نہ ہوں۔''

اس نے عبداللہ کو جواب دیتے دیتے ناعمہ کی طرف دیکھ کر کہا جو آمنہ بیگم کی بیماری کا سن کر پریشان ہو چکی تھی۔ غالبًا آمنہ بیگم کی بیماری والی بات اس نے ابھی تک ناعمہ کو نہیں بتائی تھی۔ عبداللہ نے ناعمہ کو پریشان دیکھا تو اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

''انشاء اللہ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ یہ دکھ بیماری تو زندگی کا حصہ ہے۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔''

عبداللہ کے اس جملے پر ناعمہ کا دماغ گھوم گیا۔ وہ کئی دنوں سے عبداللہ کی اس نوعیت کی گفتگو برداشت کر رہی تھی۔ اِس وقت اپنی والدہ کی طبیعت کا سن کر وہ بہت پریشان تھی۔ ایسے میں عبداللہ کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ اس نے بمشکل خود پر ضبط کیا اور بہت تحمل کے ساتھ بولی:

''عبداللہ صاحب میری والدہ بیمار ہیں۔ انہیں بخار ہے۔ انہیں اللہ نہیں بخار کی گولی ٹھیک کرے گی۔ اور اگر آپ کو میری بات سے اختلاف ہے تو ایسا کیجیے کہ ہسپتال بند کروا دیجیے اور ایک روحانی شفا خانہ کھول کر بیٹھ جائیں۔ پھر تعویذ لکھ لکھ کر سارے مریضوں میں بانٹیں۔ اللہ نے چاہا تو سب لوگ اسی سے ٹھیک ہو جائیں گے۔''

ناعمہ کا لہجہ نرم تھا۔ مگر اس کے الفاظ میں طنز کی گہری کاٹ تھی۔

عبداللہ اس غیر متوقع حملے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ وہ قدرے گھبرا کر بولا:

''نہیں ...... وہ...... میرا مطلب یہ تھا کہ اللہ انہیں ٹھیک کر دے گا۔ علاج تو بیشک کرانا چاہیے۔''

''اور اگر علاج نہ کیا جائے تو کیا تب بھی اللہ ٹھیک کر دے گا؟''

ناعمہ اسے زچ کر دینے پر تل چکی تھی۔

''نہیں۔ علاج تو ضرور کرانا چاہیے۔ یہ بھی اللہ کا حکم ہے۔ لیکن شفا اللہ ہی دیتا ہے۔''

اس موقع پر فاریہ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ ناعمہ کی کیا کیفیت ہے۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر اس نے ناعمہ کو نہیں روکا تو وہ اس بات کا لحاظ کیے بغیر کے عبداللہ ان لوگوں کا محسن ہے، اس سے الجھ پڑے گی۔ اس نے فوراً مداخلت کی اور کہا۔

''ناعمہ! آنٹی تمھارا انتظار کر رہی ہیں اور تم یہاں باتوں میں لگ گئی۔''

پھر وہ عبداللہ سے مخاطب ہو کر بولی:

''عبداللہ بھائی تھینک یو ویری مچ۔ آپ نانا ابو کو بتا دیجیے گا کہ ناعمہ میرے ساتھ چلی گئی۔ آنٹی کی طبیعت کا کچھ نہ کہیے گا۔ وہ انشاء اللہ صبح تک بالکل ٹھیک ہو چکی ہوں گی۔ ان سے کہیے گا کہ میں یہاں قریب کسی کام سے آئی تھی، اسی لیے ناعمہ کو ساتھ لے گئی۔''

''میں آپ کو اپنی گاڑی میں چھوڑ آتا ہوں۔''، عبداللہ نے مدد کی نیت سے اسے پیشکش کی۔

''آپ کا بہت شکریہ۔ ہم آسانی سے چلے جائیں گے۔ آپ پلیز نانا ابو کے پاس جائیے وہ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

عبداللہ کی بات کا جواب اس دفعہ ناعمہ نے دیا۔ غالبًا اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ بغیر کسی وجہ کے عبداللہ سے بدتمیزی کر رہی تھی۔

ناعمہ کا شکریہ عبداللہ کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ وہ انہیں اللہ حافظ کہہ کر خوشی خوشی واپس لوٹ گیا۔

....

ناعمہ میں یہ مذہب بیزاری اور خدا دشمنی پہلے دن سے نہیں تھی۔ اس کے بہت سے عوامل تھے جنھوں نے ناعمہ کو اس قدر تلخ بنا دیا تھا۔ اس کی ذاتی زندگی محرومیوں سے عبارت تھی۔ وہ ایک بے حد حساس اور ذہین لڑکی تھی۔ اس کے بہت سے سوالات تھے۔ مگر عقلی جواب کہیں نہیں تھے۔ آخرکار اپنے جوابات کی تلاش میں وہ فلسفہ کی دہلیز تک جا پہنچی۔ انٹرمیڈیٹ کالج میں کرن کی صحبت نے اسے فلسفے اور ملحدانہ نظریات سے روشناس کرا دیا۔ کرن ایک سطحی علم کی لڑکی تھی اور سطحی ہی رہی مگر ناعمہ کا مطالعہ بہت گہرا تھا۔ انٹر کے بعد گریجویشن میں اس نے فلسفے اور نفسیات

بطور اختیاری مضامین کے لے لیے۔ اس پر علم کی نئی دنیائیں کھل گئیں۔

ناعمہ کی زندگی میں محرومیوں نے جو شکایت بھر دی تھی فلسفہ کی تعلیم نے اس شکایت کو ایک فکری زبان اور عملی اعتماد بخش دیا تھا۔ ایک طرف ذاتی محرومیاں اور فلسفیانہ افکار کی تعلیم تھی تو دوسری طرف اس نے معاشرے میں جتنی بھی مذہبیت دیکھی تھی وہ بس کچھ ظاہری چیزوں تک محدود تھی۔ والدہ اور نانا کو بچپن سے نماز روزہ کرتے دیکھا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ یہ سب کرتی تھی لیکن جیسے جیسے شعور آیا ذہناً ان چیزوں سے دور ہوتی گئی۔ نماز اب وہ اکثر چھوڑ دیتی تھی اور کبھی پڑھتی تو ماں اور نانا کے اصرار پر ان کی خوشی کی خاطر پڑھ لیتی۔ البتہ روزے سالانہ رسم کے طور پر اب بھی پورے رکھتی تھی۔ گو اس میں بھی ناعمہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اس طرح غریبوں کے دکھ درد کا زیادہ احساس پیدا ہوتا ہے۔

اچھے اساتذہ بڑی نعمت ہوتے ہیں۔ مگر ناعمہ کی بدقسمتی کہ اسے ایسا کوئی اچھا استاد نہ مل سکا۔ اس نے جب کبھی مذہبی پس منظر میں کوئی سوال اٹھایا تو ڈرا دھمکا کر، جہنم کا خوف دلا کر، خدا کے غضب کا ذکر کر کے اس کے سوالات کو کچل دیا گیا۔ اسکول سے نکل کر کالج میں پہنچی تو کچھ مذہبی حلقے دیکھے۔ اسے بھی درس میں بلایا جاتا۔ شروع شروع میں تو وہ گئی بھی لیکن تھوڑے عرصے میں اسے اندازہ ہو گیا کہ سارا زور مچھروں کو چھاننے کی طرف ہے۔ ہر شخص اطمینان سے سالم اونٹ نگلے جا رہا تھا۔ چند ظاہری اعمال ایمان کا اصل معیار بن چکے تھے اور بڑے بڑے اخلاقی اعمال ناقابل تذکرہ تھے۔

اس نے دیکھا کہ مذہب کے نام پر کھڑے کم و بیش تمام لوگ وہی کچھ کر رہے ہیں جو باقی لوگ کرتے ہیں۔ یعنی اپنا مفاد اور اپنا بچاؤ سب سے پہلے، چاہے اخلاقیات کتنی بھی پامال کیوں نہ ہو جائے۔ جیسے دوسرے لوگوں کے دل نفرت، کینے، بغض اور عداوت سے بھر جاتے ہیں ویسے

ہی یہ لوگ بھی ہیں۔ جیسے غیبت، چغل خوری، جھوٹ، الزام، بہتان، دروغ گوئی، حسد اور تکبر کا شکار دوسرے لوگ ہوتے ہیں، ایسے ہی یہ بھی ہیں۔

اس نے دوران تعلیم اہل مذہب کے نقطہ نظر کا باقاعدہ مطالعہ کیا تو اس پر یہ ہولناک انکشاف ہوا کہ سارے مذہبی فرقے ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ سمجھتے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو واحد سچائی کے طور پیش کرتا ہے۔ ہر مذہبی گروپ کی یہ کوشش تھی کہ کسی طرح لوگوں کو گھیر کر اپنے ساتھ ملایا جائے اور جو ایک دفعہ ساتھ آ جائے اس کو تعصب اور ذہنی جمود کی زنجیروں میں اس طرح جکڑا جائے کہ وہ کسی اور کی بات سننے اور سمجھنے کے قابل ہی نہ رہے۔ اس مقصد کے لیے دوسروں کو بدنام کرنا، ان کی بات کو غلط طریقے سے پیش کرنا، ان کی طرف جھوٹ منسوب کرنا، ان کے خلاف فتوے دینا اور ان کے ایمان پر حملے کرنا ایک معمول کی بات ہے۔ حد تو یہ ہے کہ جن لوگوں سے اختلاف ہو جائے ان کی جان لینے کو بھی ان میں سے بہت سے لوگ جائز قرار دیتے ہیں۔ باقی لوگ فرقہ وارانہ اور فکری اختلافات کی بنیاد پر قتل ہونے والوں کی موت پر اطمینان کا اظہار کرتے یا کم از کم خاموش رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہر گروہ اپنی حق پرستی اور سچائی کا ڈھنڈورا پیٹتا ہوا بھی نظر آتا۔

مذہب کی اس دنیا میں خدا کی حیثیت ایک قومی مذہبی دیوتا کی تھی جسے عام انسانوں کو ڈرانے کے لیے بطور ایک ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ اس قومی دیوتا کے نام پر کھڑے لوگ مفاد یا اختلاف کے ہر موقع پر اخلاقی اقدار کو مکمل طور پر بھول کر بالکل عام انسانوں جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ مادیت کی دوڑ میں ہر شخص لگا ہوا ہے۔ کچھ لوگ اللہ کا نام لے کر یہ کرتے ہیں اور باقی لوگ اس کا نام لیے بغیر اس ریس کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔

اس نے ایک دو دفعہ اس نوعیت کی باتیں کچھ لوگوں سے کہنے کی کوشش کی تو ناعمہ کے خلاف ایسا پروپیگنڈا کیا گیا کہ وہ پورے کالج میں بے مذہب اور ملحد مشہور ہو گئی۔ کچھ نے اسے مغربیت

سے مرعوب اور اسلام دشمن قرار دے دیا۔ ناعمہ اس پروپیگنڈے پر دنگ رہ گئی۔ اس کے دل میں مذہب اور اہل مذہب کے خلاف اتنا شدید غصہ پیدا ہوا کہ اسے مذہب ایک گالی اور خدا کا تصور مذہبی لوگوں کا گھڑا ہوا ایک افسانہ محسوس ہونا شروع ہو گیا۔

اس کے بعد ناعمہ کی آخری پناہ گاہ مغربی فکر و فلسفہ تھا۔ وہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہوتی چلی گئی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ مادیت پسند بہتر ہیں جو فلسفیانہ سطح پر مادیت کا اقرار کر کے اس دوڑ میں حصہ لیتے ہیں، بہ نسبت ان لوگوں کے جو نام تو خدا کا لیتے ہیں، مگر ان کے دل مفاد اور عناد سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسے اپنی پوری زندگی میں کوئی ایسا مذہبی شخص نظر نہیں آیا جو فکری طور پر اس کے سوالات کا جواب دے سکے اور ساتھ ساتھ سیرت و کردار میں بھی مفاد اور عناد سے بلند ہو کر ایمان، احسان، عدل، رحم اور محبت کی وہ زندگی گزارتا ہو جس کا ذکر اس نے کورس کی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں پڑھا تھا۔

چنانچہ اس کا یہ یقین بڑھتا چلا گیا کہ مذہب ایک فریب ہے۔ خدا کا وجود مذہبی لوگوں کا گھڑا ہوا ایک جال ہے جس کے تانے بانے توہمات کی ڈوریوں سے بنے جاتے ہیں اور جس میں گرفتار لوگوں کو عقیدت اور خوف کی دوہری زنجیروں میں جکڑ کر انہیں ذہنی اور نفسیاتی طور پر غلام بنا لیا جاتا ہے۔ حقیقت وہی ہے جسے زیادہ تر مادیت پسند فلسفی بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ کائنات اندھے بہرے مادے کی کارستانی ہے۔ دنیا کی کامیابی اور ترقی ہی اصل چیز ہے۔

تاہم اچھے اہل علم کو پڑھنے کے نتیجے میں اور خود اپنی طبیعت کی بنا پر ناعمہ اخلاقی طور پر بہت پختہ تھی۔ وہ باحیا تھی۔ بہت باوقار اور شائستہ تھی۔ حتی الامکان لوگوں کی مدد کرتی اور ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آتی۔ اس میں صرف ایک ہی استثنا تھا۔ یہ استثنا عبداللہ کی ذات تھی جس سے اسے پہلے دن بیر ہو گیا تھا۔

....

یہ اسماعیل صاحب کے ہسپتال میں آخری ایام تھے۔ ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ ایک دو دن میں انہیں چھٹی مل جائے گی۔

ناعمہ کالج سے گھر آ کر کھانے وغیرہ سے فارغ ہوتی اور سیدھی ہسپتال آ جایا کرتی تھی۔ آج بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئی اور مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے اپنے نانا کے وارڈ کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک ایک غریب سی دیہاتی عورت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ روتی جاتی اور کہتی جاتی کہ بیگم صاحبہ میری مدد کرو۔ مجھ غریب پر رحم کھاؤ۔

اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا کہ ناعمہ اپنی شخصیت اور رکھ رکھاؤ میں کوئی ''بیگم صاحبہ'' ہی لگتی تھی۔ ایک تو شکل وصورت اور قد وقامت اللہ نے ایسا دیا تھا۔ دوسری طرف اس کا رکھ رکھاؤ، لباس اور چال ہر چیز سے حسن اور وقار ٹپکتا تھا۔ دور سے دیکھنے ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ کوئی کھاتے پیتے گھرانے کی متمول خاتون آ رہی ہو۔ ناعمہ نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس عورت سے دریافت کیا:

''کیا مسئلہ ہے کیوں رو رہی ہو؟''

''بیگم صاحبہ! میرا بچہ ہسپتال میں ہے۔ اس کا آپریشن ہونا ہے۔ ہسپتال والے کہتے ہیں کہ فوراً 65 ہزار روپے جمع کراؤ۔ ورنہ آپریشن نہیں کریں گے۔ میں بہت غریب ہوں۔ باہر گاؤں سے علاج کے لیے شہر آئی ہوں۔ میرا مرد مزدور ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم نے دے دیا۔ ہمارا کوئی جاننے والا نہیں۔ اب اتنے پیسے میں کہاں سے لاؤں۔ اللہ کے واسطے میری مدد کرو۔''

اللہ کا نام سن کر ناعمہ کو پہلے تو بہت غصہ آیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس سے کہے کہ جاؤ اللہ سے مانگو مجھ سے کیوں مانگتی ہو۔ پھر خیال آیا کہ اس طرح کی باتوں کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس نے پوچھا:

''کون مانگ رہا ہے پیسے؟''

جواب میں وہ غریب عورت اسے اپنے ساتھ انتظامیہ کے دفتر لے گئی۔ ناعمہ نے وہاں موجود شخص سے صورتحال معلوم کی تو اسے بتایا گیا کہ واقعی یہ عورت ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس پر ناعمہ نے ڈیوٹی پر تعینات شخص سے کہا:

''آپ لوگ کیا کسی غریب کی کوئی مدد نہیں کرتے۔''

جواب ملا:

''بی بی یہ پرائیوٹ ہسپتال ہے۔ ایسے غریب یہاں ہر روز بہت آتے ہیں۔ اگر ان کی مدد کرتے رہے تو ہسپتال بند ہو جائے گا۔ اس سے کہیں کہ بچے کو سرکاری ہسپتال لے جائے۔''

ناعمہ نے اس عورت کی طرف دیکھا تو اس نے کہا:

''ہم پہلے وہیں گئے تھے، مگر وہاں کوئی بیڈ خالی نہیں تھا۔ پھر ڈاکٹروں نے ہڑتال کر دی۔ اس لیے ہم اسے یہاں لے آئے۔ اب یہ کہہ رہے ہیں کہ جب تک پیسے نہیں آئیں گے آپریشن نہیں ہوگا۔''

ناعمہ دوبارہ اس شخص کی طرف پلٹی اور پوچھا:

''کیا کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں ہوتا، کوئی زکوٰۃ فنڈ نہیں ہے یہاں؟''

''زکوٰۃ فنڈ سے مدد بھی کر دی اور ڈسکاؤنٹ بھی دے دیا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے۔''

''چاہے بچہ مر جائے؟''، ناعمہ نے جھلا کر کہا تو جواب ملا۔

''ہسپتال میں لوگ مرتے بھی ہیں۔ ویسے آپ کو اتنا ہی درد ہے تو خود مدد کریں۔ آپ خود بھی کھاتے پیتے گھرانے کی لگتی ہیں۔''

ناعمہ نے ایک لمحے کو سوچا۔ اس ایک لمحے میں وہ اپنی مجبوریوں اور وسائل کا حساب کر رہی

تھی۔ پھر وہ فیصلہ کن لہجے میں بولی:

''پیسے ایک گھنٹے میں مل جائیں گے۔آپ ٹریٹمنٹ شروع کروائیں۔''

یہ کہہ کر وہ عورت کی طرف پلٹی اور کہا:

''مائی! تم یہیں رکو میں ایک گھنٹے میں آتی ہوں۔''

وہ ہسپتال سے نکلی اور گھر روانہ ہوگئی۔راستے میں اپنی والدہ کوفون پر اس نے بتادیا کہ اسے کچھ دیر ہوجائے گی وہ پریشان نہ ہوں۔گھر پہنچ کر اس نے اپنی الماری کھولی اور جیولری کے ایک باکس کو نکالا۔اس میں ایک انتہائی بیش قیمت اور خوبصورت لاکٹ رکھا ہوا تھا۔لاکٹ سونے کا تھا اور سونے کی ایک موٹی چین میں لگا ہوا تھا۔اس لاکٹ پر ناعمہ کے نام کا پہلا لفظ N بہت خوبصورتی کے ساتھ کندہ تھا۔ناعمہ نے میٹرک میں پورے اسکول میں ٹاپ کیا تھا۔جس پر اس کے نانا نے خوش ہوکر اسے یہ لاکٹ بنوا کر دیا تھا۔ناعمہ کو یہ لاکٹ اور اس کا ڈیزائن بے حد پسند تھا۔اسے وہ عام طور پر کسی تقریب کے موقع پر بڑے اہتمام سے پہنتی تھی۔ناعمہ نے اس لاکٹ کو ہاتھ میں اٹھایا۔کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر اس نے لاکٹ اپنے پرس میں رکھا اور تیزی سے چلتی ہوئی گھر سے نکل کر روانہ ہوگئی۔

ایک گھنٹے کے اندر وہ دوبارہ ہسپتال میں اسی جگہ کھڑی تھی اور اس عورت کی طرف سے 65 ہزار روپے جمع کروار ہی تھی۔عورت اس کے ساتھ ہی تھی۔ جب وہ پلٹی تو دیکھا کہ وہ عورت شکر گزاری کے احساس کے ساتھ رورہی ہے۔وہ جھولیاں بھر بھر کے اسے دعائیں دے رہی تھی۔

''بیٹی اللہ تجھے خوش رکھے۔ تجھے کسی شہزادے سے بیاہ دے۔تو کسی سردار کی بیوی بنے۔ تجھے دونوں جہاں کی عزت ملے۔بیٹی میں تیرا شکریہ کیسے ادا کروں۔غریب کے پاس دعا کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔''
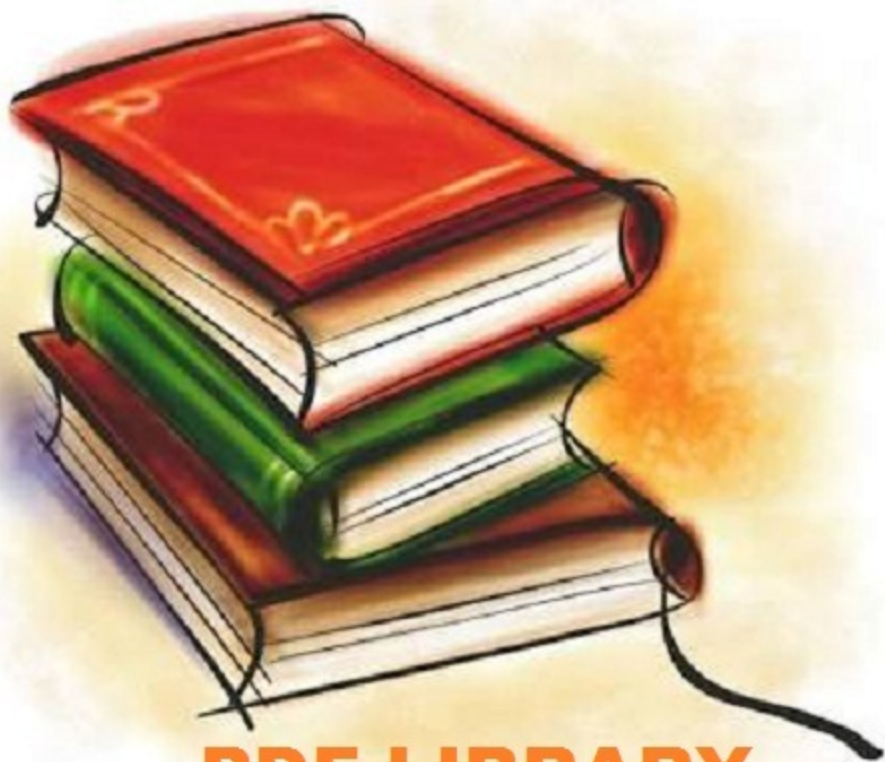
وہ عورت اب بیگم صاحبہ سے بیٹی پر آ گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ ایک نوجوان غیر شادی شدہ لڑکی ہے۔

''شکریہ اپنے اللہ کا ادا کردو۔''

ناعمہ کے لہجے میں طنز کے بجائے گہری اداسی تھی۔ اداسی اس احساس کی تھی کہ اس نے صرف ایک غریب کی مدد کی ہے۔ یہاں نہ جانے کتنے لوگ اس طرح مر جاتے ہوں گے۔ وہ انتظامیہ کے دفتر سے نکلی اور اپنے نانا کے وارڈ کی طرف چلنے لگی۔ راستہ میں ایک کھلی جگہ آئی جہاں آسمان نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ یہاں سے سورج نظر نہیں آ رہا تھا، مگر صاف نیلے آسمان پر بکھری تیز روشنی کی ہر کرن یہ بتا رہی تھی کہ آسمان کی سلطنت کے تخت پر سورج بڑی شان سے براجمان ہے۔ اس کے جمال نے زمین سے آسمان تک نور پھیلا رکھا ہے اور اس کے جلال کی تپش سے زمین سلگ رہی ہے۔ ناعمہ کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ نکلا اور اس کے رخساروں سے ڈھلک کر نیچے گر گیا۔ وہ دھیرے سے بولی:

''میں تو ایک ہی کو بچا سکی۔ ہو سکے تو باقی لوگوں کو تو بچا لے۔''

عرصہ ہوا ناعمہ نے دعا مانگنی چھوڑ دی تھی۔ اپنے نانا کی بیماری میں بھی اس نے خدا کو نہیں پکارا تھا۔ مگر اس وقت نجانے کیا ہوا تھا کہ اس کا کفر ٹوٹ گیا، یا پھر شاید یہ ایک کافرہ کی آخری دعا تھی۔ نہ آسمان سے کوئی جواب آیا نہ اسے اس کی کوئی توقع تھی۔

ناعمہ سر جھکا کر اپنی سوچوں میں غرق آگے بڑھ گئی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ اُدھر آسمان پر یکا یک بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور سورج کو ڈھانک کر زمین کو اس کی تپش سے بچا لیا۔ ناعمہ اندر داخل ہو گئی۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکی کہ اس کی دعا کے فوراً بعد تیز دھوپ کا اثر ختم ہو گیا اور اس کی جگہ ایک خوشگوار سائے نے لے لی تھی۔

....

بے لباسی کی ذلت

اسماعیل صاحب کو گھر آئے ہوئے ایک مہینہ ہو چکا تھا۔ ان کی طبیعت اب مکمل ٹھیک ہو چکی تھی۔ کچھ احتیاط تھی جو وہ ڈاکٹروں کے مشورے پر کر رہے تھے۔ عبداللہ بھی کئی دفعہ ان کی طبیعت معلوم کرنے آیا تھا۔ ان دونوں کا ذوق مشترکہ تھا یعنی مذہب۔ اس لیے زیادہ تر گفتگو بھی اسی حوالے سے ہوتی۔ وہ اکثر قرآن مجید لے کر ان کے پاس بیٹھ جاتا اور مختلف اہل علم کی آراء کی روشنی میں قرآن مجید کی شرح و وضاحت کرتا۔ رفتہ رفتہ اسماعیل صاحب اس کی سیرت کی ساتھ اس کے علم سے بھی متاثر ہوتے جا رہے تھے۔

انہیں عبداللہ کے ساتھ رہ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ لڑکا غیر معمولی ذہین اور باصلاحیت ہے۔ اس کے ساتھ اعلیٰ ذوق اور مطالعے کی عادت کی بنا پر اس کا علم اور سمجھ غیر معمولی ہے۔ جو بات ایک پڑھے لکھے مذہبی آدمی کو معلوم نہیں ہوتی تھی وہ عبداللہ بہت آسانی سے بیان کر دیتا تھا۔ اسماعیل صاحب اکثر اس سے کہتے تھے کہ وہ بظاہر ایک عام سا غیر مذہبی شخص لگتا ہے، لیکن وہ کسی عالم سے زیادہ صاحب علم ہے۔ جواب میں عبداللہ ہنس کر خاموش ہو جاتا۔

عبداللہ انہیں کیا بتاتا کہ دینی علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینا عبداللہ کا خواب تھا۔ مگر دوسری طرف دنیوی تعلیم کے بعد ملنے والی غیر معمولی دنیوی ترقی نے اس کے لیے صرف یہی راستہ

چھوڑا تھا کہ وہ دن بھر دفتر میں معاش کے مسائل نمٹائے اور شام میں اپنے دینی ذوق کی تکمیل کرے۔اس کی زندگی ایک کشمکش میں گزر رہی تھی۔اس کی تعلیم کچھ اور تھی اور اس کا ذوق کچھ اور تھا۔ کچھ عرصہ قبل وہ عمرہ کرنے گیا تو خدا سے یہی دعا کرتا رہا تھا کہ اس کی منزل اس کے سامنے واضح ہو جائے۔اس کے لیے ایسے راستے کھل جائیں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے لیے وقف کر سکے۔مگر سر دست یہ ایک خواب تھا۔حقیقت یہ تھی کہ خاندانی سرپرستی سے محروم ایک یتیم کے سامنے پہلا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات؛ گھر، گاڑی، شادی، بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔

اسماعیل صاحب کے گھر میں اسے اپنی منزل نظر آنے لگی تھی۔ناعمہ اس کے دل کے دروازے پر دستک دیے بغیر داخل ہوئی اور چپکے سے خانہ دل پر اپنا مستقل نقش بنا لیا۔یہ نقش مٹانا اب ممکن نہیں رہا تھا۔دوسری طرف اسماعیل صاحب بھی کئی دفعہ دبے لفظوں میں یہ بات کہہ چکے تھے کہ وہ اسے اپنا بیٹا بنانا چاہتے ہیں۔یوں وہ اپنی نئی زندگی کے خواب آنکھوں میں سجائے ہر گزرتے دن کے ساتھ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔اس بات سے بے خبر کہ عنقریب اس کے خواب بکھرنے والے ہیں۔

ایک شام جب عبد اللہ اسماعیل صاحب سے مل کر اپنے گھر روانہ ہوا تو آمنہ بیگم اسماعیل صاحب کو دوا کھلانے ان کے کمرے میں آئیں۔اسماعیل صاحب نے دوا کھانے کے بعد اپنی بیٹی سے دریافت کیا:

''بیٹا! تم نے ناعمہ سے عبد اللہ کے حوالے سے بات کی؟ مجھے اب اپنی زندگی کا دھڑکا لگا رہتا ہے اور یہ لڑکا مجھے بہت پسند ہے۔میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں ناعمہ کی ذمہ داری سے فارغ ہو جاؤں۔''

''ابو! ناعمہ اس رشتے پر راضی نہیں ہے۔''، آمنہ بیگم نے سر جھکا کر جواب دیا۔

یہ سن کر اسماعیل صاحب کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ انہیں شاید یہ امید نہیں تھی کہ ان کی نواسی ان کے پسند کیے ہوئے رشتے سے انکار کر دے گی۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے پوچھا:

''عبداللہ میں خرابی کیا ہے؟''

''وہی جو ناعمہ کے والد شہزاد میں تھی۔''، آمنہ بیگم نے اداسی کے ساتھ جواب دیا۔

''شہزاد کے ساتھ تو تقدیر نے خرابی کی۔ ورنہ آج وہ زندہ ہوتا تو صورتحال بالکل مختلف ہوتی۔ مگر تقدیر ہر دفعہ خراب نہیں ہوتی۔''

''اب زمانہ بدل گیا ہے ابو!''، آمنہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا:

''اب ہم اپنی اولاد پر اپنی مرضی نہیں ٹھونس سکتے۔ آج کے بچے ہماری نسل کی طرح اپنی قسمت پر صابر و شاکر نہیں رہتے۔ وہ اپنی قسمت آپ بنانا چاہتے ہیں۔ وہ فیصلے سنتے نہیں، اپنے فیصلے آپ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کے فیصلے غلط ہوں تو اس کا الزام کم از کم اپنے آپ کو دیں۔ اپنے پیاروں کو تو کٹہرے میں کھڑا نہ کریں۔''

''تمھاری بات ٹھیک ہے، مگر دیکھو تو سہی عبداللہ میں کتنی خوبیاں ہیں۔ وہ اچھی شکل کا ہے۔ بہت باصلاحیت ہے۔ اچھی ملازمت کرتا ہے۔ پھر اس نے ابھی ہسپتال میں ہمارا کس طرح ساتھ دیا ہے۔ سارا دن جاب کرتا اور ساری رات میرے سرہانے ایک کرسی پر بیٹھا رہتا تھا۔ اور نیک دیکھو کتنا ہے۔ اگر نیکی، شرافت اور صلاحیت کو دیکھنے میں ناعمہ کی نوجوان آنکھیں کامیاب نہیں ہو رہیں تو تم تو دیکھ سکتی ہو۔''

''ابو! ناعمہ جہاں سے زندگی شروع کرنا چاہتی ہے، عبداللہ شاید بڑھاپے تک بھی اس منزل

پر نہ پہنچ سکے۔آپ یہ بھی تو دیکھیے عبداللہ اوراس کے خاندان کا ہمیں بہت زیادہ پتہ نہیں ہے۔ اتنی کم ملاقاتوں میں اتنے بڑے فیصلے نہیں کیے جاتے۔ پھر ناعمہ کے لیے اور بہت سے رشتے آرہے ہیں۔ ناعمہ خوبصورت ہے، تعلیم یافتہ ہے، اچھے گھرانے سے ہے۔ایک دو رشتے ناعمہ کے اورآئے ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک تو بالکل ویسا ہی ہے جیسا ناعمہ چاہتی ہے۔''

''کہیں ناعمہ کی اپنی کوئی پسند تو نہیں؟''،اسماعیل صاحب نے ایک امکان کو سامنے رکھتے ہوئے پوچھا تو آمنہ بیگم نے فوراتردید کردی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ناعمہ کا کبھی کسی لڑکے سے کوئی ربط وضبط نہیں رہا۔بس اس کے کچھ خوف ہیں کہ جو محرومی اس نے جھیلی ہے اس کی اولاد کو نہ دیکھنی پڑے۔ پھراس کے پس منظر کی لڑکیاں اونچا ہی سوچتی ہیں۔ اس جیسی شکل وصورت کی لڑکی فطری طور پر آج کل کے معاشرے میں رہ کر ایسا ہی سوچے گی۔معاشرہ میں خوبصورتی کا جو سکہ سب سے زیادہ چلتا ہے وہ ناعمہ کے پاس بے حساب ہے۔ پھر وہ اوسط درجے کے ایک رشتے پر کیسے قانع ہو جائے۔ میں بھی اسے کوئی عقلمندی نہیں سمجھتی۔''

ماں نے اپنا وزن بیٹی کے پلڑے میں ڈالتے ہوئے گویا اپنا فیصلہ بھی سنا دیا۔

''دوسرا رشتہ کیسا ہے؟''اسماعیل صاحب نے ہار مانتے ہوئے بیٹی سے دریافت کیا:

''بہت امیر گھرانا ہے۔لڑکا امریکہ میں تعلیم کے آخری مرحلے میں ہے۔ چند مہینے میں آنے والا ہے اور وہ لوگ اس کے بعد فوراً ہی شادی کرنا چاہتے ہیں۔میں نے تصویر دیکھی ہے لڑکے کی۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔رشتے والی خاتون بتارہی تھیں کہ انہیں رشتوں کی کوئی کمی نہیں۔ایک ڈھونڈیں گے تو ہزار ملیں گے۔مگر چونکہ وہ خاتون میری پرانی جاننے والی ہیں،اس لیے انہوں نے ترجیحاً سب سے پہلے مجھ سے کہا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ فوراًہاں کہہ دیں۔ایسے رشتے بار بار نہیں ملتے۔''

''پھر مجھ سے کیا پوچھتی ہو، ناعمہ ہی سے پوچھ لو''، اسماعیل صاحب نے قدرے بے رخی اور بے پرواہی کے ساتھ کہا۔

''مجھے معلوم ہے جو کچھ ناعمہ کو چاہیے وہ سب اس رشتے میں موجود ہے۔ مجھے یقین ہے وہ ہاں کہہ دے گی ۔ اس کی سہیلی فاریہ کی بھی منگنی ہوچکی ہے اوراب ناعمہ کی شادی بھی ہوجانی چاہیے۔ آپ ہاں کہہ دیں تو اگلے ہفتے باقاعدہ بات چیت ہوجائے گی۔''

''میری ہاں تو بس ایک رسمی سی بات ہے۔ مگر میں عبداللہ کا سامنا کیسے کروں گا؟''

''تو کیا آپ نے عبداللہ سے بات کرلی تھی؟''

''میں نے تم سے بات کرنے سے قبل اس کا عندیہ اشاروں کنایوں میں لے لیا تھا کہ کہیں اس کی کوئی اور پسند نہ ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ناعمہ سے ہم بات کرلیں اورعبداللہ بعد میں منع کردے۔ یوں ناعمہ کوکوئی دکھ پہنچے۔ مگر یہاں معاملہ ہی الٹا ہوگیا۔ اب تو عبداللہ کودکھ ہوگا۔ میں نے سوچا تھا کہ ساری زندگی اللہ نے بیٹا نہیں دیا۔ اب عبداللہ جیسا بیٹا ملے گا جو میرے ذوق، مزاج اورخوابوں کے مطابق ہے۔ مگرشاید زندگی کے آخری حصے میں یہ محرومی اوردیکھنی تھی۔''

''عبداللہ آپ سے مخلص اورواقعی اچھا لڑکا ہےتو پھر بھی آپ کے پاس آتا رہے گا۔''

''پتہ نہیں آگے کیا ہوگا؟''، اسماعیل صاحب نے آہستگی سے کہا اورآنکھیں بند کرلیں۔

....

دو ہفتے بعد ایک سادہ تقریب میں ناعمہ کی منگنی ہوگئی۔ لڑکا ملک سے باہر تھا۔ اس کے گھر والے زیورات اورمٹھائی لے کر ان کے گھر آگئے تھے۔ اسی موقع پر شادی کی تاریخ بھی طے پا گئی جو تین مہینے بعد کی تھی۔ اس موقع پر دونوں طرف کے لوگ بہت خوش تھے۔ ناعمہ عام طور پر بہت سادہ رہتی تھی۔ مگر منگنی والے دن جب وہ میک اپ کرکے باقاعدہ تیار ہوئی تو ہر دیکھنے

والے کو لگا کہ گویا چاند زمین پر اتر آیا ہے۔ دوسری طرف ناعمہ کے سسرال والوں کی گاڑیاں، گھر اور معیار زندگی دیکھ کر ہر شخص ناعمہ کی قسمت پر رشک کر رہا تھا کہ وہ کتنے بڑے گھر میں بیاہی جارہی ہے۔ اس کے سسرال والے تو بڑے دھوم دھام سے یہ تقریب کرنا چاہ رہے تھے، مگر اسماعیل صاحب نے اپنی بیماری کا عذر بیان کر کے تقریب کو بہت سادہ رکھوایا تھا۔

انہیں یہ فکر بھی تھی کہ وہ لوگ کسی طور پر ان کے ہم پلہ نہیں تھے۔ ناعمہ اپنی ناسمجھی اور آمنہ بیٹی کی محبت کی بنا پر یہاں رشتہ تو کر رہے تھے، مگر انہیں اندازہ نہیں تھا کہ ایسے غیر مساوی رشتوں میں کیا مسائل پیش آتے ہیں۔ وہ کیا کرتے، ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ ان کا دل اندر سے بہت اداس تھا۔ عبداللہ کے حوالے سے ان کے دل پر ایک بوجھ تھا۔ ان اندیشوں اور بوجھ کے ساتھ غالباً وہ اس تقریب کے واحد شخص تھے جو خوش نہیں تھا۔ اگلے دن انہوں نے یہ بوجھ اتارنے کا فیصلہ کرلیا۔

....

عبداللہ آج بہت خوش تھا۔ وہ جھومتے ہوئے اپنی نئی چمچماتی گاڑی کو چلاتا ہوا اسماعیل صاحب کے گھر جا رہا تھا۔ کل شام ان کا فون آیا تھا کہ وہ ان سے آکر مل لے۔ وہ خود ان سے ملنے جانا چاہتا تھا۔ اس نے پچھلے ہفتے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں نئی جاب جوائن کی تھی۔ اس کمپنی نے اسے رہنے کے لیے ایک گھر اور نئی گاڑی بھی دی تھی۔ اب عبداللہ کی زندگی میں کوئی کمی تھی تو صرف ناعمہ کی۔ ناعمہ پچھلے کچھ عرصے میں اس کی زندگی اور خیالوں کا حصہ بن چکی تھی۔ محبت کیا ہوتی ہے۔ انسان کو وہ کس طرح پگھلا دیتی ہے۔ کس طرح اسے سرشار کر دیتی ہے۔ کس طرح دنیا کے ہر رنگ کو بدل دیتی ہے۔ آج کل عبداللہ اسی تجربے سے گزر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ قدرت نے ناعمہ کی شکل میں اسے اپنی زندگی کا بہترین تحفہ دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اسماعیل

صاحب کی باتوں سے بھی اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اسے اس حیثیت میں قبول کر چکے ہیں۔

سب کچھ ایسا ہی ہو رہا تھا جیسا اس نے چاہا تھا۔ جیسا اس کی خواہش تھی......اور سب سے بڑھ کر جیسے اس کے خواب تھے۔ وہ اس پروردگار کی شکر گزاری کے احساس میں جی رہا تھا جس نے ایک دو برس کے اندر اندر اس کی زندگی بدل دی تھی۔ تعلیم کے آخری مرحلے ہی میں ایک بہترین جاب کی آفر ہو گئی تھی۔ تھوڑا تجربہ حاصل ہوتے ہی مارکیٹ میں اس کی بہت اہمیت ہو گئی۔ چنانچہ فوراً اس نے نئی جاب تلاش شروع کر دی اور زیادہ تردد کے بغیر اسے ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب مل گئی۔ جہاں بہترین تنخواہ کے ساتھ متعدد مراعات بھی اسے دی گئی تھیں۔

انہیں خیالات میں مگن وہ ناعمہ کے گھر پہنچا۔ کال بیل بجائی تو دروازہ ناعمہ ہی نے کھولا۔ ناعمہ کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ سب سے پہلے وہ ناعمہ کو اپنی نئی جاب اور کامیابی کا بتائے۔ مگر ناعمہ نے تو اس کے سلام تک کا جواب نہیں دیا تھا۔ اسے خاموشی سے اندر ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ اپنے نانا کو بلانے چلی گئی۔ ناعمہ کا رویہ شروع ہی سے اس کے ساتھ کچھ ایسا تھا۔ مگر عبداللہ کا خیال تھا کہ وہ کم گو اور باحیا لڑکی ہے۔ اس لیے فطری طور پر ایک اجنبی نوجوان سے کسی قسم کی گفتگو کرنے سے کتراتی ہے۔

تھوڑی دیر میں اسماعیل صاحب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو عبداللہ نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں صوفے پر بٹھایا۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے:

''بیٹا کافی دنوں سے تم سے کوئی رابطہ نہیں ہوا۔ کہاں مصروف تھے۔''

''جی میں ذرا نئی جاب کی ذمہ داریاں سنبھالنے میں مصروف تھا، اس لیے حاضر نہیں ہو سکا۔''

یہ کہتے ہوئے اپنے ساتھ لائی ہوئی مٹھائی اس نے ان کے سامنے رکھی اور پھر بڑی سرشاری کے عالم میں انہیں اپنی نئی جاب اور ملنے والی تنخواہ اور سہولیات کی تفصیلات بتانے لگا۔ یہ سب بتا کر وہ بولا:

''سر میرا اپنا تو کوئی ہے نہیں۔ اس لیے مجھے آپ کو یہ سب کچھ بتا کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ آپ آنٹی اور ناعمہ کو بھی یہ مٹھائی دے دیجیے گا۔''

''ہاں بیٹا ضرور دوں گا۔ تمھاری کامیابیوں سے مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔ مجھے بھی تمھیں مٹھائی کھلانی ہے۔ دراصل پرسوں ہم نے ناعمہ کی منگنی کر دی ہے۔ تین مہینے بعد اس کی شادی کی تاریخ مقرر ہوئی ہے۔''

اسماعیل صاحب یہ سب کہہ رہے تھے تو ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ وہ خود میں اتنی ہمت نہیں پا رہے تھے کہ جس لڑکے کو وہ بار بار یہ کہہ چکے تھے کہ میں ساری زندگی کے لیے تمھیں اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہوں، اس سے نظریں ملا کر اسے یہ بتائیں کہ اب اس کا کوئی امکان نہیں رہا ہے۔

یہ اسماعیل صاحب کی کیفیت تھی اور دوسری طرف ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ فضا میں سنسناتی ہوئی گولیوں کی طرح عبداللہ کے کانوں تک پہنچے اور اس کی روح اور دل کو اندر تک چھیدتے چلے گئے۔ ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ اس لمحے میں عبداللہ اپنی پوری طاقت اور قوت خرچ کر کے اپنے کرچی کرچی وجود کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی بھرپور کوشش تھی کہ اسے اپنے چہرے کے تاثرات، لب و لہجے اور ان آنسوؤں پر قابو رہے جو سیلاب کی طرح جذبات کا ہر بند توڑ کر باہر نکلنے کے لیے بے چین تھے۔

عبداللہ نے ساری زندگی محرومیوں میں گزاری تھی۔ ان محرومیوں کا سب سے بڑا فائدہ اسے آج ہو رہا تھا...... جب اسے زندگی کی سب سے بڑی محرومی کی اطلاع مل رہی تھی...... جب آبِ حیات کے چشمے سے اسے زہر کا ساغر پینے کو مل رہا تھا۔ مگر ساری زندگی کے صبر، ضبط اور برداشت کی بنا پر اس لمحے میں اسے اپنے آپ کو کچل کر خود پر قابو پانے میں کافی سہولت ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی پوری قوت استعمال کی اور آواز کے ارتعاش پر قابو پاتے ہوئے بولا:

''سر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آنٹی اور ناعمہ کو بھی میری طرف سے بہت مبارکباد دیجیے گا۔''

پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ مستحکم لہجے میں یہ جملے ادا کرنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنی زندگی کا ایک اور معرکہ جیت لیا تھا۔ دوسری طرف اسماعیل صاحب کی جان میں جان آئی اور وہ تفصیل سے ناعمہ کی سسرال اور ہونے والے شوہر کے بارے میں بتانے لگے۔ اس بیان میں دولت، کارخانوں اور گاڑیوں، ملازموں کی تفصیلات بہت زیادہ تھیں۔ یہ بات بھی اس میں شامل تھی کہ لڑکا ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے اور ہنی مون کے لیے اس کا پروگرام تھا کہ یورپ اور امریکہ کے دو براعظموں میں جایا جائے۔ شاید اسماعیل صاحب لاشعوری طور پر یہ تفصیلات بیان کر کے عبداللہ کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کر رہے تھے کہ ایسے رشتے کا انکار ہم کیسے کر سکتے تھے۔ وہ یہ بات بتا کر عبداللہ کو دکھی نہیں کرنا چاہتے تھے کہ جس لڑکی کو وہ دل کی گہرائیوں میں جگہ دے چکا ہے، وہ اسے پہلے ہی دھتکار چکی تھی۔

....

پوری رات گزر گئی۔ عبداللہ نے ایک لقمہ کھایا نہ ایک لمحہ سویا۔ اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ ناعمہ کے گھر سے باہر نکلنے تک انتہائی پرسکون نظر آتا رہا۔ لیکن اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جیسے ہی وہ مرکزی شاہراہ پر آیا اس نے اپنے آپ سے مزاحمت کرنا چھوڑ دی۔ سارے بند ٹوٹ گئے اور دل کا سیلاب آنکھوں کے رستے بہہ نکلا۔ سارے راستے وہ ہچکیاں لے کر روتا رہا۔ رات گئے تک اس کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

وہ عشا کی نماز کے لیے جائے نماز پر کھڑا ہوا تو اس سے ہٹ نہیں سکا۔ رات بھر وہ جائے نماز پر کھڑا رہا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے آنسو نہیں رکے۔ وہ بلک بلک کر روتا رہا اور بار بار سجدے میں جا کر ایک ہی جملہ کہتا۔

''پروردگار مجھے تجھ سے کوئی شکوہ نہیں اور اگر شکوہ ہے تو صرف تجھی سے ہے۔ تیرے سوا نہ کسی سے کچھ کہنا ہے نہ کہیں اور جانا ہے۔ مجھے تیرا ہر فیصلہ قبول ہے۔لیکن میرا اپنا آپ میرا ساتھ نہیں دیتا۔میرے آنسو میرا ساتھ نہیں دیتے۔تو مجھے معاف کردے۔''

عبداللہ کا دل پھٹا جارہا تھا۔اس کی زندگی محرومیوں کی ایک داستان تھی۔بچپن سے ماں باپ کا سایہ نہ ملا۔بہن بھائی نہ تھے۔ایک طفل یتیم دور اور قریب کے رشتہ داروں پر بوجھ تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ دھکے کھاتا رہا۔خوش قسمتی سے بے پناہ ذہانت کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رہا۔شعور میں قدم رکھتے ہی اپنا بوجھ خود اٹھایا اور ہاسٹلوں میں رہ کر تعلیم پوری کی۔نہ گھر بار نہ رشتہ دار نہ دوست یار۔اور اب جب وہ سمجھ رہا تھا کہ وقت اپنے ہر زخم کا مداوا کرنے جارہا ہے، زندگی کی سب سے بڑی محرومی اس کے سامنے آ گئی۔اس محرومی نے عبداللہ کو مکمل طور پر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

اب وہ اس محرومی کے ساتھ اس در پر کھڑا تھا جہاں آنے والے کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتے۔ جہاں مانگنے والے ہفت اقلیم کی بادشاہی بھی مانگ لیں تو سب کچھ دے کر بھی اس اَن داتا کے خزانے میں ذرہ برابر کمی نہیں آتی۔ جہاں مایوسی کفر ہوتی ہے۔مگر عبداللہ کچھ مانگ نہیں رہا تھا۔ بس وہ خدا کے سامنے کھڑا رہا، روتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔عبداللہ کے لیے یہ محرومی کی وہ سیاہ رات تھی جس کی تاریکیوں نے عمر بھر کے لیے عبداللہ کا احاطہ کرلیا تھا۔مگر اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ بخشش کی رات ہے۔وہ بخشش جو قیامت کے بعد بھی ختم نہیں ہوگی۔

وہ خود ابھی بہت کم عمر تھا۔اپنی ایمانی زندگی کے ابتدائی مرحلے میں تھا۔اسے معمولی سا اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ کس اعلیٰ ترین ہستی کے سامنے کھڑا ہے......وہ ہستی جو اپنے بندوں کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتی ہے۔عبداللہ کچھ نہیں مانگ رہا تھا مگر جو اسے چاہیے تھا وہ دینے والے

کو بغیر بتائے معلوم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ بندہ عاجز کی پہلی ضرورت صبر ہے۔ سو سب سے پہلے وہی دیا گیا۔ قرآن مجید کا ایک بڑا حصہ عبداللہ کو زبانی یاد تھا۔ فجر سے کچھ پہلے وہ قرآن پڑھتا ہوا سورہ نمل کے اس مقام پر پہنچا:

''بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت داروں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں۔''

عبداللہ اس آیت تک پہنچا۔ پھر آگے نہیں بڑھ سکا۔ وہ بار بار یہی آیت پڑھتا رہا۔ وہ اسے دہراتا رہا یہاں تک کہ اس پر واضح ہوگیا کہ یہ آیت اسے کیا بتارہی ہے۔ یہ کہ اللہ سب سے بڑا بادشاہ ہے۔ اور دل کی بستی سب سے بڑی بادشاہت ہوتی ہے۔ اس بستی میں اگر اللہ داخل ہوجائے تو کسی اور کو وہ وہاں برداشت نہیں کرسکتا۔ اس کے بعد وہ وہاں موجود ہر عزت دار اور محبوب چیز کو نکال پھینکتا ہے۔ انسان اسے محرومی سمجھتے ہیں لیکن یہ توحید کا سب سے بڑا مقام ہوتا ہے۔ عبداللہ کا دل ہمیشہ خدا کا گھر بنا رہا تھا۔ مگر پچھلے کچھ دنوں سے اس گھر میں ایک دیوی کی پرستش شروع ہوگئی تھی۔ لمحہ لمحہ کی خبر رکھنے والا آسمان و زمین کا غیرت مند مالک یہ شرک کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ اس لیے آج رات اس دیوی کو دل کے مندر سے نکال باہر کیا گیا۔ اس معبد میں اب کبھی غیر اللہ کا گزر نہیں ہوسکتا تھا۔ عبداللہ کے لیے یہی اس آیت کا مطلب تھا۔ شرک ختم ہوگیا۔ توحید باقی رہ گئی۔ عبداللہ کو قرار مل گیا۔ آنسو تھم گئے۔

فجر کی نماز پڑھ کر عبداللہ لیٹا۔ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ سو اسے بھی آگئی۔ وہ اٹھا تو دفتر جانے کا وقت نکل چکا تھا۔ مگر اب اسے دفتر جانا بھی نہیں تھا۔ سونے سے پہلے وہ ایک فیصلہ اور کر چکا تھا۔ وہ کشمکش جو بہت عرصے سے اس کے اندر جاری تھی آج اس کا فیصلہ بھی ہوگیا تھا۔ زندگی بہت مختصر ہے۔ یہ اس لیے نہیں ہے کہ گاڑی، بنگلے اور کیریر کے پیچھے بھاگتے ہوئے گزاری

جائے۔اس کا ایک ہی مقصد ہونا چاہیے۔وہ رب جو ہر نعمت دینے والا اور ہر محرومی کو دور کرنے والا ہے۔اس کا تعارف اس دنیا کے ہر انسان سے کرایا جائے۔اس کی محبت کی شمع ہر سینے میں جلائی جائے۔اس کی ذات وصفات سے لوگوں کو آگاہ کرنا اور اس کی ملاقات کے لیے لوگوں کو تیار کرنا سب سے بڑا کام ہے۔اس نے سونے سے قبل ایک دعا کی تھی۔

''پروردگار!اس دنیا میں ہر شخص کی ایک قیمت ہوتی ہے اور ہر شخص بکتا ہے۔میں اپنے وجود کو کسی ملٹی نیشنل کمپنی کے ہاتھوں نہیں بیچ سکتا۔میں تجھ سے اپنا سودا کرتا ہوں۔مجھے خرید لے۔''

صبح اٹھنے کے بعد عبداللہ نے پہلا کام یہ کیا کہ نئی جاب سے اپنا استعفیٰ لکھ دیا۔

....

جیسے جیسے ناعمہ کی شادی کے دن قریب آرہے تھے شادی کی تیاریوں کا سلسلہ زور پکڑتا جارہا تھا۔اسماعیل صاحب کی بیشتر بچت پہلے ہی عمرے میں نکل چکی تھی۔پھر وہ دل کی انتہائی مہنگی بیماری کا شکار ہوگئے۔جو بچا تھا کچھ وہ ملایا اور کچھ سرمایہ ایک پلاٹ بیچ کر حاصل کیا اور سارے پیسے بیٹی کے حوالے کردیے۔آمنہ بیگم ایک سلیقہ مند خاتون تھیں۔ناعمہ کے لیے وہ اس کے بچپن ہی سے کچھ نہ کچھ بچا رکھتی تھیں۔اس لیے عزت وآبرو کے ساتھ تیاری ہورہی تھی۔مگر جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا ان کے مقابلے میں ہر تیاری بے وقعت تھی۔

اس بات کا اندازہ اسماعیل صاحب کو پہلے دن سے تھا۔اب آمنہ بیگم کو بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ ہوتا جارہا تھا۔جیسے جیسے لڑکے والوں کی طرف سے شادی کے انتظامات اور تیاریوں کی تفصیل ان کے سامنے آتی ان کے ہاتھ پاؤں پھولتے چلے جارہے تھے۔

ان سب فکروں سے اگر کوئی بے خبر تھا تو وہ ناعمہ تھی۔یہ اس کی زندگی میں بڑی خوشی اور مسرت کے دن تھے۔اس نے جو خواب دیکھے تھے ان کی تعبیر اچانک بہت تیزی سے اس کے

سامنے نمودار ہو چکی تھی۔ خوشی کے ان لمحات کو وہ سب سے بڑھ کر اپنی گہری سہیلی فاریہ کے ساتھ مل کر انجوائے کر رہی تھی۔ آج بھی فاریہ ناعمہ کے گھر آئی ہوئی تھی اور اس کے کمرے میں بیٹھی شادی کے جوڑے ٹانک رہی تھی۔ ہنسی مذاق اور گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔ باتوں باتوں میں فاریہ ناعمہ سے کہنے لگی:

''تمھیں معلوم ہے باہر عبداللہ بھائی آئے ہوئے ہیں۔ نانا ابو کے کمرے میں ان کے پاس بیٹھے ہیں۔''

''اچھا! مجھے نہیں معلوم۔''، ناعمہ نے بے پرواہی سے جواب دیا۔

''میں تمھارے پاس آنے سے پہلے آنٹی کے پاس گئی تھی۔ وہی بتا رہی تھیں کہ انھوں نے نئی جاب کر لی ہے۔''

''ہاں میری منگنی کے ایک دو دن بعد وہ نئی جاب کی مٹھائی لے کر آیا تھا۔''

''ارے نہیں بھئی۔ یہی تو اصل بات ہے۔ وہ جاب تو بہت زبردست تھی۔ مگر انھوں نے وہ جاب بھی چھوڑ دی......''

''ہاں یہی ان مڈل کلاس اسٹرگلنگ نوجوانوں کا مسئلہ ہوتا ہے۔ ترقی کی خواہش میں جلدی جلدی جاب بدلتے رہتے ہیں۔ مگر بوڑھے ہونے سے پہلے اپنا گھر بنانا بھی ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔''

ناعمہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی تبصرہ کر دیا۔

''ارے پاگل پوری بات تو سن لو۔ انھوں نے بہت اچھی جاب چھوڑ کر پڑھانے کی ایک پارٹ ٹائم جاب کر لی ہے اور باقی وقت میں وہ دینی علوم باقاعدہ سیکھ رہے ہیں۔''

''چلو اچھا ہے۔ سوسائٹی میں ایک مولوی کا اضافہ اور ہو جائے گا۔''، ناعمہ نے طنزیہ ہنسی

کے ساتھ کہا۔

''میں نے اپنی زندگی میں اتنا ڈیسنٹ اور نائیس شخص نہیں دیکھا۔ بے چارے اچھی خاصی کیریئر جاب کررہے تھے۔ اچانک دل میں کیا سمائی کہ ہر چیز پر لات مار کر اس سمت نکل گئے۔''

فاریہ نے ہمدردی اور تاسف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا تو ناعمہ تنک کر بولی:

''یہ احمق پہلے دن ہی سے ایک جاہل ملاّ تھا۔ پتہ نہیں کہاں سے نانا ابو کی جان کو چمٹ گیا ہے۔ چھوڑ کر ہی نہیں دیتا۔''، ناعمہ کے لہجے میں اتنی تحقیر تھی کہ فاریہ کو بہت برا محسوس ہوا۔

''وہ نانا ابو کی جان کو چمٹے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا اور آمنہ آنٹی کا بہت بڑا سہارا بن چکے ہیں۔ دیکھو تم تو اپنے نئے گھر چلی جاؤ گی، مگر نانا اور آمنہ آنٹی تمھارے بعد تنہا رہ جائیں گے۔ ایسے میں عبداللہ بھائی ان کا بہت بڑا سہارا ہوں گے۔''

''میرے بعد وہ سہارا نہیں بنے گا بلکہ اس نے تو میرے ہوتے ہوئے بھی مجھے اس گھر سے عملاً نکال دیا ہے۔ جسے دیکھو عبداللہ ہی کی تعریف کرتا ہے۔''

ناعمہ کے اس جملے سے فاریہ کو اندازہ ہونے لگا کہ ساری زندگی ماں اور نانا کی محبت کی تنہا حقدار ناعمہ کو شاید یہ بات انتہائی ناگوار گزر رہی تھی کہ اس محبت میں اب کوئی دوسرا شریک ہو چکا ہے۔ فاریہ نے عبداللہ کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا:

''بات یہ ہے ناعمہ کہ عبداللہ بھائی نے شروع ہی سے نانا کے ساتھ بڑی محبت کا تعلق رکھا تھا۔ ان کی بیماری میں ان کا بہت ساتھ دیا۔ تمھیں تو شاید کوئی فرق نہ پڑا ہو لیکن ان کے ہونے سے آنٹی اور نانا کو بہت سہارا تھا۔ پھر جب تم نے ان سے شادی کے لیے انکار کیا تو ہم سب کا خیال تھا کہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔ مگر انھوں نے شکایت کا ایک لفظ تک نہیں کہا۔ بلکہ ان کا رویہ اور بہتر ہو گیا۔ تمھاری شادی کے کتنے معاملات میں وہ ہی نانا ابو اور امی کی مدد کررہے ہیں اور ان کو مختلف جگہوں

پر لے کر جاتے ہیں۔ایسے بے غرض اور بے لوث شخص سے کون محبت نہیں کرے گا۔“

فاریہ ایک لمحے کو رکی اور ناعمہ کو سمجھاتے ہوئے بولی:

”انہوں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے جو تم ہر وقت ان کے پیچھے لگی رہتی ہو۔“

”وہ میرا کیا بگاڑے گا۔He does not exist for me۔بس اس کی باتوں سے مجھے چڑ آتی ہے۔“

”ان سے چڑنے کی کہیں یہ وجہ تو نہیں کہ اس گھر میں محبت کا مرکز پہلے ایک ہی ہستی ناعمہ تھی۔اور اب اس کے ساتھ عبداللہ بھی......“

ناعمہ نے دل کا چور پکڑے جانے پر فاریہ کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا:

"I don't care."

فاریہ کو محسوس ہوا کہ اس موضوع پر گفتگو کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔چنانچہ اس نے موضوع بدلنا ہی مناسب سمجھا۔

”چھوڑو یار یہ بتاؤ کہ دولہا میاں سے کوئی بات چیت ہوتی ہے۔“

”نہیں بھئی تم جانتی ہو! میں بالکل بھی رومانٹک نہیں ہوں۔امی اور نانا کو بھی نہیں پسند کہ کچے رشتوں میں لڑکا لڑکی ایک دوسرے سے بات کریں۔اس لیے اُن لوگوں کی خواہش کے باوجود امی نے میرا موبائل نمبر نہیں دیا۔مجھے بھی یہ پسند نہیں ہے۔“

”لیکن یار ایک بات ہے!تمھاری لاٹری نکل آئی ہے۔“

”ہاں تقدیر نے کبھی نہ کبھی تو مہربان ہونا ہی تھا۔“

”یار تم امیر ہو کر ہمیں بھول تو نہیں جاؤ گی۔“

”ارے پاگل ہوگئی ہو کیا۔میں دولت اور اسٹیٹس کی بھوکی نہیں ہوں کہ اسے پا کر اپنا ماضی اور

رشتے بھول جاؤں گی۔بس میری خواہش تھی کہ زندگی کی محرومیاں جس طرح میری ماں اور مجھے ساری زندگی گھیرے رہی ہیں، میری اولاد اور خاندان کو ایسے نہ گھیر لیں۔فاریہ زندگی بس ایک ہی دفعہ ملتی ہے۔میں تو یہ چاہتی تھی کہ جتنا ہو سکے اس کو انجوائے کر کے اچھے طریقے سے گزاروں۔اور پھر دولت مند انسان کے دل میں دوسروں کا درد ہو تو وہ دوسروں کی بہت مدد کر سکتا ہے۔‘‘

’’خیر اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا کہ دولت پا کر تم دوسروں کی مدد کرتی ہو یا اپنے پرانے رشتوں کو بھی بھول جاتی ہے۔‘‘

’’فکر نہ کرو! میں بدل نہیں سکتی۔دنیا کی کوئی طاقت میرے خیالات اور سوچ کو نہیں بدل سکتی۔میں اپنی دنیا کی خود مالک ہوں۔میں آپ اپنی خدا ہوں۔‘‘

خدائی کا دعویٰ کرنے والی ناعمہ کے سان وگمان میں بھی نہ تھا کہ بہت جلد اس کا واسطہ حقیقی خدا رب ذوالجلال کے کمال وجلال سے پیش آنے والا ہے۔

....

شفاف نیلگوں آسمان کے نیچے وادی میں دور دور تک سبز گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا۔ہر جگہ مختلف رنگوں کے حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ہر رنگ ایسا تھا کہ نگاہوں کو اپنی طرف سے ہٹ کر کسی اور سمت متوجہ ہونے کی اجازت ہی نہیں دیتا تھا۔ہوا کے مدھم جھونکوں کے ساتھ ہولے ہولے یہ پھول لہرا رہے تھے۔یوں لگتا تھا کہ فطرت نے رنگوں کے تار پر کوئی سر چھیڑ دیا ہے جس پر یہ پھول اور کونپلیں بے خودی کے عالم میں محو رقص تھیں۔یہ وادی چاروں طرف سے بلند پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔کچھ پہاڑ اونچے اور شاداب درختوں سے لدے ہوئے تھے۔کچھ ہری گھاس کا مخملی لباس پہنے ہوئے تھے۔بعض پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔سورج کی کرنیں جب ان برف پوش چوٹیوں سے ٹکراتیں تو سنہری کرنوں کا عکس فضا میں بکھر جاتا۔

برف اتنی پاک وشفاف تھی کہ سفید رنگ ہر رنگ کا بادشاہ بن کر چمک رہا تھا۔کہیں کہیں یہ سفیدی سورج کی شعاعوں سے منور ہوکر چاندی کا روپ ڈھال چکی تھی۔ دیکھنے والی آنکھ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ فضائے بلند میں آسمانی،سبز،سفیداورسنہری رنگوں کا تال میل زیادہ حسین تھا یا زمین پراس وادی کے رنگ زیادہ جاذب نظر تھے جو پھولوں کے ایک گلدستے کی شکل میں سرسبز پہاڑوں کا دل بنی ہوئی تھی۔

اس وادی میں ایک اور وجود بھی تھا۔حسن فطرت کا شاہکار یہ نسوانی وجود ناعمہ کا تھا۔اس کے گہرے سیاہ اور ریشمی بال جو عام حالات میں گھٹنوں سے بھی نیچے جاپہنچتے تھے،اس وقت فضا میں دور تک بکھرے ہوئے تھے۔سیاہ بالوں کی کچھ لٹیں دمکتے ہوئے سنہری چہرے سے چھیڑ خانی کررہی تھیں۔ناعمہ کی بڑی بڑی آنکھیں، کھڑی ناک،صراحی دار گردن بار باران بھکتے ہوئے بالوں کا نشانہ بن رہی تھیں۔انہیں شہہ دینے والے نرم ولطیف ہوا کے جھونکے تھے۔یہ جھونکے ناعمہ کو بھی دلکش پھول سمجھ کراس کے مرمریں وجود سے ٹکراتے اوراپنے آپ کو معطر کرلیتے۔کہیں دور کسی درخت کی آغوش میں چھپی کوئی کوئل فطرت کا ایک اور ساز گنگنارہی تھی۔ وقفے وقفے سے اٹھتی کوک ماحول میں ایسی موسیقی بکھیر رہی تھی جو روح انسانی کے ہر تار کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی تھی۔

وادی کے بیچ میں پھولوں کے درمیان خود کو ایک تتلی کی طرح محسوس کرتی ناعمہ بھی اسی کشمکش میں تھی کہ حسن فطرت کی کون سی ادا زیادہ دلفریب ہے۔اس کی نظر کبھی رنگ برنگ پھولوں کے قالین پر بھکتی چلی جاتی تو کبھی بلند قامت پہاڑوں کا سبزہ اورسنہری برف اس کی نگاہوں کواپنی طرف کھینچ لیتا۔اس نے اپنی زندگی میں ایسی حسین جگہ دیکھی تھی نہ اس کے وجود نے ایسے سرور کا کبھی ذائقہ چکھا تھا۔

وہ اسی کیفیت میں تھی کہ اچانک اس کی نگاہ روشنی کے اس مرغولے کی طرف پڑی جو آسمان

کی بلندی سے زمین کی طرف آ رہا تھا۔ یہ منظر بڑا عجیب تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھ کر اس مرغولے کو دیکھنے لگی جو آہستہ آہستہ اسی کی سمت بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ قریب آ رہا تھا اس نے ایک چمکدار ہیولے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ بظاہر وہ انسانی ہیولہ تھا، مگر وہ کوئی انسان نہ تھا۔ ناعمہ کو اس سے کوئی خوف اور اندیشہ محسوس نہ ہوا۔ بلکہ اس کے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اس سے باتیں کرے۔ اس خواہش کی تسکین کے لیے اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ہیولہ آہستہ آہستہ اس کے قریب آیا اور زمین سے چند فٹ اوپر معلق ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس سے آواز آئی۔

''تو تم وہ ناعمہ ہو جسے یہ عزت دی گئی ہے۔''

اس آواز میں عجیب سی تاثیر تھی۔ یہ آواز ناعمہ کے کانوں سے گزر کر دل و دماغ تک پہنچ گئی۔ اس پر آواز اور اس ہیولے کا رعب چھا گیا۔ وہ ڈرتے ڈرتے بولی:

''جی میں ناعمہ ہوں، مگر آپ کون ہیں۔ اور یہ کس عزت کا ذکر کر رہے ہیں۔''

ایک دفعہ پھر وہی پر تاثیر آواز آئی۔

''مجھے چھوڑو۔ صرف یہ جان لو کہ اپنی محبوب چیز ایک غریب کو دینے کی ادا تمھارے مالک کو پسند آئی جس کے بعد اس نے تمھیں اپنے قرب کی عزت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔''

ناعمہ کچھ نہ سمجھ سکی۔ اس بات کا مطلب کیا ہے۔ پھر اس خوف اور رعب کا ایسا عالم طاری تھا کہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز نہ نکل سکی۔ وہ خاموشی سے ہیولے کی آواز سنتی رہی۔

''مگر تمھیں دیکھ کر مجھے لگتا ہے کہ تم اس عزت کی مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت باعزت بہت باحیا ہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ تم ان کا قرب حاصل کرو اور تمھارا حال یہ ہو کہ تم بالکل برہنہ ہو۔''

اس جملے کے ساتھ پہلی دفعہ ناعمہ کی نظر خود اپنے وجود کی طرف لوٹی۔ یہ دیکھ کر وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی کہ اس کے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا۔ وہ اتنی دیر سے اس کھلے میدان میں بالکل

برہنہ کھڑی ہوئی تھی۔ اوراب ہیولے کے سامنے بھی وہ اسی حال میں تھی۔ اس کا دل چاہا کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ بے اختیار اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا جسم چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے زمین پر دہری ہوکر بیٹھتی چلی گئی۔ اس پر شدید احساس ذلت طاری تھا۔ وہ بے اختیار رونے لگی اور ہیولے کی طرف دیکھ کر بولی۔

''میرے کپڑے کہاں گئے؟''

مگر ہیولہ غائب ہو چکا تھا۔ اس نے گھبرا کر ارد گرد دیکھا تو ہر طرف اسے انسانوں کا سمندر نظر آیا۔ ہر شخص اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔ ناعمہ یہ دیکھ کر بلبلا اٹھی۔ ذلت اور رسوائی کی اس حد کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ہنسنے والے لوگ اب اس کی طرف دیکھ کر انگلیاں اٹھا رہے تھے اور دوسروں کو اس کے بارے میں بتا رہے تھے۔ وہ بے چین ہوکر کسی پناہ کی تلاش میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ ایسے میں اس کی نظر قہقہے لگاتے ہوئے ہجوم میں موجود ایک خاموش اور اداس شخص پر پڑی۔ اسے دیکھ کر اس کی شرمندگی اور بڑھ گئی۔ وہ اسے دیکھ کر چلائی اور بولی۔

''یہ میں نے خود نہیں کیا۔ میں نے یہ خود نہیں کیا۔''

''ناعمہ بیٹا اٹھو! کیا بات ہے۔ کیا ہوا۔''

آمنہ بیگم نے ناعمہ کو جھنجھوڑا تو وہ اٹھ بیٹھی۔ اس کا دل خوف و دہشت سے لرز رہا تھا۔ اس کی سسکیاں ابھی بھی جاری تھیں۔ شعور میں آتے ہی اس نے بے اختیار اپنے کپڑوں کو چھوا۔ اسے یہ دیکھ کر ایک گونہ اطمینان ہوا کہ اس کے جسم پر لباس موجود تھا۔ اس کے سامنے اس کی والدہ آمنہ موجود تھیں۔ انھوں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا:

''بیٹا ڈرو نہیں۔ تم نے کوئی برا خواب دیکھا ہے۔''

ناعمہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ وہ کئی دن سے یہی خواب دیکھ رہی تھی۔ مگر ہر دفعہ

یہ خواب بہت ہی خوبصورت ہوتا تھا۔ یہ خواب ایک حسین وادی کے مناظر تک محدود رہتا جس میں وہ تتلیوں کی طرح اڑتی پھرتی تھی۔ یہ ہیولے والا منظر اور بے لباسی والی بات آج پہلی دفعہ اس نے دیکھی تھی۔ایک تیسری بات جو اسی لمحے اسے یاد آئی تھی وہ اس کے دل پر ایک اور زخم لگا گئی۔ذلت کے اس تماشے میں وہ شخص جو آخر میں اداس اور خاموش کھڑا اسے حسرت سے دیکھ رہا تھا،عبداللہ تھا۔

''ناعمہ بیٹا پانی پیو۔''

آمنہ کی آواز نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا جو ایک گلاس میں پانی لیے اس کے پاس کھڑی تھیں۔اس نے پانی پیا اور دوبارہ لیٹ کر نیند کی روٹھی ہوئی دیوی کو منانے لگی۔ پھر نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

....

تیسرا باب

فرائڈ کی موت

اگلے دن ناعمہ سہ پہر کے وقت اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی خیالوں میں گم تھی۔ وہ فلسفے کے علاوہ نفسیات کی بھی طالب علم تھی۔ عام طلبا کے برعکس اس کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اس مطالعے کی روشنی میں وہ اپنے خواب کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ خواب ایسا نہیں تھا کہ ناعمہ اسے بھول جاتی۔ ذلت و رسوائی کا وہ احساس جو اسے خواب میں ہوا تھا ابھی تک اس پر طاری تھا۔ وہ بہت دیر تک اپنا psychoanalysis کرتی رہی۔ خواب میں اپنی خوشی اور اپنے خوف کی ہر گتھی کو اس نے اپنے مطالعے کی روشنی میں سلجھالیا تھا۔ اپنے شعور اور لاشعور کا تجزیہ وہ اپنے حالات واقعات کی روشنی میں کر کے مطمئن ہو چکی تھی۔ جو واحد چیز اس خواب میں اس سے حل نہیں ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ اسے احساس برہنگی کیوں ہوا۔ اسے احساس ہوا کہ شاید اس بات کی جڑیں اس کے بچپن تک جاتی ہوں جس کی یاد اس کے شعور میں موجود نہیں۔ یہ تاویل کر کے وہ مطمئن ہوگئی۔

اسی وقت آمنہ کمرے میں داخل ہوئیں اور اس سے مخاطب ہو کر کہا:

''بیٹا میں ذرا تمھارے لیے کچھ خریداری کرنے باہر جا رہی ہوں۔ تم ایسا کرو کہ دو کپ چائے بنا کر ابو کے کمرے میں دے دو۔ عبداللہ آیا ہوا ہے۔''

یہ سن کر ناعمہ کا منہ بن گیا۔اس نے بیزاری کے ساتھ کہا۔

''یہ موصوف ہر دوسرے دن کیوں آجاتے ہیں؟''

''بیٹا وہ خودنہیں آتا تمھارے نانا بلاتے ہیں۔دونوں مل کرقرآن مجید پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ گھر میں اللہ کا نام لینے سے خیرو برکت ہی ہوتی ہے۔تمھیں چائے نہیں بنانی تو نہ بناؤ۔میں بنا کر دے جاتی ہوں۔''

غنیمت ہوا کہ ناعمہ نے اس پر کوئی منفی تبصرہ کرنے کے بجائے جواب دیا:

''نہیں آپ جائیے میں چائے بنا کر دے آتی ہوں۔''

آمنہ بیگم چلی گئیں۔ناعمہ تھوڑی دیر تک کمرے میں بیٹھی رہی۔پھر بے دلی کے ساتھ اٹھی اور کچن میں جا کر چائے بنانے لگی۔کچھ دیر بعد وہ چائے بنا کر نانا ابو کے کمرے کی طرف چل دی۔کمرے میں نانا ابو اور عبداللہ دونوں ایک میز کے گرد اس طرح بیٹھے تھے کہ ان کی پشت دروازے کی طرف تھی۔میز پر قرآن کریم رکھا ہوا تھا۔وہ ٹرے اٹھا کر کمرے میں داخل ہورہی تھی تو کان میں نانا ابو کی آواز آئی۔

''یہ سورہ اعراف میں لباس تقویٰ کا جو ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے۔''

لباس کا ذکر سن کر ناعمہ لمحے بھر کو ٹھٹک گئی اور خاموش ہوکر وہ سننے لگی جو عبداللہ جواب میں کہہ رہا تھا۔

''یہ روح کا لباس ہے۔انسانی شخصیت کا لباس ہے۔دیکھیے جیسے ہم کپڑے پہن کر اپنے جسم کو ڈھانکتے ہیں اسی طرح انسان کا باطن،اس کی روح،اس کی شخصیت جسے جدید نفسیات کی اصطلاح میں آپ سیلف کہتے ہیں،یہ اس کا لباس ہے۔''

پھر اپنی بات کی وضاحت میں وہ علم نفسیات کے ممتاز ترین نام سگمنڈ فرائڈ کا حوالہ

دیتے ہوئے بولا:

''یا فرائڈ نے جس طرح Anatomy of the Mental Personality میں اسے بیان کیا ہے کہ یہ مائنڈ کا وہ حصہ ہے جسے ایگو کہا جاتا ہے۔ یہی انسان کی اصل شخصیت ہے۔ اسے بھی کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

ناعمہ نے اپنی زندگی میں پہلی دفعہ کسی مذہبی آدمی کے منہ سے فرائڈ اوراس کے کام کا حوالہ سنا تھا۔ وہ خاموش کھڑی سنتی رہی۔

''اللہ تعالیٰ سورہ اعراف آیت 26 میں یہ بتاتے ہیں کہ انسان کے جسم کو ڈھانپنے کے لیے انہوں نے لباس جیسی نعمت انسان کو عطا کی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ انہوں نے انسان کو اپنی ہستی اور خیر وشر کا وہ شعور الہام کیا ہے جس کے تانے بانے اگر وحی کی روشنی میں بنے جائیں تو تقویٰ کا وہ لباس وجود میں آتا ہے جو انسان کے اسی سیلف کو برہنہ ہونے سے بچا دیتا ہے۔ یہ سیلف یا اندرونی شخصیت انسان کے ظاہری جسم سے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے اس کو لباس کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ضرورت تقویٰ یا نیکی اور پرہیز گاری کا وہ لباس ہے جسے اللہ تعالیٰ ہر دوسرے لباس سے بہتر قرار دیتے ہیں۔ یہ تقویٰ اور کچھ نہیں اللہ کے احساس میں جینا ہے۔ لیکن بیشتر انسان ساری توجہ اپنے ظاہری لباس اور ظاہری رکھ رکھاؤ کی طرف دیتے ہیں اور لباس تقویٰ کے لحاظ سے اس طرح بے نیاز ہوجاتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک وہ بالکل برہنہ رہتے ہیں۔ گویا اللہ کو بھول کر جینے والے لوگ اللہ کے نزدیک بالکل برہنہ اور بے حیا ہوتے ہیں۔''

اس آخری بات کو سن کر ناعمہ کو ایسا لگا جیسے کسی نے زور سے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔ اگر عبداللہ کی پشت کے بجائے اس کا چہرہ ناعمہ کی طرف ہوتا تو وہ واضح طور پر دیکھ سکتا تھا کہ ناعمہ کا حسین اور گلابی چہرہ سرخ ہو چکا ہے۔ اس کے لیے مزید خاموش کھڑے رہنا ممکن نہ تھا۔ وہ آگے

بڑھ کر بولی:

''نانا ابو چائے لے لیجیے۔''، حسب عادت اس نے عبداللہ کو سلام نہیں کیا تھا۔ عبداللہ نے بھی اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ چائے میز پر رکھ کر اس نے پہلے نانا ابو کو چائے دی۔ وہ بغیر چینی کے چائے پیتے تھے۔ پھر عبداللہ سے بے رخی کے ساتھ پوچھا۔

''چینی کتنی ڈالوں؟''

''ایک چمچہ۔''

عبداللہ نے بھی بے نیازی سے جواب دیا۔ اس کی توجہ قرآن مجید کی طرف ہی رہی۔

چائے دے کر ناعمہ کو چلے جانا چاہیے تھا، مگر اسے محسوس ہوا کہ تھوڑی دیر قبل عبداللہ کے ہاتھوں اس کی جو توہین ہوئی ہے اس کے جواب میں اس وقت عبداللہ کو نیچا دکھانا ضروری ہے۔ اس نے پوچھا۔

''سنا ہے آپ باقاعدہ دین سیکھ رہے ہیں۔''

''جی''، عبداللہ نے ممکنہ ترین مختصر جواب دیا۔

''میرے ایک سوال کا جواب دیں گے؟''، ناعمہ نے اپنے ہتھیار میدان میں نکالتے ہوئے کہا۔

''ایک چودہ سو برس پرانی کتاب جو آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکی ہے، اپنی عقل اور بصیرت کو اس کے تابع کر کے سوچنا کیوں ضروری ہے۔''

عبداللہ شاید ناعمہ سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا، اس لیے اس نے ایک مختصر جواب دیا:

''اس لیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ وہ ہر زمانے اور وقت سے بلند ہستی ہے۔''

ہم کیسے مان لیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ تو عقلی طور پر ہی غلط ہے کہ آپ مان کر غور شروع

کریں۔ یہ تو غیر علمی اور غیر عقلی رویہ ہے۔''

ناعمہ بحث کے لیے پوری طرح تیار تھی۔ جبکہ اسماعیل صاحب کو احساس ہو چکا تھا کہ ناعمہ اپنے اعتراضات کا ترکش نکال چکی ہے اور اب ایک ایک کر کے وہ تیر چلائے گی جن کا جواب اور بھی کئی لوگ نہیں دے سکے تھے۔ ان اعتراضات کے جواب میں اسے جواب میں اکثر کفر و گمراہی کے طعنے سننے کو ملے تھے یا نامعقول اور بودا استدلال۔ پہلی چیز سے مذہب کے خلاف ناعمہ کے غصے میں اضافہ ہوتا تھا اور دوسری چیز سے اس کے حوصلے میں۔ چنانچہ عبد اللہ کے سامنے فضیحت سے بچنے کے لیے انہیں گفتگو میں مداخلت کرنا پڑی:

''بیٹا یہ سوال تو ہم مسلمانوں کو کرنا ہی نہیں چاہیے کیونکہ ہم قرآن کو اللہ کا کلام مانتے ہیں۔ اسی عقیدے کی روشنی میں ہمیں قرآن کو سمجھنا چاہیے۔''

''نانا ابو یہی بات تو غیر مسلم اپنی کتابوں کے بارے میں کہتے ہیں۔ دیکھیے نا مسیحی علم الکلام کے مشہور عالم سینٹ انسلم کہتے ہیں کہ میں پہلے عقیدہ رکھتا ہوں پھر سمجھتا ہوں۔ پہلے سمجھ کر عقیدہ اختیار نہیں کرتا۔ اب بتایے کہ آپ میں اور ایک عیسائی میں کیا فرق رہ گیا۔''

نواسی نے اپنے علم اور مطالعے کی روشنی میں نانا کو چاروں خانے چت کر دیا تھا۔ اس کے بعد ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا۔ مگر اب عبداللہ نے سوچا کہ اس کے سامنے ناعمہ نہیں ایک عام انسان موجود ہے جو دین سمجھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے پوری طرح گفتگو میں اترنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اسماعیل صاحب سے مخاطب ہوا:

''آپ اگر اجازت دیں تو میں کچھ عرض کروں۔''، پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ کہنے لگا:

''دیکھیے ناعمہ بی بی کم از کم میں آپ سے بالکل متفق ہوں۔ اور آپ کے سوال کو بالکل ویلڈ

(valid) سمجھتا ہوں۔ خود اللہ تعالیٰ آپ کے سوال کو ویلڈ سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ بہت تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں۔ ان کی تو ساری اپیل عقل انسانی کو ہے۔ یہ تو کفار تھے جو عقل کو چھوڑ کر تعصب کو اختیار کرتے تھے۔ اس لیے آپ اطمینان رکھیے کہ آپ کا اعتراض بالکل درست ہے۔ یہ آپ کا حق ہے کہ آپ کو آپ کی بات کا عقلی جواب ملے۔''

زندگی میں پہلی دفعہ ناعمہ کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حکم ٹھونسنے کے بجائے سوالوں کا جواب بھی دیتے ہیں اور لوگوں کو سمجھاتے بھی ہیں۔ عبداللہ بولتا رہا:

''دیکھیے قرآن مجید جس عظیم ہستی پر نازل ہوا وہ قرآن مجید سے باہر بھی تاریخ کی روشنی میں پوری طرح معلوم و معروف ہے۔ اس ہستی کے متعلق معلوم ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے وہ گرچہ غیر معمولی اعلیٰ سیرت و کردار کے مالک تھے، لیکن کوئی مذہبی عالم نہ تھے۔ وہ ایک عام تاجر تھے جن کا کوئی مذہبی پس منظر نہیں تھا۔

ایسے میں وہ اچانک ایک روز اٹھتے ہیں اور نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان پر قرآن اترتا ہے۔ اس قرآن میں توحید و آخرت کی دعوت ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کی پوری مذہبی روایت کی تفصیل ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کو یہ سب اچانک کیسے معلوم ہو گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہیں اچانک نہ صرف یہ سب معلوم ہو گیا بلکہ اس کے بعد ان کے خیالات میں کبھی کوئی ارتقا نہیں آیا۔ آپ کسی بھی مفکر اور صاحب علم کی زندگی کو دیکھ لیجیے۔ اس کی فکر اور علم میں ہمیشہ ایک ارتقا ملتا ہے۔ وہ ابتدا میں کچھ چیزیں سیکھتا ہے۔ علم، تجزیے اور تجربے کے بعد بہت سی چیزوں کو رد کرتا ہے۔ نئے نظریات اختیار کرتا ہے۔ پھر دنیا کے سامنے اپنی بات پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی اس کے افکار اور نظریات میں مسلسل ارتقا اور تبدیلی آتی رہتی ہے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو سے لے کر ڈیکارٹ، کانٹ، ہیگل تک اور گوئٹے اور شیکسپیر سے غالب اور اقبال تک کوئی شخص

ایسا نہیں جو بغیر کسی علمی اور فکری ارتقا کے، اپنے فکر اور کلام کو دنیا کے سامنے پیش کرسکا ہو، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی اس پورے معاملے سے ایک عجیب استثنا ہے۔ اس بات کو ایک مذہبی مثال سے یوں سمجھیں کہ ہمارے زمانے میں ایک صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا......''

''تم غالباً مرزا غلام احمد قادیانی کی بات کرر ہے ہو''، اسماعیل صاحب نے وضاحت کے لیے پوچھا:

''جی ہاں۔ میرا اشارہ انہی کی طرف ہے۔ مگر دیکھیے کہ ان کی پوری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ وہ کوئی ان پڑھ آدمی نہیں تھے۔ مذہب کی پوری روایت سے واقف تھے۔ مذہبی مناظرے کرتے تھے۔ ان کی فکر، خیالات اور دعووں میں ارتقا بھی ملتا ہے اور تضاد بھی۔ وہ اگر سچے نبی ہوتے تو یہ کبھی نہ ہوتا۔ اس لیے کہ نبی کی بات اللہ تعالیٰ کی بات ہوتی ہے جس میں نہ تضاد ہوسکتا ہے نہ اس کے علم میں کوئی ارتقا آسکتا ہے۔ اس کے برعکس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مذہبی علم کے اعتبار سے صفر سے اپنی بات کا آغاز کیا اور جو کہا وہ آج تک غلط ثابت نہیں ہوا۔ اور جو دعوت دنیا کو پہلے دن دی، اس میں آخر تک کبھی کوئی تبدیلی آئی نہ ارتقا ہوا اور نہ کہیں تضاد ملتا ہے۔ یہ کام کوئی عام انسان کیسے کرسکتا ہے؟''

ناعمہ اس سوال کے جواب میں خاموش رہی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مزید سننا چاہتی ہے۔ اس لیے عبداللہ بولتا رہا:

''یہ تو ایک پہلو ہے۔ زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک تنہا و بے آسرا شخص تھے جس نے تن تنہا اپنے قبیلے اور پورے عرب کے سرداروں کی مخالفت مول لے لی۔ انہوں نے صرف ان کے عقائد ہی پر تنقید نہیں کی بلکہ اتنا بڑا دعویٰ کردیا جو کوئی عام آدمی کر ہی نہیں سکتا۔ انہوں نے پہلے دن سے یہ کہہ کر اپنی بات شروع کی تھی کہ جس نے میری بات مانی وہ بچے گا اور

باقی لوگ خدا کی نافرمانی کے جرم میں اس کے عذاب کی زد میں آ کر ہلاک ہو جائیں گے۔ جبکہ میری بات کو ماننے والے زمین کے بادشاہ بنا دیے جائیں گے۔ اتنا بڑا دعویٰ کوئی مجنون کر سکتا ہے یا پھر کوئی سچا رسول۔ وہ سچے رسول تھے اس لیے جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے ماننے والے عرب کے حکمران اور نہ ماننے والے ہلاک ہو چکے تھے۔ یہی نہیں وہ مستقبل کے واقعات کی اتنی ٹھیک پیش گوئی کرتے ہیں......''

عبداللہ ایک لمحے کے لیے رکا اور میز سے قرآن مجید ہاتھ میں اٹھا کر بولا:

''اور یہ پیش گوئیاں اس کتاب میں آج بھی موجود ہیں اور اب یہ تاریخ کا ناقابل تردید حصہ بن چکی ہیں۔''

''مثال کے طور پر کوئی ایک پیش گوئی بتائیے۔''، ناعمہ نے پوچھا۔

''ایک نہیں کئی پیش گوئیاں ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس زمانے میں ایک عالمی جنگ میں رومی یکطرفہ طور پر شکست کھا رہے تھے۔ عین ان کی مغلوبیت کے عالم میں قرآن نے یہ پیش گوئی کی کہ چند برسوں میں رومی غالب آ جائیں گے۔ ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ قرآن نے اسی طرح عین مکہ میں جب ایمان لانے والے بدترین مظالم کا شکار تھے یہ پیش گوئی کی کہ یہ ظالم کفار باز نہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں کو اس سرزمین سے نکالنے کے درپے ہوئے تو پھر عنقریب ہم ان کفار ہی کو یہاں سے نکال پھینکیں گے۔ پھر ایک عظیم پیش گوئی یہ ہے کہ عین اس زمانے میں جب پورا عرب مدینہ کی چھوٹی سے بستی کو مٹانے پر تلا ہوا تھا، یہ پیش گوئی بلکہ وعدہ کیا گیا کہ اس رسول پر ایمان لانے والوں کو زمین کا اقتدار دے دیا جائے گا۔ چند برسوں میں یہ بھی ہو گیا اور اہل ایمان معجزانہ طور پر دنیا کی تنہا سپر پاور بن گئے۔ پھر عین مغلوبیت کے عالم میں یہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ سب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جائیں گے جبکہ ابولہب اور اس

کے ساتھی جو وقت کے فرعون بنے ہوئے تھے، تباہ وہ برباد ہو جائیں گے۔ چند برسوں میں ایسا ہی ہو گیا۔''

''اور قرآن کے معجزہ ہونے والی بات بھی تو بتاؤ۔''، اسماعیل صاحب نے پہلی دفعہ اپنی نواسی کو لا جواب ہوتے دیکھ کر گرہ لگائی۔ خوشی ان کے چہرے پر دمک رہی تھی۔

''قرآن نے اپنے سب سے پہلے مخاطبین یعنی عرب کے مشرکین کو جو خطابت اور شاعری کے بادشاہ تھے یہ چیلنج دیا کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ اس نبی نے خود اس کلام کو گھڑا ہے تو تم بھی ایسا کلام بنا کر لے آؤ۔ اور یاد رہے کہ یہ وہ نبی تھے جنہیں شاعری کا نہ کوئی شوق تھا نہ اشعار یاد تھے۔ مگر قرآن کا جواب کسی نے دینے کی کوشش بھی نہ کی۔ حالانکہ یہ نبوت کا دعویٰ جھوٹا ثابت کرنے اور ان کے پیروکاروں کو ان سے بدگمان کرنے کا سب سے آسان نسخہ تھا۔ لیکن ان کفار نے رسول کو جھٹلایا، مجنون، شاعر اور جادوگر کہا، ان کے پیروکاروں پر بدترین ظلم ڈھائے، ان سے جنگیں کیں، مگر اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے۔ اب بتائیے ایسی ہستی کو آپ رسول ماننے سے کیسے انکار کریں گی اور کیسے قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانیں گی؟''

ناعمہ کا چہرہ اتر چکا تھا۔ بات اس پر واضح ہو چکی تھی۔ عبداللہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنی معقول اور مدلل بات شاید وہ مان بھی جاتی۔ تاہم عبداللہ کے سامنے اعتراف شکست کرنا اس کی انا کی شکست ہوتا۔ یہ اسے ہرگز قبول نہیں تھا۔ انانیت میں مبتلا ہر شخص معقولیت کی پٹڑی سے اتر جاتا ہے۔ چنانچہ اب ناعمہ نے وہ کام کیا جس پر ہمیشہ وہ مذہبی لوگوں کو لتاڑتی رہی تھی کہ وہ بحث کے ایک میدان میں جب شکست کھا جاتے ہیں تو اعتراف شکست کیے بغیر دوسرا محاذ کھول دیتے ہیں۔ ناعمہ نے اس عمل کا نام ''مولویانہ قلابازی'' رکھا تھا۔ مگر اب یہی ''مولویانہ قلابازی'' ناعمہ نے بھی لگا دی۔ عبداللہ کی اس پوری گفتگو کے جواب میں اس نے کہا:

”آپ کی باتیں اگر ٹھیک ہوں تب بھی یہ اتفاقات سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جس ظالمانہ طریقے پر یہ دنیا چلی جا رہی ہے، اسے دیکھنے کے بعد کوئی باشعور شخص کسی خدا پر ایمان نہیں لا سکتا۔ خدا کو ماننا پری ماڈرن ازم کا ایک تصور ہے جب عقیدہ انسانی زندگی کی بنیاد تھی۔ ماڈرن ازم کے دور عقلیت میں یہ تصور مکمل طور پر رد ہو چکا ہے۔ خیر اب تو ہم پوسٹ ماڈرن ازم میں جی رہے ہیں۔ اس میں کسی کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ہم ثقافتی طور پر مذہب اور خدا کو مان سکتے ہیں۔ مگر سب جانتے ہیں کہ خدا کا تصور ایک غیر سائنٹفک تصور ہے۔ عرصہ ہوا کہ ارتقا کا نظریہ خدا کے وجود کی عقلی بنیاد ختم کر چکا ہے۔ سائنس کی دنیا میں اب خدا کو مان کر کوئی تحقیق نہیں کی جاتی۔“

ناعمہ بہت ذہانت سے عبد اللہ کو اس کی اسپیشلٹی کے میدان یعنی مذہب سے نکال کر اپنی اسپیشلٹی کے میدان یعنی سائنس اور فلسفہ میں لے آئی تھی۔ اب بحث اس کے میدان میں ہونی تھی۔ جہاں ناعمہ کے خیال میں اس کی فتح یقینی تھی۔ تاہم عبد اللہ اس میدان کا بھی کھلاڑی تھا۔ وہ پورے اعتماد سے بولا:

”دیکھیے اللہ ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ کرنا سائنس کا دائرہ کار ہی نہیں ہے۔ وہ تو یہ بتاتی ہے کہ کائنات کیسے کام کر رہی ہے۔ جبکہ کائنات کیوں وجود میں آئی، انسان یہاں کیوں ہے، اس کا جواب نہ سائنس دے سکتی ہے نہ یہ اس کا دائرہ ہے۔ نہ سائنس آج تک کوئی ایسا دعویٰ کر سکی ہے کہ اس کی کسی دریافت نے ثابت کر دیا ہے کہ خدا موجود نہیں ہے۔ البتہ سائنس نے تو اس کائنات کے جتنے اسرار کھولے ہیں، وہ صرف یہ بتاتے ہیں کہ اس درجہ کی پیچیدہ مگر متوازن، متضاد مگر ہم آہنگ کائنات کسی خالق کی تخلیق ہی ہو سکتی ہے۔

جہاں تک ارتقا کے نظریے کا تعلق ہے تو یہ بات ٹھیک ہے کہ ڈارون کے زمانے میں انسانی علم جہاں پر تھا وہاں ارتقا کو خالق کا نعم البدل سمجھ لیا گیا تھا۔ مگر بیسویں صدی اور خاص کر اس کے

آخر میں زندگی کی سادہ ترین شکلوں یعنی بیکٹیریا اورخلیہ پر ہونے والی تحقیقات اور جینیاتی سائنس کی ترقی نے ارتقاکے قدموں سے زمین نکال دی ہے۔

جدید سائنس کی ترقی نے ایسی خوردبینیں ایجاد کردیں اور ایسے طریقے وجود میں آ گئے کہ زندگی کی سادہ ترین اقسام کی انتہائی جزئی تفصیل بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے۔اس سائنسی ترقی کا سب سے بڑاانکشاف یہ ہے کہ زندگی اپنی سادہ ترین شکل میں بھی اتنی ہی پیچیدہ ہے کہ ارتقا کا نظریہ اس کی وضاحت نہیں کرسکتا کہ ایسی پیچیدگی اتنی بنیادی سطح پر کیسے موجود ہوسکتی ہے۔''

ناعمہ نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے کہا:

''میں بتاتی ہوں کہ یہ پیچیدگی کیسے ممکن ہے۔ دراصل ایک طویل عرصے تک جو کروڑوں بلکہ اربوں سال پر بھی محیط ہوسکتا ہے، زندگی کی کسی بھی سطح پر ان گنت اور پے درپے آنے والی تبدیلیاں اس کوممکن بناسکتی ہیں۔اس کی مثال یہ ہے کہ......''

''جی مجھے معلوم ہے وہ مثال کیا ہے۔''، عبداللہ نے اس کی بات بیچ سے کاٹتے ہوئے کہا:

''اگر کچھ بندر ٹائپ رائٹر پر بلاسوچے سمجھے انگلیاں مارنے لگیں اوراربوں سال تک مارتے رہیں تو عین ممکن ہے کہ وہ کسی شاہکار نظم کوٹائپ کر ہی ڈالیں۔مگر زندگی کی تمام تر پیچیدگیوں کوتو چھوڑ دیجیے، زندگی کے بنیادی جز ڈی این اے میں موجود معلومات کو اگر کتاب کی شکل میں ترتیب دیا جائے تو لاکھوں صفحات پر مشتمل وہ کتاب وجود میں آئے گی جس کا ہر لفظ، ہر سطر اور ہر باب بلکہ پوری کتاب ہی بامعنی، بامقصد اور مکمل طور پر مربوط ہے۔''

پھر وہ رکتے ہوئے ناعمہ سے مخاطب ہوا:

''آپ جانتی ہیں کہ کسی اتفاق کے تحت ایسی بامعنی کتاب کو وجود میں لانے کے لیے ان بندروں کو کتنے سال ٹائپنگ کرنی پڑے گی؟''

پھر اپنے سوال کا جواب وہ خود ہی دیتے ہوئے بولا:

''ریاضی کا علم یہ بتاتا ہے کہ اس کے لیے درکار وقت اتنا زیادہ ہے کہ اربوں کو کھربوں برس سے ضرب دے دیا جائے تب بھی یہ وقت ایسی تخلیق کو اتفاقی طور پر وجود میں لانے کے لیے کم ہے۔ میں ایک مثال سے آپ کو سمجھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عبداللہ نے اپنی جیب سے قلم نکالا اور میز پر رکھتے ہوئے کاغذ پر ناعمہ کا نام انگریزی میں لکھتے ہوئے کہا۔

''انگریزی زبان میں کل 26 حروف تہجی ہوتے ہیں اور آپ کا نام ان میں سے پانچ حروف تہجی کو ایک خاص ترتیب سے لکھنے سے بنتا ہے۔ علم ریاضی میں ایسی کسی شے کے ترتیب و تبادلہ یا (Permutation) معلوم کرنے کا ایک فارمولا ہوتا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے عبداللہ نے فارمولا لکھا اور اس سے حاصل ہونے والے عدد کو کاغذ پر بڑا بڑا لکھتے ہوئے کہا:

''کسی بندر کو محض اتفاق کی بنیاد پر انگریزی زبان کے 26 حروف تہجی میں سے پانچ حروف پر مشتمل آپ کا نام لکھنے کے لیے اٹھتر لاکھ ترانوے ہزار چھ سو کی تعداد میں پانچ حرفی منفرد الفاظ لکھنے ہوں گے تب کہیں جا کر یہ بات یقینی ہوگی کہ ان کم و بیش 80 لاکھ الفاظ میں سے ایک لفظ ناعمہ ہوگا۔''

''ناقابل یقین!''

اسماعیل صاحب نے حیرت و استعجاب کے عالم میں کہا تو عبداللہ مسکراتے ہوئے بولا:

''یہ تو ایک لفظ کا معاملہ ہے۔ بات اگر ایک پوری مرتب کتاب کی ہو جس کا ہر لفظ دوسرے سے، ہر پیراگراف اگلے سے اور ہر باب آگے پیچھے کے تمام ابواب سے پوری طرح مربوط

ہوں تو پھر اسے اتفاقاً ترتیب میں آنے کے لیے اتنا زیادہ وقت چاہیے ہوگا کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔ اربوں کھربوں کے الفاظ اس گنتی میں ایسے ہی ہیں جیسے ہزاروں سال کی داستان میں ابتدائی چند سیکنڈ۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی ہماری جس زمین پر پیدا ہوئی اور سادہ سے پیچیدہ ترین شکلوں میں موجود ہے، وہاں کتاب زندگی کہیں زیادہ ضخیم مگر اتنی ہی مربوط و مرتب ہے اور دوسری طرف سانحہ یہ ہے کہ اس معصوم زمین کی عمر صرف چار ارب سال ہے۔ خود اس کائنات کی عمر تیرہ چودہ ارب سال سے زائد نہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ زندگی اتنی کامل شکل میں ایک جگہ پر اتنے مختصر وقت میں ظہور پذیر ہو جائے۔ اس لیے سائنس جس طرح کی کائنات کا تعارف کرا رہی ہے، اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ یہ اتفاق سے وجود میں آئی ہے، زندگی بھی اتفاق سے وجود میں آئی اور زندگی کی تمام اقسام اپنی تمام تر پیچیدگیوں کے ساتھ اتفاق سے وجود میں آئیں، یا پھر ایک بے جان، بے شعور اور بے ارادہ میکنزم حیات و کائنات کے اس بے مثل نظام کو کنٹرول کر رہا ہے، یہ دعویٰ کوئی چاہے تو اپنا دل مطمئن کرنے کے لیے کر لے، مگر عقل اس دعوے کو قبول نہیں کرتی۔''

ناعمہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسے مکمل شکست ہو چکی ہے۔ لیکن ترکش کا آخری تیر نکال کر اس نے چلا ہی دیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ ارتقا پر بہت لوگ تنقید کرتے ہیں۔ مگر سائنسدانوں کی اکثریت بہرحال ارتقا کو ہی مانتی ہے۔''

''جی ہاں مجھے بھی معلوم ہے۔''، عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا:

''مگر اس کی کوئی سائنسی وجہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ بہت سادہ ہے۔ وہ یہ کہ خدا کو نہ ماننا اپنی ذات میں ایک مذہب ہے۔ ارتقا اس مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ جو لوگ تنقید کو نہیں مانتے

اس کی وجہ معقولیت نہیں بلکہ وہ تعصب ہوتا ہے جو ہر مذہبی انسان کو اپنے مذہب کے ساتھ ہوتا ہے۔اس پہلو سے ایک کٹر مذہبی رہنما اور ایک ملحد سائنسدان میں کوئی فرق نہیں۔دونوں یکساں طور پر متعصب ہوتے ہیں۔

ایسے سائنسدان دراصل خالق کو نہیں ماننا چاہتے۔اور خالق بھی وہ جو مسیحیت اور بائبل کی شکل میں سامنے آتا ہے۔جس کی نمائندگی اہل کلیسا کرتے ہیں۔یہ ہے اصل مسئلہ۔دراصل مسیحیت نے انسانیت اور خاص کر سائنسدانوں، فلسفیوں اور دانشوروں کے ساتھ قرون وسطیٰ میں وہ سلوک کیا ہے کہ اب وہ لوگ کسی طور مسیحیت اور کلیسا والے خدا کو قبول نہیں کر سکتے۔مجھے یقین ہے کہ اسلام کی فطری تعلیم اور اس کا عقلی استدلال جب انسانیت کے سامنے آئے گا تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہیں کرے گی۔''

وہ ایک لمحے کو رکا اور ناعمہ کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا:

''مجھے تو اس کا بھی یقین ہے کہ آپ بھی خدا کے وجود پر قائل ہو چکی ہیں۔اور آج نہیں ہوئی ہیں تو بہت جلد ہو جائیں گی۔''

ناعمہ طنزیہ انداز میں مسکرائی اور بولی:

''میرے سوالات بہت زیادہ ہیں۔اور شاید ان کا جواب دینا آپ کے لیے ممکن بھی نہیں۔ لیکن اس موضوع پر کبھی بعد میں بات کریں گے۔اس وقت تو آپ لوگ میری وجہ سے ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔اس کا چہرہ تنا ہوا تھا۔باہر آکر وہ سیدھا فون کے پاس آئی اور فاریہ کا نمبر ملانے لگی۔

....

ناعمہ کا چہرہ اترا ہوا تھا اور فاریہ ناعمہ کے سامنے بیٹھی ہوئی اسے تکے جارہی تھی۔ ناعمہ آج کے واقعے کی پوری روداد فاریہ کو سنا چکی تھی۔ یہ داستان سننے کے بعد فاریہ دل میں تو بہت خوش تھی، مگر اپنی سہیلی کا بھرم رکھنے کے لیے وہ سنجیدہ شکل بنائے بیٹھی تھی۔ پھر اس نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا:

''تو تم کیا چاہتی ہو۔ میں عبداللہ بھائی کو یہاں آنے سے منع کر دوں؟''

''میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ تم نہیں جانتیں آج جب وہ بول رہا تھا تو نانا ابو کے چہرے پر کیسی خوشی تھی۔ لگتا تھا کہ ان کی اولاد میں نہیں ہوں بلکہ وہ ان کی اولاد ہے۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ اولاد تو تم ہی ہو اور تم ہی رہو گی۔ مگر تمھارا خیال یہ ہے کہ عبداللہ بھائی کو یہاں آنے سے منع کرنے پر تمھارا مسئلہ حل ہو جائے گا تو میں یہ کر دوں گی۔''

ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا:

''لیکن نانا ابو نے انہیں بلا لیا تو کیا ہو گا؟''

''تب کی تب دیکھی جائے گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد وہ یہاں کبھی نہیں آئے گا۔ وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے...... جاہل کہیں کا۔''

ناعمہ کی اس بات پر فاریہ نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا:

''خیر جاہل تو نہ کہو انہیں۔ بے چارے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور جیسا کہ تم نے آج کی روداد سنائی، کچھ نہ کچھ وہ دیگر چیزوں سے بھی واقف ہیں۔''

ناعمہ نے نظر اٹھا کر فاریہ کو غور سے دیکھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پائی کہ اس کی عزیز سہیلی اس کی طرف تھی یا عبداللہ کی طرف۔

فاریہ اپنا پرس اٹھاتے ہوئے بولی۔

''یار میں چلتی ہوں۔ مجھے گھر جا کر کھانا بنانے میں امی کی مدد کرنی ہے۔تم نے بلایا تھا تو میں آ گئی۔ ویسے تمھارا کام ہو جائے گا۔تم پریشان نہ ہو۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور ناعمہ کے رخسار سے اپنے رخسار مس کرتے ہوئے بولی:

''تم نے مجھ سے کبھی کہا تھا......تم خدا کو اس لیے نہیں مانتیں کہ تمھارے لیے سچائی اپنے تعصّبات سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میرے جانے کے بعد تنہائی میں سوچنا۔ کیا ابھی بھی تمھارے لیے سچائی سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے؟''

''اور ہاں......''، وہ ایک لمحے رک کر بولی:

''تم میں اور کرن میں بہت فرق ہے۔ اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا۔''

یہ کہہ کر فاریہ کمرے سے نکل گئی۔ ناعمہ ایک مجسمے کی طرح اپنی جگہ پر ساکت بیٹھ گئی۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی سہیلی اس سے کیا کہہ کر گئی ہے۔ اسے یہ جاننے کے لیے بہت زیادہ غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ سچائی اب اس کے لیے اہم ترین چیز نہیں تھی۔ عبداللہ سے شکست قبول نہ کرنا اس کے لیے اہم ترین بات بن چکی تھی۔

اس نے اپنی میز کی دراز کھول کر اس میں سے اپنی ڈائری نکالی۔ اس کے پہلے صفحے پر اس نے بڑے فخر سے لکھ رکھا تھا۔

''میرے لیے سچائی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔''

ناعمہ کچھ دیر تک اپنی تحریر پڑھتی رہی۔ اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ کالج میں دیگر لڑکیوں اور اساتذہ سے مذہبی موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ آپ سب تعصّبات کے اسیر ہیں۔ پھر وہ مذہبی لوگوں کے اختلاف اور عناد کی داستان سنا کر اور ان کے مزعومات کی کمزوریاں سامنے لا کر جب لوگوں کو لاجواب کیا کرتی تب اسے اپنے اوپر بڑا فخر محسوس ہوتا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہر تعصب سے بلند ہوچکی ہے۔مگر آج اسے معلوم ہوا کہ جہاں دوسرے کھڑے ہوئے تھے وہ بھی ٹھیک اسی جگہ آکر کھڑی ہوچکی ہے۔آج سے پہلے اس کا واسطہ متعصب، نامعقول انتہا پسندوں اور فرقہ پرستوں سے پڑا تھا۔ ناعمہ نے ان کو ہمیشہ شکست دی تھی۔آج پہلی دفعہ ایک خدا پرست اس کے سامنے آیا اور ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر گیا تھا۔

''مگر کیا مجھے وہی کرنا چاہیے جو دوسرے کرتے ہیں؟''

اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

''ہر شخص تعصب پر کھڑا ہوتا ہے،مگر ساتھ ہی چند بے معنی الفاظ بول کر اپنے آپ کو دھوکہ بھی دے رہا ہوتا ہے۔کیا میں بھی اپنے آپ کو دھوکہ دوں؟''

وہ دھیرے سے بولی:

''سچائی میرے لیے ابھی بھی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔مگر میں نہیں جانتی تھی کہ سچائی کا سفر اتنا مشکل بھی ہوسکتا ہے۔مگر میں منافق نہیں بنوں گی۔میں سچ قبول نہیں کرسکی تو کم از کم سچ بول تو سکتی ہوں۔مجھے عبداللہ سے شدید نفرت ہے۔مگر جو اس نے کہا میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں......کاش میرے لیے سچ کا سفر کچھ آسان ہوجائے۔''

اس کے ساتھ ہی ناعمہ کے آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی چھلکے اور چہرے سے ڈھلکتے ہوئے اس کے دامن میں جذب ہوگئے۔

....

عبداللہ کے فون کی گھنٹی بجی۔اس نے فون اٹھایا اور السلام علیکم کہا۔دوسری طرف سے فاریہ کی آواز آئی۔

''عبداللہ بھائی میں فاریہ بات کررہی ہوں۔آپ کیسے ہیں؟''

عبداللہ کو فاریہ کی آواز سن کر بہت حیرت ہوئی۔ کیونکہ فاریہ کے پاس اس کا نمبر تھا نہ کبھی اس نے اسے پہلے فون کیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکا کہ اسے فون کرنے کا کیا سبب ہے۔ لیکن اس نے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا اور جواب میں کہا:

''الحمدللہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں کیسی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ مجھے دراصل آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔''

''فرمائیے۔''

''وہ بات یہ ہے کہ......''، فاریہ نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا:

''ناعمہ دراصل بہت اچھی لڑکی ہے، لیکن اسے آپ سے کچھ پرابلم ہے۔''

عبداللہ کے دل پر ایک کچوکا لگا، مگر وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

''دراصل وہ مذہب سے کچھ باغی ہے اور آپ بہت مذہبی ہیں۔ اس کے نانا اور امی سے بھی آپ بہت قریب ہو چکے ہیں۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ سب آپ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن ناعمہ بچپن سے اپنے گھر میں محبت کا مرکز رہی ہے۔ لیکن اب آپ اس محبت کو کچھ شیئر بھی کرنے لگے ہیں۔ آپ سن رہے ہیں نا۔''

فاریہ نے رک کر کہا تو عبداللہ بولا:

''جی میں سن رہا ہوں۔''

''دراصل آپ ناعمہ کو غلط مت سمجھئے گا۔ وہ طبعاً بہت بااخلاق لڑکی ہے۔ انسانوں سے اس کا معاملہ بہت ہمدردانہ رہتا تھا۔ اس کے باغیانہ نظریات اپنی جگہ لیکن نہ وہ بدتمیز ہے نہ بدلحاظ۔ لیکن آپ کے معاملے میں اس کی سوچ کچھ جارحانہ ہو چکی ہے۔ اب اس کی شادی ہونے والی ہے۔ لیکن آپ کے گھر آنے سے وہ کچھ ڈسٹرب سی ہو جاتی ہے۔ شاید پچھلے دنوں وہ آپ سے

الجھ بھی پڑی تھی۔''

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں تھی بس ان کے کچھ سوالات تھے۔''

''اگر آپ کو اس کی کوئی بات بری لگی ہو تو پلیز آپ اسے معاف کر دیں۔ میں اس کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔''

''نہیں میں نے کسی بات کا برا نہیں مانا۔ ناعمہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''جی ہاں، آپ بھی بہت اچھے ہیں۔ میری تو بڑی خواہش تھی کہ آپ دونوں کی شادی ہو جاتی۔''

فاریہ کو نہیں معلوم تھا کہ وہ لاعلمی میں عبداللہ کے مندمل ہو چکے زخموں کو کھرچنے لگی ہے۔

''مگر بس ناعمہ یہ چاہتی تھی کہ اس کی شادی کسی دولتمند گھرانے میں ہو۔ دراصل وہ نہیں چاہتی تھی کہ جو محرومیاں اس کی والدہ نے جھیلی ہیں اب وہ جھیلے۔ اسی لیے اس نے آپ سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔''

عبداللہ کو محسوس ہوا جیسے اس کے دل پر کسی نے گھونسا مار دیا ہو۔ مگر وہ اپنے آپ کو سنبھالنا سیکھ چکا تھا۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولا:

''جی میں سمجھ سکتا ہوں۔''

''بس میرا خیال یہ تھا کہ آپ ناعمہ کی شادی تک اس کے گھر نہ جائیں تو وہ تھوڑا بہتر محسوس کرے گی۔''، فاریہ اپنا مدعا آخر کار زبان پر لے ہی آئی۔

''آپ اطمینان رکھیے۔ ناعمہ کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ البتہ ان کی شادی کے بعد تو میں اسماعیل صاحب سے ملنے جا سکتا ہوں نا۔''

یہ تو آپ کا بہت احسان اور بڑا پن ہوگا۔''

''ٹھیک ہے۔آپ فکر مت کیجیے۔اور کچھ......''

''نہیں بس،شکریہ اور اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔''

عبداللہ نے بوجھل دل کے ساتھ کہا اور فون بند کر دیا۔

....

وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا اور شادی کے دن قریب آتے جارہے تھے۔خواب میں بے لباسی کی ذلت اور عبداللہ کے ہاتھوں شکست پر کم و بیش ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ناعمہ ایک دو دن تو ڈسٹرب رہی لیکن پھر شادی اور اس کے بعد کی زندگی نے اس کے خیالات کا رخ اپنی طرف موڑ لیا۔اس رات ناعمہ اپنی ماں کے ساتھ بستر پر لیٹی ہوئی انہی خیالوں میں گم تھی۔وہ تصورات میں خود کو یورپ اور امریکہ میں گھومتا ہوا دیکھ رہی تھی۔اسے نہیں خبر تھی کہ اس کی ماں آمنہ بیگم کس قسم کے تفکرات میں مبتلا تھیں۔وہ بیٹی کی خواہش اور رشتے والی کے اصرار پر اس رشتے کے لیے راضی تو ہوگئی تھیں۔مگر اب کچھ حقیقتیں ہولناک شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آرہی تھیں۔

پہلی فکر تو بیٹی کی جدائی کی تھی۔ان کی کل کائنات ناعمہ ہی تھی۔اس کی خاطر عین جوانی میں بیوہ ہونے کے باوجود انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔حالانکہ اس وقت ان کی والدہ زندہ تھیں جو ناعمہ کو سنبھال سکتی تھیں۔انہوں نے بے حد اصرار کیا تھا کہ آمنہ دوسری شادی کر لے۔آمنہ بیوہ سہی مگر بہت اچھی شکل وصورت کی تھیں۔رشتے بھی آرہے تھے۔ناعمہ کو نانا نانی اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار تھے۔ان کے پاس پورا موقع تھا کہ وہ زندگی کو ایک دفعہ پھر نئے سرے سے شروع کریں۔گزرتا وقت ان کے جس نشیمن پر بجلیاں گرا کر اسے راکھ بنا چکا ہے،اس راکھ سے وہ ایک نیا گھروندا پھر تعمیر کریں۔

مگر انہوں نے اپنی زندگی اور اپنی خوشیوں پر اپنی بیٹی کو ترجیح دی۔ اسے بے پناہ محبت کے ساتھ پال پوس کر بڑا کیا۔ وقت کیسے گزرا اور کیسے ان کی چھوٹی سی ناعمہ شباب کے دروازے پر آ پہنچی، انہیں معلوم ہی نہیں ہوا۔ اور اب بیٹی کی جدائی کا وہ وقت آن پہنچا تھا جو ہر ماں پر بے حد کٹھن ہوتا ہے۔ مگر ان کے پاس تو ناعمہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ پھر جہاں ناعمہ کی شادی ہو رہی تھی وہ اتنا بڑا گھرانا تھا کہ اس گھر میں بیٹی سے ملنے کے لیے جانے سے پہلے سو دفعہ سوچنا پڑے گا۔ ہونے والا داماد ملک سے باہر پڑھ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیسا ہوگا۔ بیٹی کی محبت میں انہوں نے داماد کے بارے میں زیادہ تحقیق کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بس رشتے والی خاتون کی بات پر بھروسہ کر لیا تھا۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ ان کی بیٹی کو لے کر ملک سے باہر شفٹ ہو جاتا۔ پھر تو وہ برسوں کے لیے اپنی بیٹی کی صورت کو ترس جائیں گی۔

انہیں بے اختیار عبداللہ کا خیال آیا۔ اگر یہ شادی اس سے ہو رہی ہوتی تو ایک فکر بھی انہیں دامن گیر نہیں ہوتی۔ وہ اب اس سے اتنی مانوس ہو چکی تھیں کہ وہ انہیں اپنے بچوں جیسا لگنے لگا تھا۔ پھر اس کا تو کوئی تھا بھی نہیں۔

''اسے تو میں اپنے گھر میں ہی رکھ لیتی۔ میری بیٹی ہمیشہ میرے پاس ہی رہتی۔''

پچھتاووں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان سے دامن چھڑانے کے لیے وہ شادی کی تیاریوں کے بارے میں سوچنے لگیں تو تفکرات نے انہیں آ گھیرا۔

ناعمہ کے سسرال والوں کے رنگ ڈھنگ سے انہیں کافی پریشانی تھی۔ وہ شہر کے سب سے بڑے کلب میں دو ہزار لوگوں کو بلا کر ولیمہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جواب میں انہیں کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں پانچ سو لوگوں کو بھی بلانا پڑ گیا تو شادی کی بیشتر رقم اسی میں خرچ ہو جائے گی۔ وہ جتنا بھی جہیز اور زیور بنا لیتے، ان لوگوں کے مقابلے میں وہ بہت کم اور معمولی ہی نظر آتا۔ زیور

سے انہیں کچھ یاد آیا تو برابر لیٹی ہوئی ناعمہ سے انہوں نے سوال کیا:

''بیٹا وہ تمھارے پاس ایک بڑا وزنی سونے کا لاکٹ اور چین تھی۔ وہ کہاں ہے؟''

ناعمہ اس وقت تصورات کی دنیا میں نیاگرا فالز کی سیر کر رہی تھی۔ اس اچانک سوال سے اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اسے آبشار کے کنارے سے نیچے دھکا دے دیا ہے۔ کچھ دیر تک تو اس کی سمجھ نہیں آیا کہ اس کا کیا جواب دے۔ وہ سچ بتاتی تو والدہ سے بہت زیادہ ڈانٹ پڑتی۔ خیر ماں کو تو کسی طرح وہ منا ہی لیتی کہ لاڈلی بیٹی تھی، مگر یہ نہیں چاہتی تھی کہ ایک اچھے کام کو کسی کے علم میں لائے۔ مگر اب تو کچھ نہ کچھ بتانا تھا۔

اس نے کچھ جواب نہیں دیا تو آمنہ بیگم مزید گویا ہوئیں:

''میں سوچ رہی تھی کہ اتنا بھاری لاکٹ اور چین ہے۔ کیوں نہ اس کی جگہ ایک سیٹ بنوالیا جائے۔ سیٹ کا نام بڑا ہوتا ہے۔ چین لاکٹ تو کسی گنتی میں نہیں آتے۔''

ان کی یہ بات سن کر ناعمہ کو ایک بات بنانے کا موقع مل گیا۔ اس نے ماں سے لپٹتے ہوئے کہا:

''امی وہ لاکٹ تو مجھے اتنا پسند ہے کہ کچھ حد نہیں۔ میں کسی قیمت پر اسے نہیں دوں گی۔ میں اسے اپنے ساتھ ایسے ہی لے جاؤں گی۔ آپ کچھ اور کر لیجیے۔''

یہ کہہ کر ناعمہ کی تو جان چھوٹ گئی مگر بیٹی کے جواب سے آمنہ بیگم کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ اسی پریشانی کے عالم میں نجانے کب ان کی آنکھ لگ گئی۔ ناعمہ بھی زیادہ دیر تک نہ جاگ سکی۔

....

ایک دفعہ پھر ناعمہ اسی میدان میں کھڑی تھی۔ بغیر کسی خوف اور پریشانی کے وہ ہر جگہ اڑتی پھر رہی تھی۔ یہ حسین مناظر اس کی طبیعت میں اتنا سرور اور نشاط بھر رہے تھے کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وقت تھم جائے اور ہمیشہ وہ یونہی اڑتی رہے۔ اچانک اس کے اڑنے کی صلاحیت ختم ہوگئی

اور وہ زمین پر آ کر ٹھہر گئی۔

ایک دفعہ پھر وہی ہیولہ اس کے سامنے تھا۔اس دفعہ ناعمہ کے دل میں اسے دیکھ کر کوئی خوف نہیں آیا۔ بلکہ ایک تجسس تھا۔اس نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

''تمھیں اس سوال کا جواب جلد مل جائے گا...... یہ بتاؤ کیا تم سچائی جاننا چاہتی ہو؟''

''مگر مجھے تو سچائی معلوم ہے؟''

''تمھیں کچھ نہیں معلوم۔تم دھوکے میں جی رہی ہو۔تمھیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ لوگوں کو کس چیز سے بچانا چاہیے۔''

''میں سمجھی نہیں اس بات کا کیا مطلب ہے۔''

''تم نے کائنات کے مالک کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں تو ایک ہی کو بچا سکی۔ ہو سکے تو باقی لوگوں کو تو بچا لے۔''

''ہاں کہا تھا۔''

''تو پھر سن لو جس بچے کو تم نے بچانا چاہا تھا اسے دو دن بعد موت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔اگر بچانا ہے تو لوگوں کو اس بات سے بچاؤ کہ وہ اللہ کے حضور اس حال میں پیش ہوں کہ وہ بےلباس ہوں۔کیونکہ جہنم کی آگ ایسے لوگوں کا لباس بن جائے گی۔''

یہ سنتے ہی ناعمہ کی نظر اپنی طرف لوٹی اور یہ دیکھ کر وہ لرز اٹھی کہ ایک دفعہ پھر وہ بےلباس ہے۔ اس کے ساتھ ہی ناعمہ کی آنکھ کھل گئی۔ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سوئی ہی نہیں ہے۔اس نے جو کچھ دیکھا ہے جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا ہے۔اسے نہ نیند آ رہی تھی نہ یہ سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ ایسے بے تکے خواب کیوں دیکھ رہی ہے۔کافی دیر وہ اسی ادھیڑ بن میں مصروف لیٹی رہی۔اچانک مسجد

سے فجر کی اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ناعمہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھی۔ واش روم جا کر وضو کیا اور نہ جانے کتنے عرصے بعد فجر کی نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی۔

....

ناعمہ کالج میں سارا دن کھوئی کھوئی رہی۔ وہ اس خواب کے مسئلے کو حل نہیں کر پا رہی تھی۔ آخر کار اس نے پھر نفسیات کے علم سے مدد لینے کا فیصلہ کیا۔ لائبریری جا کر اس نے کئی اور کتابوں کے علاوہ سگمنڈ فرائڈ کی کتاب The Interpretation of Dreams نکال کر پڑھنا شروع کی۔ یہاں اس کے سارے سوالوں کا جواب تھا۔ خواب کیوں آتے ہیں، ان کا مطلب کیا ہوتا ہے، ان کو کیسے سمجھا جاتا ہے۔ جواب بالکل واضح تھے۔ یہ دبی ہوئی خواہشوں، لاشعور میں پوشیدہ اندیشوں، غصہ اور نفرت کے افکار و خیالات، بھولی ہوئی یادوں، روزمرہ پیش آنے والے واقعات جن کو ہم شعور سے تحت الشعور اور تحت الشعور سے لاشعور کے خانے میں ڈال دیتے ہیں، ان سب کی مشترکہ پیداوار ہوتے ہیں۔ خواب کا ظاہری پہلو اہم نہیں ہوتا بلکہ خواب کا ظاہر کچھ اور حقائق کا ایک علامتی اظہار ہوتا ہے۔ خواب کا مطلب سمجھنے کے لیے خواب کے ظاہری پہلو کے بجائے یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ کن حقائق یا خیالات کو علامتی طور پر بیان کر رہے ہیں۔ اس کے لیے حقائق کی تلاش اپنی زندگی کے واقعات، مشاہدات، جذبات اور ماضی و حال میں تلاش کرنا چاہیے۔

علم نفسیات اور خاص کر فرائڈ کو پڑھنے کے بعد اس پر ساری بات بالکل واضح ہوگئی۔ یہ خواب مذہب اور اہل مذہب سے اس کی نفرت، معاشرے کی طرف سے خدا اور مذہب کا ڈراوا، مادی ترقی اور زندگی کی تعیّشات کی اس خواہش، سچائی کی تلاش میں اس کا سفر، اس کی شادی کے بعد نئی زندگی جو آزادی اور تفریح سے آراستہ تھی ان سب کا مجموعہ تھا۔ یہ لاکٹ اور اس عورت کی مدد والی بات تو وہ بہرحال واقعات تھے جو پیش آئے۔ ان سب چیزوں کو جوڑ کر اس کا دماغ

مطمئن ہوگیا۔اس نے ایک گہرا سانس لیا اور ٹیبل پر سر رکھ کر ریلکس ہونے لگی۔اس کا سارا بوجھ اتر چکا تھا۔اس نے ہر چیز کو سمجھ لیا تھا۔اب کوئی فکر اور تردد اسے دامن گیر نہیں تھا۔

وہ اسی اطمینان کی کیفیت میں تھی کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک دھماکہ ہوا۔خواب کے اس پورے مجموعے میں وہ ایک چیز کو بالکل نظر انداز کرگئی تھی۔جس کی حیثیت ایک اطلاع کی تھی۔وہ یہ کہ جس بچے کو اس نے بچانا چاہا تھا وہ دو دن بعد اللہ کو پیارا ہوگیا تھا۔

تھوڑی دیر تک تو وہ اس بات کو ذہن سے جھٹکنے اور اہمیت نہ دینے پر مصر رہی۔پھر اسے یاد آیا کہ اس عورت اور بچے کی مدد کرنے کے اگلے دن جب اس کے نانا کی چھٹی ہوئی تھی تو وہ انتظامیہ کے آفس گئی تھی۔وہاں وہی شخص موجود تھا جس سے اس نے بچے کے متعلق بات کی تھی۔اس نے ناعمہ کے پوچھنے پر بتایا تھا کہ اس بچے کا آپریشن کامیاب ہوچکا ہے۔یہ اس بات کی کافی دلیل تھی کہ خواب میں اس کے برعکس جو بات کہی گئی تھی ناعمہ اسے ذہن کی ایک کارستانی سمجھ کر بھول جائے۔ناعمہ خود بھی اس بات کو نظر انداز کرنا چاہتی تھی مگر وہ ہیولہ ناعمہ کے سر پر پھر سوار ہوگیا۔اس سے نجات پانے کا ایک ہی طریقہ تھا......اس بات کی تردید ہوجائے۔

''اچھا ہے دل کا یہ شک بھی دور ہوجائے تاکہ آئندہ وہ اس طرح کی باتوں اور خوابوں کو بالکل اہمیت نہ دے۔''

ناعمہ نے دل میں سوچا۔پھر وہ لائبریری سے اٹھی اور سیدھی اسی ہسپتال جا پہنچی جہاں اس کے نانا ایڈمٹ تھے۔وہ انتظامیہ کے دفتر تک آئی۔اس وقت وہاں کوئی اجنبی شخص ڈیوٹی پر تھا۔وہ شخص نہیں تھا جس سے اس نے بات کی تھی۔لیکن اس نے اپنا مسئلہ اس آدمی کو بتایا کہ اس تاریخ کو ایک بچے کا آپریشن ہوا تھا۔اس کا کیا ہوا۔انتظامی دفتر کے کارکن نے اسے ریکارڈ آفس جانے کا کہا جہاں مریضوں کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔

تھوڑی دیر میں وہ ریکارڈ روم میں کھڑی تھی۔ اسے نہ اس عورت کا نام معلوم تھا نہ اس بچے کا۔ صرف تاریخ، آپریشن اور رقم جو اس نے جمع کرائی تھی یاد تھی۔ یہ ایک مشکل کام تھا مگر اپنی خوبصورت شخصیت کی بنا پر اسے یہاں بھی لوگوں سے تعاون لینے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ ایک شخص کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ کر اس کی دی ہوئی تاریخ میں تلاش اور جستجو کرنے لگا۔ اس نے اکاؤنٹس کے دفتر سے بھی مدد لی۔ بات چونکہ بہت زیادہ پرانی نہیں تھی اس لیے تقریباً نصف گھنٹے ہی میں معاملہ واضح ہو گیا۔ جس تاریخ میں ناعمہ نے پیسے جمع کرائے تھے اُس تاریخ اور رقم کی مدد سے بچے کو ڈھونڈ لیا گیا۔ اسی روز اس بچے کا آپریشن ہوا تھا۔ آپریشن کامیاب رہا تھا۔ اس بچے کی طبیعت بہتر ہو رہی تھی۔ مگر دو دن بعد اس بچے کی طبیعت اچانک بگڑی اور اس کا انتقال ہو گیا۔

....

ناعمہ نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ وہ ہسپتال سے سیدھی گھر آئی تھی اور خاموشی سے کمرے میں جا کر لیٹ گئی تھی۔ ماں نے کھانے کا کہا تو کہہ دیا کہ کالج میں دوستوں کے ساتھ کھا لیا تھا۔ وہ خاموش لیٹی صرف ایک بات سوچ رہی تھی۔ تحلیل نفسی اور خواب کی تعبیر کے نفسیاتی علم سے سب کچھ تو معلوم ہو گیا تھا۔ مگر یہ جواب کہیں موجود نہیں تھا کہ جو واقعہ خارج میں پیش آیا، جس کا ناعمہ کو کوئی علم نہیں تھا، وہ ٹھیک ٹھیک دنوں کے تعین کے ساتھ ناعمہ کو خواب میں کیسے معلوم ہو گیا۔ اس ہیولے نے یہ کیسے بتا دیا کہ جس بچے کو اس نے بچانا چاہا تھا، جس کی خاطر اس نے اپنی محبوب ترین متاع کو بیچ دیا تھا، وہ ٹھیک دو دن بعد مر گیا۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ سوال ہتھوڑا بن کر بار بار اس کے دماغ پر ضرب لگا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ نفسیات کے جس علم پر اسے یہ بھروسہ تھا کہ وہ انسان کا تجزیہ کر کے اس کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہے، جس فلسفے پر اسے اعتماد تھا کہ وہ کائنات کی ہر گتھی سلجھا سکتا ہے، وہ سارے علم ناقابل بھروسہ اور نامکمل تھے۔ حقیقت اور سچائی

کہیں اور تھی۔ کسی برتر جگہ پر۔

سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں پہلے خواب کے بعد پیش آنے والے واقعات گھومنے لگے۔ لباس تقویٰ کا جو مطلب عبداللہ بتا رہا تھا، اس سے اسے اپنی برہنگی کا مطلب سمجھ میں آنے لگا۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس کے جو دلائل عبداللہ نے دیے تھے اور جنہیں اس نے صرف اس وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا کہ یہ سب کچھ دشمن جاں عبداللہ کہہ رہا تھا، اب اس کی بنائی ہوئی فصیلوں کو توڑ کر اس کے دل و دماغ کی سلطنت میں اپنی جگہ بنانے لگے۔ عبداللہ کی بات اس کے کانوں میں گونجنے لگی کہ رسول وہ باتیں بتا سکتے ہیں جو ابھی پیش ہی نہیں آئیں۔ جیسا وہ کہتے ہیں ٹھیک ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ اتنے اعتماد سے مستقبل کی خبریں اور ماضی کے واقعات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے بیان کیے جا سکتے ہیں۔

عبداللہ نے کوئی فلسفیانہ نکتہ نہیں اٹھایا تھا۔ صرف حقائق تھے۔ وہ حقائق جنہیں جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ جیسے کہ یہ ایک حقیقت تھی کہ جس بچے کو اس نے بچانا چاہا، وہ دو دن بعد مر گیا تھا۔ یہ بات اسے کسی طور معلوم نہیں تھی، مگر خواب میں وقت کے بالکل درست تعین کے ساتھ اسے یہ بات معلوم ہوگئی۔ یہ کیسے ممکن ہوا، اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

....

ناعمہ کے سارے گھروندے ٹوٹ چکے تھے۔ مذہب کا دامن پہلے ہی ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔ فلسفے اور نفسیات کی مشکل کشائی آج مشکوک ہو چکی تھی۔ اگر کوئی اس سے خدا کے وجود کے حوالے سے بحث و مباحثہ کرتا تو وہ شاید کبھی اتنے جلدی ناعمہ میں وہ تبدیلی نہیں لا سکتا تھا جو اب آ رہی تھی۔ مگر حقیقت یہ تھی کہ ناعمہ کی ذہنی ساخت اور نفسیاتی شخصیت پر حملہ باہر سے نہیں اندر سے ہوا تھا۔ یہ ضرب اس قدر شدید تھی کہ اس نے ناعمہ کے ہر دفاعی مورچے کو مسمار کر دیا تھا۔
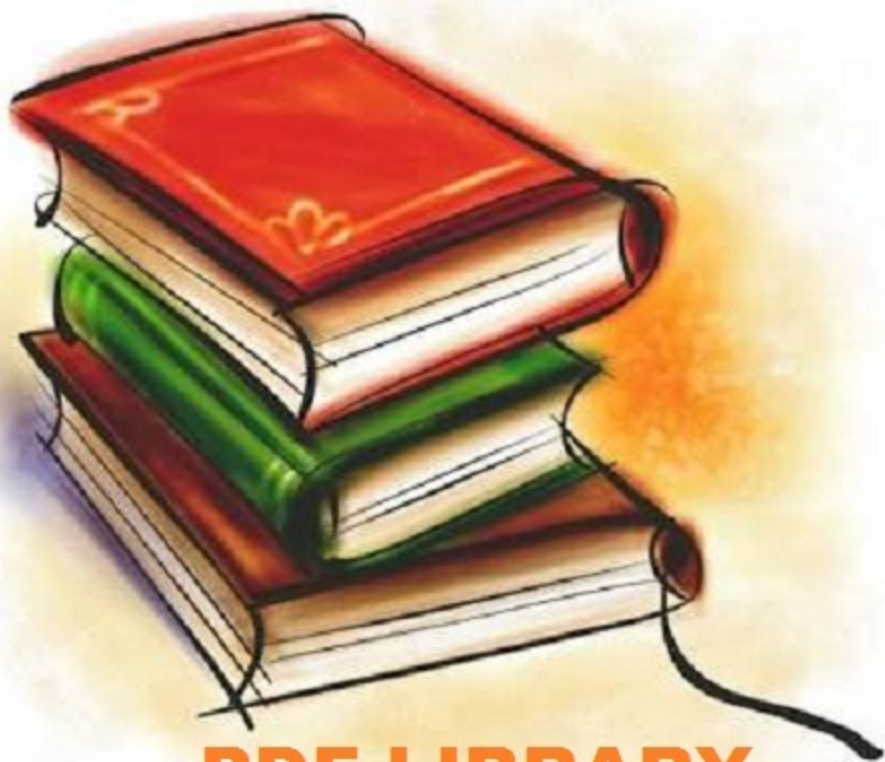
اس کی پرانی شخصیت ایک دھماکے کے ساتھ فنا ہو چکی تھی۔

وہ جس تجربے سے حال ہی میں گزری تھی وہ بظاہر ایک خواب تھا۔ وہ چاہتی تو با آسانی اس خواب کو نظر انداز کر دیتی۔ مگر وہ بے حس نہیں تھی کہ ذہن کی گرہوں اور الجھنوں کو فراموش کر کے جانوروں کی زندگی گزارنا شروع کر دے۔ وہ سوچتی تھی، سوال اٹھاتی تھی اور جواب تلاش کیا کرتی تھی۔ مگر اب صرف سوالات رہ گئے تھے۔ جواب کہیں نہیں تھے، نہ انہیں جاننے کا کوئی ذریعہ بچا تھا۔ اس نے دوبارہ خواب کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ وہ خواب اسے اول تا آخر پورا یاد تھا۔ وہ اس کے ایک ایک جز کو دہرانے لگی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا خواب ایک خواب نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ کیا گیا ایک مکالمہ تھا۔ اسے دیا گیا ایک واضح پیغام تھا۔ اس وقت اسے یاد آیا کہ اس ہیولے نے گفتگو کا آغاز اس بات سے کیا تھا کہ کیا وہ سچائی جاننا چاہتی ہے۔ ایک لمحے میں ناعمہ کے ذہن میں بجلی کی طرح ایک خیال کوندا۔ اگر یہ سب خدا کی طرف سے ہے تو اب اس مکالمے میں اگلی بات میں کروں گی۔ اگر کوئی خدا ہے تو مجھے جواب ضرور ملے گا۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

''ہاں میں سچائی جاننا چاہتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور وضو کیا اور ظہر کی نماز پڑھنے لگی۔ وہ جیسے ہی سجدے میں گئی اس کا دل بھر آیا۔ وہ روتے ہوئے کہنے لگی:

''پروردگار میں تجھے نہیں مانتی تھی۔ اس لیے کہ میرے بہت سے سوالوں کا جواب کہیں نہیں ہے۔ اس دنیا میں اتنا ظلم کیوں ہے۔ یہاں عدل اور انصاف کیوں نہیں۔ اگر یہاں اندھے مادے کی حکومت نہیں اور تیرا حکم چلتا ہے تو پھر اتنی ناانصافی کیوں ہے۔ لوگ کیوں مرتے ہیں کیوں پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ محروم کیوں رہ جاتے ہیں، کچھ لوگوں کو بلا سبب اتنی نعمتیں کیوں

مل جاتی ہیں۔تو ہے تو سچائی لوگوں کو کیوں نہیں بتاتا۔ کیوں تو نے فلسفیوں اور مذہبی لوگوں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ جو چاہیں کھڑے ہو کر تیرے نام پر کہہ دیں۔تو خود کہاں ہے۔ تیری سچی رہنمائی کہاں ہے؟

پروردگار میں اپنے دل سے ہر تعصب اور ہر نفرت ختم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رسول ہیں۔ مجھے ان کی رسالت کا یقین اس شخص نے دلایا ہے جس سے مجھے نفرت ہے۔مگر وہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے۔ میں اس کی نفرت کے باوجود یہ اقرار کرتی ہوں کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔مگر ابھی پورا سچ مجھے معلوم نہیں ہوا۔ میں اس خدا پر کیسے اعتماد کروں جو ظلم پر خاموش رہتا ہے۔ میں اس خدا سے کیسے محبت کرلوں جو محرومیوں کو جنم دیتا ہے۔ میں اس خدا پر کیسے یقین کروں جو سچ کھول کر نہیں بتاتا۔‘‘

ناعمہ بہت دیر تک روتی رہی اور سجدے میں مسلسل یہ دعا کرتی رہی۔

....

چوتھا باب

والعصر

ایک ہفتہ اور گزر گیا۔ عبداللہ نے اب اسماعیل صاحب کے گھر آنا چھوڑ دیا تھا۔ ناعمہ کو اس کے ہونے نہ ہونے میں کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ اس کی شادی کے دن اب بہت قریب آ چکے تھے۔ گھر والوں کا اصرار تھا کہ ناعمہ اب کالج جانا چھوڑ دے، مگر اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھنا چاہتی ہے۔ اس لیے جب تک ممکن ہوا وہ کالج جائے گی۔ اس میں ایک بہت بڑی تبدیلی آ چکی تھی۔ جسے ہر شخص نے محسوس کر لیا تھا۔ وہ اب پانچ وقت نماز با قاعدہ پڑھنے لگی تھی۔ اس تبدیلی پر اس کے نانا ابو اور امی دونوں بہت خوش تھے۔ فاریہ بھی بہت مطمئن تھی۔ تاہم اسے یہ بات عجیب لگی کہ اب ناعمہ اپنی شادی اور مستقبل کے حوالے سے بہت زیادہ پر جوش نہیں رہی تھی۔ لڑکیاں شادی قریب آنے پر زیادہ خوشی محسوس کرتی ہیں، مگر ناعمہ کا معاملہ یہ تھا کہ ایک مہیب اداسی نے اس کا احاطہ کر لیا تھا۔

ناعمہ کا مسئلہ کیا تھا، اسے نہ کسی نے پوچھا نہ اس نے کسی کو بتایا۔ سب سمجھ رہے تھے کہ شادی اور آنے والی زندگی کے متوقع اندیشوں نے ناعمہ کو خدا کی طرف راغب کر دیا ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو سب خوش تھے۔ پریشانی اگر کوئی تھی تو شادی کے انتظامات کے وسائل جمع کرنے کی تھی۔ مگر یہ اسماعیل صاحب اور آمنہ بیگم کی پریشانی تھی۔ انھوں نے ناعمہ کو اس مسئلے کی خبر تک نہیں ہونے دی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹی کی خوشیوں میں پریشانی کا کوئی شائبہ بھی آئے۔

....

یہ بات کسی کو نہیں معلوم تھی کہ ناعمہ کا اللہ تعالیٰ سے بہت گہرا اور مضبوط تعلق قائم ہو چکا تھا۔ یہ تعلق اس پانچ وقت نماز سے کہیں زیادہ گہرا تھا جو وہ بظاہر لوگوں کو پڑھتی ہوئی نظر آتی۔ اس کی دن رات ایک ہی دعا تھی کہ سچائی اس پر کھول دی جائے۔

ایک روز عشا کی نماز سے فارغ ہو کر وہ مصلے پر بیٹھی ہوئی دعا کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ان سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ اسی اثنا میں نانا ابو اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔ اسے اس حال میں دیکھ کر وہ ایک دم ٹھٹک سے گئے۔ ان کی نواسی میں اتنی بڑی تبدیلی آ چکی تھی، اس کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔ ان کے لیے تو یہی بہت بڑی بات تھی کہ ان کی نواسی نماز پڑھنے لگی تھی۔ مگر اب وہ اللہ کے سامنے بیٹھ کر رو رہی تھی، یہ چیز ان کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر تک محبت آمیز انداز میں اسے دیکھتے رہے اور پھر واپس لوٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ لوٹے۔ اس دفعہ ان کے ہاتھوں میں قرآن مجید تھا۔

اس دوران میں ناعمہ دعا سے فارغ ہو چکی تھی۔ انہوں نے کمرے میں داخل ہو کر کہا:

''میری بیٹی کیا دعا مانگ رہی تھی؟''

ناعمہ اب انہیں کیا بتاتی کہ وہ کیا دعا مانگ رہی تھی۔ اس کی دعا نہ اپنی ذات کے لیے تھی، نہ اپنے مستقبل کے لیے۔ نہ اپنی شادی کے بارے میں نہ اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں۔ اس کی دعا صرف سچائی اور حقیقت جاننے کے لیے تھی۔ سچ اب اس کے لیے اتنا قیمتی ہو چکا تھا کہ اس کے سامنے ہر دوسری چیز بے وقعت ہو چکی تھی۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بات وہ ان سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے جواب میں مسکرا کر کہا:

''میں اللہ سے وہ مانگ رہی تھی جو میرے لیے اس وقت سب سے زیادہ اہم ہے۔''

ناعمہ کی اس بات کا مطلب نانا ابو وہی سمجھے جو انہیں سمجھنا چاہیے تھا۔ وہ سمجھے ان کی نواسی اپنی شادی اور آنے والی زندگی کے بارے میں دعا مانگ رہی تھی، مگر شرم کے مارے یہ نہیں کہہ سکی بلکہ ایک مبہم سی بات کہہ دی۔ انہوں نے شفقت سے ناعمہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ میری بیٹی کو اپنی بہترین رحمتوں سے نوازیں گے۔ تمھاری شادی شدہ زندگی اتنی خوشگوار ہوگی کہ تم اپنے آپ کو دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی سمجھو گی۔''

ناعمہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، مگر بغور ان کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے قرآن مجید کو دیکھنے لگی۔ نانا ابو اس کا مدعا سمجھ کر بولے:

''بیٹا دنیا میں بیٹیوں کو قرآن کے سائے میں رخصت کیا جاتا ہے۔ ان کے جہیز میں قرآن مجید دیا تو جاتا ہے، مگر لڑکیوں کو ساری زندگی توفیق نہیں ہوتی کہ وہ قرآن مجید سمجھ کر پڑھیں۔ مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ اب تم اللہ کی طرف متوجہ ہوگئی ہو تو اس کتاب کو اپنی زندگی بنالو۔ اس میں تمھارے ہر سوال کا جواب اور مکمل رہنمائی ہے۔''

''کیا واقعی اس میں میرے ہر سوال کا جواب ہے۔''

ناعمہ نے تعجب سے کہا:

''ہاں بیٹا! نہ صرف تمھارے سوالات کا جواب ہے بلکہ بہترین نصیحت بھی ہے۔ آؤ ادھر میرے ساتھ بیٹھو۔''

نانا ابو نے اس کی مسہری پر بیٹھتے ہوئے قرآن مجید کھول کر کہا۔ ناعمہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ نانا ابو نے کچھ ورق گردانی کے بعد سورۃ العصر نکالی اور بولے:

''میں یہ چاہتا ہوں کہ آج قرآن کریم کی ایک انتہائی چھوٹی سورت تمھیں ترجمے کے ساتھ پڑھا دوں۔ اس میں پورے قرآن مجید کی تعلیم کا خلاصہ ہے۔''

''یہ کون سی سورت ہے نانا ابو۔''

''اس سورت کا نام سورۃ العصر ہے۔''

یہ کہہ کر پہلے انہوں نے سورۃ العصر کی تلاوت کی پھر اس کا ترجمہ پڑھ کر ناعمہ کو سنانے لگے:

''زمانے کی قسم، بے شک انسان خسارے میں ہے۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

ناعمہ میں گرچہ تبدیلی آئی تھی، مگر ناعمہ پھر ناعمہ تھی۔ یعنی فلسفی ناعمہ۔ یہ ترجمہ سن کر اس کے چہرے پر سوالیہ نشان ظاہر ہوا۔ مگر اس نے کچھ کہنے کے بجائے نانا ابو کے ہاتھ سے قرآن اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ناعمہ نے دو تین دفعہ یہ ترجمہ پڑھا۔ بجائے اس کے کہ اسے کسی قسم کی ہدایت اور رہنمائی ملتی، اس کا ذہن پھر سوالات کی آماجگاہ بن گیا۔ اس نے نانا ابو سے کہا:

''نانا ابو زمانے کی قسم کا مطلب کیا ہے۔''

نانا ابو نے اپنے مطالعے کی روشنی میں جواب دینا شروع کیا۔

''بیٹا زمانے سے مراد ماضی کا زمانہ بھی ہے اور حال کا بھی۔ یہ زمانہ وہ چیز ہے جس میں ہم سب انسان جیتے ہیں۔ یہ ہمارا سرمایہ ہے۔ یہ ہر لمحہ برف کی مانند گھل رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس سرمائے کو نیکی میں استعمال کریں، تبھی ہم کامیاب ہوں گے۔ اور اگر ہم نے اس سرمائے کو ایمان، عمل صالح، اچھی باتوں، دوسروں کو تلقین اور صبر کی نصیحت میں استعمال نہیں کیا تو ہم خسارے میں رہیں گے۔''

''مگر نانا ابو زمانہ ماضی کا ہو یا حال کا۔ ہماری زندگی کا ہو یا دوسروں کی زندگی کا۔ اس کا سبق تو کچھ اور ہے۔ میرا مطالعہ تو یہ بتاتا ہے کہ خسارے میں ہمیشہ کمزور رہتے ہیں۔ غریب رہتے ہیں۔ معاشرے کے محروم اور پست طبقات رہتے ہیں۔ اچھے لوگ تو ہر حال میں پریشان رہتے

ہیں۔انہیں اپنی ایمانداری کی بڑی بھاری قیمت دینی پڑتی ہے۔‘‘

ناعمہ کی تقریر اب شروع ہو چکی تھی اور اتنی آسانی سے رکنے والی نہیں تھی۔

’’آپ کسی اور کو چھوڑیے اور اپنے آپ کو دیکھیے۔آپ کتنے نیک ہیں اور امی کتنی اچھی ہیں۔ مگر زمانے نے آپ کو غم والم اور محرومیوں کے سوا کیا دیا ہے۔تنگی اور پریشانی اور محرومی میں ساری زندگی گزری۔اور مجھے دیکھیے میں نہ نماز پڑھتی تھی اور نہ نیکی کے کام کرتی تھی۔میں تو ایمان بھی نہیں رکھتی تھی،لیکن صرف اس وجہ سے کہ میں بہت خوبصورت ہوں دیکھیے میرے لیے دولت اور بڑے خاندان کے دروازے کس طرح کھل گئے۔یہ ہر گھر،ہر دور اور ہر زمانے کی کہانی ہے۔ دنیا کی تاریخ کو پڑھ لیں۔ ہلاکو، چنگیز، تیمور،سکندر اور آج مغربی اقوام ایمان،عمل صالح اور دیگر اسلامی مطالبات میں ان کا کردار کیا ہے۔مگر آپ دیکھیے ان کو اپنے زمانوں میں کیسے عروج ملا۔فرد ہو یا قوم ماضی ہو یا حال معاف کیجیے گا قرآن مجید کی بات مجھے کسی اعتبار سے درست نہیں لگی۔‘‘

نانا ابو کا چہرہ فق ہو گیا۔ناعمہ کے پے در پے سوالات، دلائل اور مشاہدات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔مگر ظاہر ہے انہیں ناعمہ کو مطمئن کرنا تھا۔وہ بولے:

’’دیکھو بیٹا میں اور تمھاری امی بہت اچھی زندگی گزار رہے ہیں۔‘‘

’’ابو میری ماں جوانی میں بیوہ ہو گئی۔ساری زندگی تنہائی کی صلیب پر گزار دی۔میرے نانا کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ایک بیٹی تھی جو بیوگی کا داغ لیے گھر لوٹ آئی۔ایک انتہائی نیک شخص کو ساری زندگی بیٹی اور پھر نواسی کا بوجھ اٹھانا پڑا۔نانا ابو یہ اگر کامیابی ہے تو معاف کیجیے گا کوئی شخص اس دنیا میں کامیابی کا خواہشمند نہیں ہو گا۔‘‘

’’مگر میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔‘‘

’’معاف کیجیے گا نانا ابو اپنی بدحالی پر یہی وہ اطمینان ہے جسے دیکھ کر جدید دانشور مذہب کو

افیون قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ قرآن یہاں اطمینان کی نہیں بلکہ خسارے اور ناکامی کی بات کر رہا ہے۔ فلاح اور کامیابی کی بات کر رہا ہے۔ رہا اطمینان کا سوال تو ہوسکتا ہے ایک بدھ بھکشو، ہندو جوگی، اور عیسائی راہب کو بھی اپنے عقیدے پر اتنا ہی اطمینان ہو۔ اس اطمینان کی علم وعقل کی دنیا میں کوئی حیثیت نہیں۔''

نانا ابو اب بڑی حد تک ناعمہ کا اعتراض سمجھ چکے تھے۔ یہ اعتراض بالکل علمی اور عقلی تھا۔ اس لیے اب انہوں نے فلاح وخسران کو بنیاد بناتے ہوئے ہی جواب دیا:

''مگر بیٹا انہیں جنت نہیں مل سکتی۔ یہاں اصل میں جنت کی کامیابی اور جہنم کے خسارے کا ذکر ہے۔ ایمان والے دنیا میں اطمینان سے رہتے ہیں اور آخرت میں جنت الفردوس کی کامیابی اور اس کی نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ ان کاموں کو نہ کرنے والے جہنم کے خسارے اور عذاب کا شکار ہوں گے۔''

''نانا ابو! آپ کی یہ بات اس پہلو سے ٹھیک ہے، مگر اس میں مسئلہ یہ ہے کہ زمانہ کو اس بات کی گواہی میں پیش کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے کہ ماضی اور حال کے زمانے کا سبق اس سے بالکل مختلف ہے۔ زمانہ تو عام طور پر صالحین کے خلاف کھڑا ہوتا ہے۔ ہاں زمانے کی قسم کے بغیر یہ بات بطور ایک دعویٰ کے ٹھیک ہے۔ مگر اس دعوے پر میرا اعتراض یہ ہے کہ جنت اور جہنم کی بات بہرحال ایک مستقبل کی بات ہے۔ یہ سردست ایک دعویٰ ہے۔ یہ دعویٰ کسی ایسے مسلمان کو مطمئن کر دے گا جو پہلے سے جنت وجہنم پر ایمان رکھتا ہو، مگر ایک غیر مسلم کے لیے خاص کر اگر وہ جدید نظریات، فلسفے اور علم الکلام سے واقف ہے تو اسے بالکل مطمئن نہیں کر سکتا۔

آج کا ذہن دعویٰ کو نہیں مانتا اسے ثبوت چاہیے اور معاف کیجیے گا یہاں زمانے کی گواہی اور قسم کا جو ثبوت دیا جا رہا ہے وہ تو ایک بالکل برعکس داستان سناتا ہے۔ اگر آپ اپنی زندگی کو کامیابی اور ایک

دولت منداور طاقتور صاحب اقتدار کی زندگی کو خسارے اور ناکامی کے طور پر پیش کریں گے تو ہو سکتا ہے کچھ لوگ آپ کی بات مان لیں، مگر انسانوں کی اکثریت آپ کی بات کو رد کر دے گی۔''

نانا ابو کو اس وقت بڑی شدت سے عبداللہ یاد آیا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس وقت کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے صدا نکلی:

''کاش تمھاری شادی عبداللہ کے ساتھ ہو رہی ہوتی۔ وہ تمھیں تمھارے ہر سوال کا جواب مجھ سے بہتر دے دیتا۔''

یہ اسماعیل صاحب کے دل کی صدا تھی، مگر ان کی زبان پر قفل ہی پڑا رہا۔ ناعمہ کو ان کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کی بحث نے ماحول کو خراب کر دیا ہے۔ وہ ان کا دل رکھنے کے لیے بولی:

''سوری نانا ابو ہو سکتا ہے میں ہی غلط ہوں۔ مگر میں سوچوں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''

اسماعیل صاحب کو بھی عافیت اسی میں لگی کہ سیز فائر کر لیں۔ ان کی نواسی جس حد تک راہ راست پر آ گئی ہے اسی پر مطمئن ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ مزید گفتگو سے ان کی نواسی نماز بھی چھوڑ دے۔ چنانچہ وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔

''بیٹا اب تم آرام کرو۔ انشاءاللہ بعد میں بات کریں گے۔''

....

اسماعیل صاحب کے جانے کے بعد ناعمہ اداسی کے عالم میں خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ اسے دکھ ہو رہا تھا کہ اس نے بلا وجہ ایک ایسی بحث چھیڑ دی جس سے اس کے نانا کو برا محسوس ہوا۔ مگر وہ کیا کرتی۔ یہ اس کے سوالات تھے جن کا اسے کبھی جواب نہیں ملا تھا۔ جیسے جواب نانا ابو نے دیے تھے وہ پہلے بھی بہت سن چکی تھی۔ مگر کبھی ان جوابوں نے اسے مطمئن نہیں کیا تھا۔

اس نے قرآن بھی خود پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نہ کبھی پہلے اس کی سمجھ میں آیا نہ اب آسکا۔ قرآن مجید اور اس کے درمیان ایک بنیادی ذہنی رکاوٹ تھی جو اس کے فلسفیانہ پس منظر سے پیدا ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ قرآن مجید دعوے سے بات شروع کرتا ہے۔ جبکہ ناعمہ کسی ایسی چیز کو علمی حیثیت دینے کے لیے تیار ہی نہیں تھی جو دعوے سے شروع ہو۔ نانا سمیت جن مذہبی لوگوں سے اس کا واسطہ پڑا تھا ان میں سے کبھی کسی نے قرآن کے دلائل کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس نے مذہبی لٹریچر بھی پڑھ رکھا تھا۔ مگر یہ سارا مذہبی لٹریچر اس بات کو ذہن میں رکھ کر لکھا گیا تھا کہ پڑھنے والا پہلے ہی توحید، رسالت اور آخرت کا قائل ہے اور پہلے ہی مان چکا ہے۔ اس لٹریچر کے زیادہ تر لکھنے والوں کو علم ہی نہیں تھا کہ جدید ذہن میں کیا تبدیلی آچکی ہے۔ اس لٹریچر کا زور سمجھانے سے زیادہ منوانے اور دھمکانے پر تھا۔ پھر اس کا بنیادی ماخذ قرآن مجید کا گہرا فہم بھی نہیں تھا۔ صدیاں ہوئی تھیں کہ امت مسلمہ نے قرآن مجید کو اٹھا کر کونے میں رکھ دیا تھا۔ قرآن مجید جس گہرائی میں جا کر گفتگو کرتا ہے، وہ حقائق ابھی گنتی کے چند لوگوں تک محدود تھے۔ رہا باقی لٹریچر تو وہ قرآن کے فکر و فلسفہ سے زیادہ مسلکی اختلافات، فرقہ واریت، سیاسی سوچ، اور فروعی معاملات پر مبنی تھا۔ یہ لٹریچر ناعمہ کے لیے بے کار تھا۔ جو کچھ اس لٹریچر میں تھا وہ قرآن میں نہیں تھا اور جو قرآن میں تھا وہ ناعمہ کے فلسفیانہ ذہن کو قبول نہیں تھا۔

اس معاملے میں واحد استثنا عبداللہ کی گفتگو تھی جو انتہائی مدلل اور دل کو چھو لینے والی تھی۔ بقول عبداللہ کے یہ دلائل قرآن سے ماخوذ تھے، مگر ظاہر ہے وہ عبداللہ کے آگے دست سوال دراز نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کچھ اس کی انا کا مسئلہ بھی تھا اور کچھ عبداللہ کے پس منظر کا بھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ عبداللہ اس کی ماں اور نانا کی محبت میں شریک ہو چکا تھا۔ اس پہلو سے گویا وہ اس کا رقیب بن گیا تھا۔ اپنے رقیب کو وہ راز دان کیسے بناتی۔ اپنے دشمن کے آگے جھکنا اسے بالکل اچھا نہیں لگتا

تھا۔دشمن بھی وہ جسے وہ ٹھکرا چکی تھی۔اسی کے سامنے اب وہ سوالی بن کر کیسے چلی جاتی۔

رات کافی ہو چکی تھی۔ناعمہ کو جلد سونے کی عادت تھی۔وہ سونے لگی تو حسب عادت دانت صاف کیے۔پھر دل میں کیا آیا کہ وضو بھی کرلیا۔بستر پر لیٹنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی۔اسے اس کے سوالوں کا جواب تو نہیں مل رہا تھا مگر نجانے کیوں اسے اب یہ اعتماد ہو رہا تھا کہ وہ جو کہتی ہے اللہ تعالیٰ سنتے ضرور ہیں۔اسی سوچ میں غرق وہ نیند کی وادی میں جا پہنچی۔

....

''اٹھو ناعمہ! سونے کا وقت ختم ہو گیا۔بہت نیند لے لی تم نے۔اب جاگنے کا وقت آ گیا ہے۔''

یہ آواز ناعمہ کے کانوں میں تیسری دفعہ آئی۔پہلی دو دفعہ یہ آواز اتنی ہلکی تھی کہ گہری نیند میں وہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ کیا ہو رہا ہے۔تیسری دفعہ آواز اتنی بلند تھی کہ ناعمہ نے خود کو نیند سے بیدار ہوتا ہوا محسوس کیا۔کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت پڑی رہی۔اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نیند میں ہے یا جاگ چکی ہے۔اب کوئی آواز اسے نہیں پکار رہی تھی۔اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں تھی۔اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی اور سناٹے کی دبیز چادر نے اردگرد کے ہر منظر کو اپنے اندر نگل لیا تھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے بس ایک سیاہ آسمان پھیلا ہوا تھا۔دور دور تک نہ کوئی بادل تھا اور نہ چاند کی روشنی کے کوئی آثار۔اگر روشنی تھی تو جگمگاتے ستاروں کی تھی۔یوں لگتا تھا کہ جیسے آسمان کی سیاہ قبا میں جگمگ جگمگ ہیرے جڑے ہوئے ہوں۔ ناعمہ کو یہ منظر بے حد دلکش لگا۔وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اس منظر کو دیکھنے میں مگن ہو گئی۔

وہ کافی دیر تک اسی حالت میں رہی کہ یکایک آسمان پر موجود ایک روشنی میں حرکت شروع ہوئی۔یہ روشنی آہستہ آہستہ ناعمہ کی سمت چلی آ رہی تھی۔کچھ ہی دیر میں ناعمہ کو معلوم ہو گیا کہ یہ روشنی وہی چمکیلا ہیولہ تھا جو ہمیشہ ناعمہ کو نظر آتا تھا۔ ہیولہ ناعمہ کے قریب آ کر فضا میں معلق

تھا۔ کچھ دیر تک ناعمہ اس ہیولے کو دیکھتی رہی۔ وہ شاید اس کی طرف سے کچھ کہے جانے کی منتظر تھی۔ مگر دیر تک جب کوئی صدا نہ آئی تو وہ بولی:

''آپ وہی ہیں نا جس نے کہا تھا کہ کیا تم سچائی جاننا چاہتی ہو۔ آج میں سچائی جاننا چاہتی ہوں۔''

ہیولے سے وہی مانوس سی آواز آئی۔

''مجھے معلوم ہے کہ تمھارے ذہن میں کیا سوال ہیں۔ جواب سے پہلے سوال سن لو۔ تم جاننا چاہتی ہو کہ خدا ظلم پر خاموش کیوں رہتا ہے۔

تم جاننا چاہتی ہو خدا محرومیوں کو جنم کیوں دیتا ہے اور کیوں نیک لوگوں کے ساتھ وہ برا ہونے دیتا ہے اور بروں کے ساتھ بھلائی ہونے دیتا ہے۔

تم جاننا چاہتی ہو کہ خدا سچ کھول کر کیوں نہیں بتاتا۔ کیوں وہ اپنی موجودگی اور سچائی کا ناقابل تردید ثبوت پیش نہیں کرتا۔ یہی تین سوال ہیں نا تمھارے ذہن میں۔''

ناعمہ کو اس لمحے محسوس ہوا کہ اس کی زندگی کی ساری الجھنیں اور اس کی ساری جستجو کو اس ہیولے نے ان تین سوالوں میں سمیٹ دیا تھا۔

''ہاں یہی تین سوال ہیں۔ مگر ان سے پہلے یہ بتائیے کہ آپ کون ہیں؟''

''میں عصر ہوں۔ وقت کا بیٹا۔ خدائے ذوالجلال کی ایک ادنیٰ مخلوق۔ اپنے آقا کا ایک حقیر غلام۔''

یہ بات ناعمہ کے اوپر سے گزر گئی۔ وہ مزید کچھ پوچھنا چاہتی تھی، مگر اب اسے اس ہیولے نما وجود سے کچھ الجھن سی ہونے لگی تھی۔ اسے محسوس ہوا کہ اگر یہ ہیولہ کچھ قابل فہم شکل میں آ جائے تو شاید وہ یکسو ہو کر بات کر سکے۔ اپنی الجھن کا اظہار کرتے ہوئے اس نے پوچھ ہی لیا:

’’آپ کی کوئی شکل نہیں ہے۔ مجھے اس ہیولے جیسے وجود سے الجھن ہورہی ہے۔‘‘

’’میری شکل ہے۔ لیکن تم اسے سمجھ نہیں سکتیں۔ لیکن تمھاری سہولت کے لیے میں ایک انسانی شکل میں تمھارے سامنے آجاتا ہوں۔‘‘

یہ الفاظ ختم ہوئے تو ہیولہ آہستہ آہستہ نیچے آنا شروع ہوا اور اس کے قریب زمین پر آ کر ٹھہر گیا۔ پھر یک بیک یہ ہیولہ ایک انسانی قالب میں ڈھلنا شروع ہوا اور تھوڑی دیر میں ناعمہ کو یوں لگا کہ یونانی داستانوں کا کوئی رومانوی دیوتا انسانی شکل میں مجسم ہوگیا ہو۔ یہ قالب انسان کا تھا، مگر کسی طور بھی یہ کوئی انسانی شکل نہیں تھی......انسان اتنے حسین نہیں ہوسکتے۔ ناعمہ نے اپنی پوری زندگی میں اتنا پرکشش آدمی نہیں دیکھا۔ ناعمہ بے خود ہوکر اسے دیکھے جارہی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی نظر اس کی طرف سے نہیں ہٹا پارہی تھی۔

وہ انسانی وجود یا یونانی دیوتا جو بھی تھا دھیرے سے ناعمہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس لمحے ناعمہ کے اندر کی عورت جاگی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اس شخص کے سامنے بے حجاب زمین پر لیٹی ہوئی ہے۔ وہ بے اختیار اٹھی اور کچھ سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے وجود پر نظر ڈالی۔ یہ دیکھ کر اسے ایک گونہ اطمینان ہوا کہ آج وہ برہنہ نہیں ہے۔ پہلی دفعہ اس کے جسم پر لباس موجود تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر عصر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی اور وہ بولا:

’’گھبراؤ نہیں! میں انسان نہیں ہوں۔ تم نے انسانی شکل چاہی تھی سو میں اس میں آگیا۔‘‘

ناعمہ نے اردگرد دیکھا۔ ہر سو گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس نے دریافت کیا:

’’میں کہاں ہوں؟‘‘

’’تم انسانوں کی دنیا سے خدا کی دنیا میں بلالی گئی ہو۔ دنیا والوں کے لیے تم اس وقت سورہی ہو۔ لیکن تمھارے اندر کے وجود کو جگا کر میں اس دنیا میں لے آیا ہوں۔‘‘

وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا:

''تا کہ تمھارے سوالوں کا جواب دیا جا سکے۔''

''کیا میں اللہ تعالیٰ سے مل سکوں گی۔''

ناعمہ نے سوال کیا تو عصر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ ادب کے ساتھ گردن جھکا کر بولا:

''ناعمہ اس کائنات میں اربوں کھربوں فرشتے رکوع اور سجدے میں گرے ہوئے اس کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے اس بات کے منتظر ہیں کہ خالق کائنات کے حضور پیش ہونے کی سعادت مل جائے۔ ارب ہا ارب سال گزر جاتے ہیں، مگر انھیں موقع نہیں ملتا۔''

پھر اس نے گردن اٹھائی اور ناعمہ کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا:

''تم انسان دنیا کی خوش نصیب ترین مخلوق ہو جنھیں یہ موقع ملا ہے کہ تم عنقریب مالک کائنات کا دیدار کر سکو گے۔ مگر......''

مگر کے بعد اس نے لمحہ بھر کو توقف کیا اور ایک تلخ حقیقت کے بیان کے ساتھ اپنی بات پوری کر دی:

''تم انسان بہت بدنصیب ہو۔ تمھاری اکثریت نے یہ موقع ہمیشہ کے لیے ضائع کر دیا۔''

''مگر اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمارے ساتھ تو خود بہت ظلم ہوتا ہے۔ یہاں کوئی راستہ بتانے والا نہیں۔ گمراہ کرنے والے لوگ بہت ہیں۔''

''غلط کہا تم نے۔ ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ یہاں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی انسان دیانت داری کے ساتھ سچائی تلاش کرے اور اسے نہ پا سکے۔ مگر تم انسان اپنے تعصّبات، خواہشات اور جذبات سے اوپر نہیں اٹھتے۔ اس لیے ہدایت سے محروم رہ جاتے ہو۔''

’’ہدایت کیا ہوتی ہے، یہاں تو ہر شخص اور ہر گروہ کی اپنی سچائی ہے۔ ہم کس کی بات مانیں اور کس کی بات نہ مانیں؟‘‘

ناعمہ نے اپنے اور اپنے جیسے اور بہت سے دیگر لوگوں کا المیہ ایک سوال کی شکل میں سامنے رکھ دیا۔

’’ہدایت خدا کی نظر نہ آنے والی ذات کو عقل کی آنکھوں سے دریافت کر لینے کا نام ہے۔ یہ کائنات میں پھیلے آثار کی بنیاد پر اس کی اعلیٰ صفات کو دریافت کر لینے کا نام ہے۔ یہ اس کی عظمت اور محبت کے احساس میں جینے کا نام ہے۔ یہی وہ سچائی ہے جس پر کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے۔ یہاں ہر چیز اپنے مالک کے وجود، رحمت، ربوبیت اور عنایات کی گواہ ہے۔ مالک نے کائنات کی ہر شے کو تم انسانوں کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ مگر تم کبھی بھولے سے بھی نہیں سوچتے کہ ہر لمحہ تم کس کی عنایتوں میں جیتے ہو۔ وہ اگر ہوا بند کر دے تو تم ایک لمحہ میں مر جاؤ گے۔ وہ پانی بند کر دے تو پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔ سورج، سمندر، بادل، دریا، فضا غرض آسمان وزمین کی ہر شے تمھاری خدمت کرتی ہے۔ تمھارے ہاتھ پاؤں، اعضا و قویٰ، دیکھنے اور سننے کی صلاحیت سب اس کی عطا ہے۔ تمھیں کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ دل سے اس کا شکر کرو۔ اس سے محبت کرو۔ اس کی عظمت کے احساس میں جیو۔‘‘

ناعمہ کا سر اعتراف میں جھک گیا۔ عصر بولتا رہا:

’’ناعمہ تمھیں غربت کا بہت شکوہ ہے۔ ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جن کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ ہاتھ نہیں ہوتے۔ پاؤں نہیں ہوتے۔‘‘

مگر ایسے لوگوں کا پیدا کرنا بھی تو ظلم ہے۔

ناعمہ کے اندر کی فلسفی نے کہا جو اس وقت بھی بیدار تھی۔

”یہ ظلم کا اندھیرا نہیں ہدایت کی روشنی ہے۔اندھے اس لیے پیدا کیے جاتے ہیں کہ تمھارے جیسے عقل کے اندھوں کو حقیقت نظر آنے لگے۔گونگے، بہرے، لنگڑے، لولے اس لیے پیدا کیے جاتے ہیں کہ بے حس اور خدائی نعمتوں سے بے پروا لوگ ان محروم لوگوں کو دیکھ کر اپنی نعمتوں کو دریافت کریں۔مگر تم انسان نہ خدا کے احسانوں کو دیکھ پاتے ہو نہ اپنی نعمتوں کو۔تم صرف ناشکرا پن کرتے ہو اور شرک و الحاد کی گندی نالی میں لوٹ کر خوش ہوتے ہو۔تم انسانوں کو شرم نہیں آتی کہ جس عظیم رب کی نعمتوں میں جیتے ہو اسے بھول بیٹھے ہو۔کھاتے اس کا دیا ہوا ہو اور مالا دوسرے کے نام کی جپتے ہو۔اس کائنات میں زندہ ہو جو خدا کی عظمت کی گواہ ہے، مگر دلوں میں غیر اللہ کی عظمت ہے۔اس دھرتی پر زندہ ہو جس کا ذرہ ذرہ خدا کی کبریائی کا اعلان کرتا ہے، مگر اپنے خود ساختہ اکابرین کو تم نے خدا کے برابر لا بٹھایا ہے۔یہاں تک کہ تم لوگ ان ساری سچائیوں کو دیکھ کر بھی خدا کے وجود کا انکار کر دیتے ہو۔“

ناعمہ کا سر شرمندگی میں جھکا ہوا تھا۔

”مگر تم نے مالک سے رجوع کیا ہے۔تم نے اپنے تعصب کی ہر دیوار کو توڑ دیا ہے۔تم اپنی خواہشوں سے بلند ہو چکی ہو۔یاد رکھو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کبھی بے سہارا نہیں چھوڑتے۔انہیں ضرور ہدایت دیتے ہیں۔باقی کسی نفس پرست، خواہش پرست اور متعصب انسان کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔عنقریب ایسے لوگوں کو وہ اپنے قہر میں کچل کر رکھ دیں گے۔مگر انہوں نے مجھے تمھارے پاس اسی لیے بھیجا ہے کہ میں تمھارے سوالوں کا جواب دوں۔تم ایک سچی انسان ہو۔اس لیے جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔آج تمھارے ہر سوال کا جواب ملے گا۔“

ناعمہ نے کچھ سکون کا سانس لیا کہ عصر اس پر غصہ کرنے کے بجائے اصل بات کی طرف آ گیا تھا۔تاہم عصر کے اپنے وجود کے بارے میں ناعمہ کے ذہن میں ابھی تک الجھن تھی۔اس

نے پہلے اسی گرہ کو کھولنا چاہا:

''میں آپ کو سمجھ نہیں سکی۔ آپ کون ہیں۔ عصر کا مطلب کیا ہے۔ وقت کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔''

''دیکھو کائنات کی ہر شے اللہ کی مخلوق ہے۔تم انہیں جس طرح بھی سمجھو مگر دراصل وہ اللہ کی مخلوق ہوتی ہیں۔ وقت بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ وقت سے بہت سی چیزوں نے جنم لیا ہے۔ دن، لمحہ، گھنٹہ، برس، صدی، قرن یہ سب وقت کے اجزا ہیں۔انہیں تم وقت کی اولاد سمجھو۔''

''اورعصر۔ یہ کیسی اولاد ہے؟''

''میں یعنی عصر وقت کی سب سے اہم اور بڑی اولاد ہوں۔ وقت کی باقی اولادیں ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔مگر میں صرف اس وقت ظاہر ہوتا ہوں جب کوئی رسول اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ میں رسولوں کے دور کا وقت اوران کا زمانہ ہوں۔''

''رسول میں کیا خاص بات ہوتی ہے؟''

''رسول جب آتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا کے معاملات میں کھل کر اور علانیہ مداخلت شروع کردیتے ہیں۔ عام حالات میں وہ ایسا نہیں کرتے۔مگر اپنے رسول کے ذریعے سے وہ انسانوں سے کھل کر کلام کرتے ہیں۔ ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہیں۔ ان کی کھلی رہنمائی کرتے ہیں۔اور آخر کار سزا و جزا برپا کردیتے ہیں۔''

بات ابھی بھی ناعمہ پر واضح نہیں ہوئی تھی۔اس کے چہرے پر موجود غیر یقینی کیفیت کو عصر نے پڑھ لیا تھا:

''اگر تمھیں اسی بات کو سمجھنے میں زیادہ دلچسپی ہے تو پہلے تمھیں اپنے تیسرے سوال کا جواب حاصل کرنا چاہیے۔یعنی خدا سچ کھول کر کیوں نہیں بتاتا۔ کیوں وہ اپنی موجودگی اورسچائی کا

ناقابل تردید ثبوت پیش نہیں کرتا۔ کیونکہ اسی سوال کے جواب میں تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ عصر کیا ہوتا ہے۔ عصر رسول کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں سچ بالکل واضح کر کے کھول دیا جاتا ہے۔''

عصر کی اس بات سے ناعمہ نے اتفاق کرتے ہوئے پر اشتیاق لہجے میں کہا:

''ٹھیک ہے پہلے اسی کا جواب دیجیے۔''

اس کے اشتیاق پر عصر مسکرایا اور بولا:

''چلو اٹھو! میں اس سوال کا جواب تمھیں بتاتا ہوں۔ لیکن یہ جواب میں تمھیں براہ راست دکھاؤں گا۔ تمھیں میرے ساتھ ماضی کی دنیا میں چلنا ہوگا۔''

یہ کہتے ہوئے عصر کھڑا ہو گیا اور اپنا ہاتھ ناعمہ کی طرف بڑھا دیا۔ ناعمہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے جھجک رہی تھی۔ یہ دیکھ کر عصر نے کہا:

''میرا ہاتھ پکڑ لو اور اٹھو۔ میں انسان نہیں ہوں۔''

ناعمہ کھڑی ہو گئی۔ مگر وہ ابھی تک عصر کا ہاتھ تھامتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار تھی۔

''ہمیں وقت میں پیچھے کی سمت سفر کرنا ہے۔ میرا ہاتھ نہیں تھامو گی تو یہاں تنہا رہ جاؤ گی۔''

ناعمہ نے حوصلہ کر کے عصر کا ہاتھ تھام لیا۔

....

پانچواں باب

پہلی قیامت

عصر ناعمہ کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہا تھا۔ ناعمہ نے کھڑے ہوکر جیسے ہی عصر کا ہاتھ تھاما اسے لگا کہ اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی اتر گئی ہو۔ ہر طرف پھیلی ہوئی رات صبح کی ہلکی ہلکی روشنی میں بدل گئی۔ ناعمہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یہ وہی وادی تھی جسے وہ پہلے دن سے دیکھتی آئی ہے۔ البتہ اس دفعہ وہ اس وادی میں نیچے کھڑے ہونے کے بجائے اس کے اطراف میں موجود پہاڑوں میں سے سب سے بلند پہاڑ پر کھڑی تھی۔ ناعمہ عصر کے ساتھ اسی پہاڑ پر آگے بڑھی جارہی تھی۔ مگر جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی اس کے اردگرد کا ہر منظر انتہائی تیزی کے ساتھ بدل رہا تھا۔ اس کی بصارت اتنی زیادہ بڑھ چکی تھی کہ وہ دور تک کا منظر دیکھ سکتی تھی۔ اس نے دیکھا کہ پہاڑ کے نیچے دونوں طرف دن و رات کا سلسلہ تیزی سے بدل رہا ہے۔ پہر، ایام اور موسم تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ سورج مغرب سے نکل کر مشرق میں ڈوبتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ اردگرد کے مناظر بھی سرعت کے ساتھ بدل رہے تھے۔ بستیاں، قصبے، شہر ایک کے بعد ایک آتے جارہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ تو پہاڑ پر قدم بقدم چل رہے ہیں لیکن نیچے زمان و مکان صدیوں کا سفر لمحوں میں طے کررہے ہوں۔ ناعمہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔ مگر اسے عصر کے ساتھ خاموشی سے چلتے رہنا اچھا

لگ رہا تھا۔اس لیے وہ کوئی سوال کیے بغیر اس کے ساتھ چلتی رہی۔

چلتے چلتے وہ ایک پہاڑ کے دامن میں واقع میدانی علاقے میں آ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر عصر رک گیا اور ناعمہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''ہم حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں آ چکے ہیں اور اس وقت قدیم عراق میں کھڑے ہیں۔''

ناعمہ یہ سن کر دنگ رہ گئی۔اس نے حیرت سے سوال کیا:

''یہ کیسے ممکن ہوا؟''

''میرے ساتھ سب کچھ ممکن ہے۔میں وقت کا بیٹا ہوں۔ وقت کی ہر گلی میرے لیے جانی پہچانی اور اس کا ہر بند دروازہ میرے لیے کھلا ہے۔میں کہیں بھی جا سکتا ہوں۔یہیں تمھارے تیسرے سوال کا جواب ہے۔ یہاں تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح خدا ہر دور میں اپنی سچائی اور اپنی موجودگی کا ناقابل تردید ثبوت پیش کرتا رہا ہے۔''

ناعمہ بولی:

''مگر ہمیں لوگ دیکھیں گے تو کیا ہوگا؟''

''اطمینان رکھو ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔البتہ ہم ہر شخص کو دیکھ سکیں گے۔ جہاں چاہیں گے چلے جائیں گے۔مگر ہم کسی شخص کے کام میں مداخلت نہیں کر سکتے۔''

یہ کہہ کر عصر آگے بڑھا اور اسے لے کر چند قدم چلا۔ان چند قدموں میں ایک طویل فاصلہ طے ہو گیا اور وہ دونوں ایک آبادی میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک بڑا شہر تھا۔ بڑا ناعمہ کے لحاظ سے ہر گز نہیں تھا جو لاکھوں کروڑوں کی آبادی کے شہروں کی باسی تھی۔لیکن اپنے زمانے کے اعتبار سے ایک بہت بڑا اور بارونق شہر تھا۔اس روز شہر میں کوئی جشن برپا تھا۔ ہر طرف سرگرمی اور جوش

کا عالم طاری تھا۔لوگ خوش وخرم تھے اور زرق برق کپڑے پہن کر اپنے گھروں سے نکل نکل کر شہر کے مرکزی حصے میں جمع ہورہے تھے۔شہر کا مرکز ایک مندر کے گرد بنا ہوا تھا جس کا احاطہ بہت بڑا تھا۔جبکہ باہر کی سمت ایک بڑا بازار تھا۔یہاں دوکانوں پر رونق لگی ہوئی تھی اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد بازار سے گزر کر مندر کے احاطے میں جمع ہورہی تھی۔

''ناعمہ! یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہے۔انسانیت نے اپنا سفر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا۔وہ خود ایک نبی تھے اور اپنی اولاد کو ایک اللہ کی عبادت کی تعلیم دے کر گئے تھے۔ان کے دور کو گزرے ہوئے بہت وقت ہو چکا ہے اور رفتہ رفتہ ان کی اولاد ان کے پیغام کو بھول گئی ہے۔تہذیب نے جیسے جیسے ترقی کی،شرک تیزی سے لوگوں میں پھیلتا گیا۔اب کوئی نہیں جو ایک اللہ کا نام لیوا باقی رہا ہو۔ایسے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو اٹھایا اور انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا شروع کی۔''

ناعمہ نے اردگرد کا ماحول دیکھتے ہوئے تبصرہ کیا:

''لگتا ہے کہ ان کی دعوت زیادہ قبول نہیں کی گئی۔''

''ہاں بہت کم لوگ ان پر ایمان لائے ہیں۔گنتی کے چند لوگ۔حتیٰ کے ان کے اپنے خاندان میں ان کی بیوی اور ان کا ایک بیٹا کنعان بھی ان کا منکر ہے۔اور جانتی ہو انہیں ان لوگوں کو سمجھاتے سمجھاتے کتنا وقت ہو چکا ہے؟''

ناعمہ نے سوالیہ انداز میں عصر کی طرف دیکھا:

''ساڑھے نو سو برس۔''

''ساڑھے نو سو برس؟''

ناعمہ نے حیرت سے عصر کی بات دہرائی۔

”ہاں! اور یہ نتیجہ ہے ساڑھے نو سو برس کی محنت کا۔“

وہ دونوں یہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں ایک شور بلند ہوا۔ ناعمہ نے دیکھا کہ مندر سے پروہت ایک ایک قطار میں باہر آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے کچھ لوگ تختوں کو اپنے کندھوں پر اٹھائے باہر آ رہے ہیں۔ ان تختوں پر الگ الگ شبیہ کے بت رکھے ہوئے تھے۔ ناعمہ نے گنے تو پانچ تختوں پر پانچ بت رکھے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر ہجوم خوشی سے بے قابو ہو گیا اور زور زور سے نعرے بلند کرنے لگا۔

عصر نے ان بتوں کی تفصیل ناعمہ کو بتاتے ہوئے کہا:

”یہ ان کے پانچ مقدس بزرگوں کے بت ہیں۔ ودّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسرا۔ یہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ہر مشکل میں ان سے مدد مانگتے ہیں اور مراد پوری ہونے پر انہیں نذر چڑھاتے ہیں۔ آج ان کی عید کا دن ہے جس میں یہ بت عام لوگوں کے سامنے لائے جاتے ہیں اور سب مل کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔“

ناعمہ حیرت اور پریشانی کے عالم میں اس حماقت کو دیکھ رہی تھی۔ ان بتوں کو ایک ساتھ لا کر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد ایک بڑا پروہت آگے آیا اور لوگوں کو خاموش ہونے کے لیے کہا۔ ناعمہ کو اندازہ ہوا کہ اب ان کی تقریب شروع ہی ہوا چاہتی ہے۔ مگر اسی اثنا میں ایک بزرگ بھیڑ کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور اس پروہت کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ اس سے پہلے کہ پروہت کچھ کہتا انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنا شروع کیا۔

”اے لوگو! ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے تو مجھے تم پر ایک دردناک عذاب کا اندیشہ ہے۔“

پروہت کو ان کی مداخلت سخت ناپسند آئی۔ اس نے غصے میں کہا:

”لوگو! یہ ایک گمراہ شخص ہے۔اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ تمھیں تمھارے باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتا ہے۔“

”میں ہرگز گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ تمھیں تمھارے رب کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ میں تمھارا ہمدرد ہوں اور وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ تمھیں یہ بات کیوں عجیب لگتی ہے کہ تمھارے پاس تمھارے رب کا پیغام تمھارے ہی اندر کے ایک شخص کے ذریعے سے آچکا ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ اسے مان لو تو آنے والے عذاب سے بچ جاؤ گے اور اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔ اور دیکھو میں اتنے عرصے سے تمھیں سمجھا رہا ہوں۔ میرا اس میں کیا مفاد ہے۔ میں تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگ رہا۔ میرا اجر تو میرا رب دے گا۔“

ناعمہ سمجھ چکی تھی کہ یہ بولنے والے بزرگ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ قوم کا ایک بڑا سردار بھی پروہت کی مدد کے لیے اس کے پاس آگیا اور چلا کر کہا:

”اس بوڑھے کے ساتھ صرف ذلیل اور گھٹیا لوگ ہیں۔ اس کی بات سچی ہوتی تو ہمارے جیسے سردار اور بڑے لوگ اسے ضرور مان لیتے۔ اب بہت ہو چکی۔ ہم نے اس کی بزرگی کا بہت لحاظ کرلیا۔ اب یہ باز نہیں آیا تو ہم اسے پتھر مار مار کر ہلاک کر ڈالیں گے۔“

سردار کے اس جملے کے ساتھ ہی لوگ اس کی حمایت میں چیخنے چلانے لگے۔ ایک عجیب سا طوفان بدتمیزی برپا ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کہا:

”میری قوم اگر تم پر میرا تمھارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات کی یاددہانی کرانا اتنا ہی گراں گزر رہا ہے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کرلیا ہے۔ تم اپنا جرگہ بٹھالو۔ اپنا جتھا لے آؤ۔ اپنے ان بتوں کو بھی اپنی مدد کے لیے بلالو اور ایک فیصلہ کرلو۔ پھر بغیر کسی تذبذب کے میرے بارے میں

جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ میں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ تم نہیں مانتے تو نہ مانو مگر میں اس کا فرمانبردار ہوں۔''

حضرت نوح علیہ السلام کے ان الفاظ سے مجمع پر ایک سکوت طاری ہو گیا۔ ایک شخص بھی آگے نہ بڑھا۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ سردار کی دھمکی پر عمل کرنے کے لیے آگے بڑھتا۔ حضرت نوح علیہ السلام اطمینان کے ساتھ نیچے اترے۔ لوگوں نے ان کے گزرنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا اور وہ ایک سمت چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد پروہت کی جان میں جان آئی اور اس نے کہا:

''اچھا ہوا وہ گمراہ بوڑھا چلا گیا۔ آؤ ہم اپنے ان پانچ مقدس بزرگوں کی عبادت کریں۔''

....

حضرت نوح علیہ السلام کے جانے کے بعد جو خرافات شروع ہوئیں، انہیں دیکھ کر ناعمہ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ عصر سے بولی:

''کیسے لوگ ہیں یہ؟''

''یہی انسان ہر دور میں کرتے آئے ہیں۔ آج بھی انسانوں کی اکثریت یہی کر رہی ہے۔ آدھے غیر اللہ سے لو لگائے بیٹھے ہیں اور آدھے دنیا کی مادی اور فانی زندگی کو اپنا مقصد حیات بنائے بیٹھے ہیں۔ سچے خدا پرست تو ہمیشہ بہت تھوڑے رہے ہیں۔''

''ہاں مگر اِس دور میں ایمان لانا تو بہت مشکل تھا۔ کیا میں کسی ایسے شخص سے مل سکتی ہوں جو ایمان لایا ہو؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ میں تمھیں ایسے ہی ایک خاندان کے پاس لے چلتا ہوں۔ تم دیکھو گی کہ سچے اہل ایمان کتنے مشکل حالات میں بھی حق پر قائم رہتے ہیں اور کوئی شکوہ شکایت نہیں کرتے۔''

یہ کہہ کر عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور ایک سمت چل پڑا۔ تھوڑی دیر میں ناعمہ اور عصر ایک ایسے گھرانے میں موجود تھے جو زندگی کی سب سے بڑی مشکل دیکھ رہا تھا۔ یہ گھرانہ جراہم کا تھا۔

....

جراہم ایک غریب کسان تھا۔ وہ اور اس کی بیوی مل کر تھوڑی بہت کھیتی باڑی کرتے اور بمشکل تمام زندگی گزارتے تھے۔ زندگی پہلے بھی ان پر آسان نہ تھی مگر اب تو حالات اور مشکل ہو چکے تھے۔ وہ خدا کے پیغمبر نوح علیہ السلام پر ایمان کیا لے آئے کہ سارا شہر ان کا مخالف ہو گیا۔ ہر طرف سے لعن طعن ہو رہی تھی۔ برا بھلا کہا جا رہا تھا۔ مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ آباواجداد سے بغاوت اور قومی مذہب سے روگردانی کے الزام لگ رہے تھے۔ وہ بت جو اس معاشرے میں قدیم بزرگوں کی یادگار سے آگے بڑھ کر اب خود معبود بن چکے تھے، انھیں چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کا فیصلہ ان کو بہت مہنگا پڑ رہا تھا۔ مگر وہ ڈٹے ہوئے تھے۔

جراہم سام کا بچپن کا دوست تھا۔ نوح علیہ السلام نے ایمان کی صدا بلند کی تو ان کے صاحبزادے سام بھی ان پر ایمان لے آئے۔ اپنے دوست کی وجہ سے جراہم بھی نوح علیہ السلام کے پاس جا کر بیٹھا کرتے اور ان کی باتیں سنتے۔ انہیں محسوس ہوا کہ بتوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کی بات زیادہ معقول ہے۔ یہ بت جنھیں ہم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں ہمارے خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ جن بزرگوں کو قبر میں دفن ہوئے برسوں ہو گئے وہ ہماری دستگیری کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ صرف اللہ ہے جو اپنے بندوں کی مشکل کشائی کرتا اور انھیں نعمتیں دیتا ہے۔ اس لیے محبت، عقیدت، شکرگزاری اور عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیے۔

نوح علیہ السلام کی یہ باتیں جراہم کے دل کو لگتیں۔ آخرکار وہ اور ان کی بیوی دونوں نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ مگر اس کے بعد ان کی زندگی دشوار ہو گئی۔ نوح علیہ السلام انھیں صبر کی

تلقین کرتے اور خدا کے وعدے پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتے۔ نوح علیہ السلام انھیں بتاتے کہ عنقریب یہ کافر ہلاک ہوں گے اور نوح علیہ السلام کے ماننے والے زمین کے مالک ہوں گے۔ جراہم اور ان کی بیوی ان کے وعدے پر مطمئن تھے اور ہر مشکل کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر اب جو قیامت ان پر ٹوٹی تھی اس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کی اکلوتی بیٹی امورہ جس کی عمر صرف پندرہ برس تھی، بیمار پڑ گئی تھی۔ یہ دو چار دن کی بیماری نہ تھی، بلکہ ایک مستقل روگ تھا جو ان کی بیٹی کو لگ گیا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ امورہ کا وجود گھلتا جا رہا تھا اور کوئی دوا کارگر نہ ہو رہی تھی۔ اب تو صاف نظر آ رہا تھا کہ امورہ دو چار دن کی مہمان ہے۔ جراہم اور اس کی بیوی اسی فکر میں غمزدہ، امورہ کے پاس بیٹھے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''میں سام ہوں جراہم! دروازہ کھولو۔''

جراہم نے دھیرے سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ سام سے کچھ کہے بغیر خاموشی سے امورہ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ سام اس کے پیچھے چلتا ہوا آیا اور امورہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''بیٹی خدا کی رحمتیں تمھارے خاندان پر ہیں۔''

''یہ کیسی رحمت ہے بھائی سام''، جراہم کی بیوی اداسی کے ساتھ بولی:

''ہم تو یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ تمھارے چھوٹے بھائی کنعان سے امورہ کی شادی کریں گے اور نوح رسول اللہ کے خاندان کا حصہ بن جائیں گے۔ مگر ہمیں ایمان کی ایسی سزا ملے گی، یہ ہم نے کبھی نہ سوچا تھا۔''

''خاموش ہو جاؤ۔''

اس کی بات سن کر جراہم غصے میں جھنجھلا اٹھا۔

''اپنے غم میں کفر کے کلمات منہ سے مت نکالو۔''

''یہ سزا نہیں ہے۔ آزمائش ہے۔ تم نہیں جانتیں بہن۔ اموره کی اس بیماری میں خدا کی کیا مصلحت ہے۔ ہم انسان ہیں خدا نہیں۔ وہ جانتا ہے ہمارے لیے کیا بہتر ہے۔''

سام نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہمارے لیے کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ ہماری بچی بیمار نہ ہوتی۔ اموره ٹھیک ہوتی تو دو برس پہلے ہی کنعان کی بیوی بن کر تمھارے خاندان کی بہو بن جاتی اور ہم اس کے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتے۔''

''شاید اسی میں خدا کی بہتری ہے۔ مجھے کنعان کے آثار اچھے نہیں لگ رہے۔ ہم بھائیوں میں سے وہی ہے جو ابا پر ایمان نہیں لایا اور لائے گا بھی نہیں۔ اگر عذاب آیا اور یقیناً عذاب آئے گا تو مجھے یقین ہے کہ کنعان مارا جائے گا اور اگر اموره کی شادی اس سے ہو جاتی تو......''

''نہیں نہیں۔ آگے کچھ نہ کہنا سام......''

جراہم اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''میری بیٹی بیماری سے مر جائے یہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ وہ اللہ کے عذاب میں ہلاک ہو۔''

''میں نے ابا جان سے بات کی تھی۔ انھوں نے تمھارے لیے ایک پیغام بھیجا ہے۔ پیغام یہ ہے کہ اگر تم دونوں میاں بیوی صبر کرو گے تو پروردگار عالم اس کی شادی آخری رسول کے کسی بڑے امتی کے گھرانے میں کریں گے۔ ایک مجرم کے بجائے اموره کسی ایسے شخص کی بیوی بنے گی جسے خدا معاف کر کے اس پر اپنا فضل فرمائے گا۔''

''مگر یہ کب ہوگا بھائی سام؟''

''بہن یہ اگلی دنیا میں ہوگا۔ وہ دنیا جو قیامت کے بعد قائم ہوگی اور کبھی ختم نہ ہوگی۔ اُس دنیا میں نہ کوئی موت ہوگی اور نہ کوئی جدائی۔''

سام نے جواب دیا۔

''ہم صبر کریں گے۔ ہمیں خدا کے وعدے پر اعتبار ہے۔''، جراہم نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

''ابا۔''

ایک خفیف سی آواز ابھری۔ یہ امورہ کی آواز تھی۔ اس کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے اور اس کی سانس دھیمی ہونے لگی۔ وہ سب گھبرا کر اس کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ جراہم اور اس کی بیوی امورہ کے ہاتھ پاؤں سہلانے لگے۔ وہ بیچارے اس کے سوا کر بھی کیا سکتے تھے۔ ایک ہچکی بلند ہوئی اور امورہ کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ جراہم کی بیوی چیخ کر اس کے سینے سے لپٹ گئی۔ جراہم کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔ سام نے بے بسی سے اپنی گردن جھکا دی۔

....

ناعمہ بے بسی اور خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر عصر کی طرف دیکھا۔ اس کی خاموش نگاہوں کا پیغام واضح تھا۔ وہ مزید یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی۔ عصر اس کا ہاتھ تھامے اسے باہر لے آیا۔ باہر آ کر ناعمہ نے اداس لہجے میں کہا:

''یہ کیسی زندگی ہے؟''

''یہ زندگی نہیں ہے۔ آزمائش ہے۔ زندگی تو شروع ہوگی۔ جب زندگی شروع ہوگی ناعمہ تو تم اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھو گی کہ آج جو لوگ آنسو بہا رہے ہیں کل قیامت کے دن وہ سب سے زیادہ خوش ہو رہے ہوں گے۔''

''مگر قیامت تو بہت دور ہے۔''، ناعمہ نے اداس لہجے میں کہا۔

''نہیں بالکل دور نہیں ہے۔ قیامت سر پر کھڑی ہے۔ تم نے میرے ساتھ سفر کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ ہزاروں برس کا سفر ہم کتنے کم وقت میں کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاملات کو ایسے ہی

دیکھ رہے ہیں۔‘‘

’’مگر ہم اللہ کی نظر سے چیزوں کو تو نہیں دیکھ سکتے نا۔‘‘، ناعمہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

’’انسان کی نظر سے تو دیکھ سکتے ہو۔ اس میں کیا رکاوٹ ہے؟ انسان تو اس چیز کے ماہر ہیں کہ ماضی کے تجربے سے مستقبل کا اندازہ کر لیتے ہیں۔‘‘

’’بالکل کر لیتے ہیں۔ انسانوں کی ساری ترقی ان کی اس صلاحیت میں ہے کہ ماضی کے مشاہدے اور تجربے کو بنیاد بنا کر وہ نظر نہ آنے والے مستقبل کی بالکل ٹھیک پیش گوئی کر دیتے ہیں۔ اسی اصول پر ڈاکٹر ہر مرض کا علاج کرتے ہیں۔ ایک دوا جو ایک انسان پر اثر کرتی ہے۔ باقی انسانوں کو بھی وہ دوا دی جاتی ہے۔ ایک جہاز جس اصول پر اڑتا ہے، سارے جہاز اسی اصول پر بنائے اور اڑائے جاتے ہیں۔‘‘، ناعمہ نے عصر کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

’’ہاں تو اسی اصول پر دیکھو کہ اب کیا ہوگا۔ یاد ہے نوح علیہ السلام کس چیز کی تنبیہ کر رہے تھے۔ یہ کہ ان کے نہ ماننے والوں پر عذاب آئے گا۔ اب دیکھو ٹھیک یہی ہوگا۔ تھوڑی دیر میں یہ سب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی۔ اس کے بعد اس بات کو نہ ماننے کی کیا گنجائش ہے کہ آخرت کی دنیا کے بارے میں بھی پیغمبر جو کہتے ہیں وہ پورا نہیں ہوگا۔‘‘

’’بالکل! نہ ماننے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔‘‘

’’چلو پھر چل کر انسانیت کی پہلی قیامت دیکھتے ہیں۔ نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم مل گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قوم کی قیامت آ رہی ہے۔ اللہ کی عدالت لگ رہی ہے۔ اس عدالت میں ہر مجرم عذاب کا شکار ہوگا اور صرف اہل ایمان بچائے جائیں گے۔ باقی رہ جانے والے یہی اہل ایمان سردار بنائے جائیں گے۔ اس دنیا میں بھی اور اگلی دنیا میں بھی۔‘‘

....

عصر ایک دفعہ پھر ناعمہ کو ساتھ لیے جا رہا تھا۔ وہ اسے امورہ کی موت کے کئی دن بعد کے وقت میں لے جا رہا تھا۔ ان کی منزل شہر سے باہر ایک کھلا میدان تھا۔ ناعمہ کو دور سے نظر آیا کہ اس میدان میں ایک بہت بڑی کشتی کھڑی ہوئی ہے۔ قریب پہنچنے پر اسے اندازہ ہوا کہ کشتی سے بڑھ کر یہ ایک بحری جہاز تھا۔ یہ جہاز یا کشتی لکڑی کے ان تختوں سے بنایا گیا تھا جو پاس موجود جنگل کے درختوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ مضبوط رسیوں اور کیلوں سے ان سب کو جوڑ کر یہ عجوبہ بنایا گیا تھا۔

یہ کشتی دو وجوہات کی بنا پر عجوبہ تھی۔ ایک تو اس کی بناوٹ بہت زبردست تھی۔ دوسرا عجوبہ یہ تھا کہ یہ کشتی بالکل خشک میدان میں کھڑی تھی۔ دور دور تک کوئی سمندر تھا اور نہ کوئی دریا۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں تھا کہ انسان گھسیٹ کر اسے کسی دریا تک لے جا سکیں گے۔ ناعمہ کو ان دونوں باتوں پر قدرے حیرت ہو رہی تھی۔ چلتے چلتے عصر نے اس کی یہ حیرت دور کر دی۔

''یہ کشتی اللہ تعالیٰ کی خصوصی ہدایات کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ اس میں نہ صرف نوح علیہ السلام کے سارے ساتھیوں کے رہنے کی جگہ ہے بلکہ جانوروں کو رکھنے کے لیے بھی الگ حصے بنائے گئے ہیں۔ اس میں کافی عرصہ کے لیے کھانا اور پانی کا ذخیرہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ سب سے بڑھ کر اس کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ شدید ترین بارش کا پانی بھی اس سے باہر خارج ہوتا رہے گا اور بڑی سے بڑی طوفانی موج کی ٹکر بھی یہ کشتی با آسانی جھیل جائے گی۔''

ناعمہ کو اس کے دونوں سوالوں کا جواب مل چکا تھا۔ اس کشتی کا جہازی سائز اس ڈیزائن کی بنا پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا ہے۔ رہا پانی تک لے جانے کا سوال تو یہ کشتی پانی میں نہیں جائے گی۔ پانی خود یہاں آ جائے گا۔

قریب پہنچنے پر ناعمہ نے دیکھا یہاں ایک طوفان بدتمیزی مچا ہوا ہے۔ شہر کے بہت سے لوگ یہاں کھڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سردار اور پروہت بھی شامل ہیں۔ وہ مل کر کشتی کے

تعمیراتی کام کی نگرانی کرنے والے حضرت نوح علیہ السلام کا مذاق اڑا رہے تھے۔ ناعمہ نے دیکھا کہ وہی سردار جس نے ان کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی لوگوں سے کہہ رہا ہے۔

''میں نے کہا تھا نا کہ یہ بڑے میاں گمراہ ہو چکے ہیں۔ اب تو بڑھاپے میں ان کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ دیکھو تو سہی خشکی پر کھڑے ہو کر کشتی بنا رہے ہیں۔''

ساتھ کھڑے پروہت نے آواز لگا کر انہیں مخاطب کیا اور کہا:

''نوح یہ تو بتاؤ یہ کشتی پانی تک کیسے لے کر جاؤ گے۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا:

''جس طرح تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو جلد ہی ہم بھی تمھارا مذاق اڑائیں گے۔''

ان کے پاس کھڑے ہوئے سام نے پروہت سے کہا:

''تم خود بھی برباد ہو گے اور اپنی قوم بھی تباہ کرو گے۔''

پروہت کو اس بات پر غصہ آ گیا اور وہ بولا:

''سام تم خاموش رہو! تمھارے باپ کا دماغ تو خراب ہو چکا ہے اب تمھاری عقل بھی ماری گئی ہے۔ تم لوگوں نے بہت جھگڑا کر لیا۔ اب ایسا کرو کہ عذاب لے کر آ ہی جاؤ۔''

سردار نے پروہت اور سارے مجمعے سے مخاطب ہو کر کہا:

''پاگلوں کے منہ لگنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ پہلے دیوانگی کی باتیں کرتے تھے اب کام بھی ایسے ہی کرنے لگے ہیں۔ چلو اپنے گھروں کو چلو اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔''

یہ کہہ کر وہ شہر کی سمت روانہ ہو گیا اور مجمع بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

ان کے جانے کے بعد سام نے حضرت نوح علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا:

''ابا جان اب کیا حکم ہے؟ کشتی تو تقریباً تیار ہو چکی ہے۔''

آپ نے فرمایا:

''گھر والوں سے اور سارے ایمان والوں سے کہہ دو کہ اپنے گھر کا سامان، اپنے سارے ضروری جانوروں کے جوڑے اور کھانے پینے کا تمام ذخیرہ، سب کچھ لے کر یہاں آجائیں اور فوراً کشتی پر سوار ہو جائیں۔ اللہ کے نام ہی سے اس کا چلنا ہوگا اور اسی کے نام سے یہ لنگر انداز ہوگی۔ میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔''

سب کو معلوم ہو گیا کہ اب ہم یہاں سے روانہ ہونے والے ہیں۔ چنانچہ ان کے حکم کی تعمیل میں سارے لوگ بھاگم بھاگ مشغول ہو گئے۔ ایک نے بھی سوال نہیں کیا کہ وہ یہ کیوں کریں۔ ناعمہ نے دیکھا کہ ان میں جراہم اور اس کی بیوی بھی شامل تھی۔ اس دور میں لوگوں کا سامان ہی کیا تھا۔ بس خوراک اور جانور تھے۔ سامان جیسے ہی کشتی پر پہنچایا گیا سب لوگوں کو حکم ملا کہ کشتی پر سوار ہو جائیں۔ کشتی کافی بلند تھی اس لیے سیڑھیوں کے ذریعے سب لوگ جہاز کے اوپری حصے تک پہنچے۔ عصر نے ناعمہ کا ہاتھ پکڑا اور وہ دونوں بھی کشتی پر سوار ہو چکے تھے۔ ناعمہ نے دیکھا کہ کشتی اندر سے بہت کشادہ تھی۔ لوگوں کے رہنے کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے جو ہر سمت سے بند تھے۔ نچلے حصے میں ان کے جانوروں کی جگہ تھی۔ جہاز کے اوپری حصے پر عرشہ تھا۔ وہ دونوں وہیں چلے گئے۔ ناعمہ نے دیکھا کہ ایک جگہ حضرت نوح علیہ السلام سجدے میں گرے ہوئے دعا کر رہے ہیں۔ ناعمہ باہر کی سمت دیکھنے لگی۔ کشتی چونکہ بہت بلند تھی اس لیے دور دور کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ منظر واقعی بہت حسین تھا۔ چاروں طرف انتہائی دلکش نظارہ تھا۔ ایک طرف سرسبز جنگل تھا۔ دوسری طرف شہر کی آبادی تھی۔ شہر کے اطراف میں بلند و سرسبز پہاڑ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واقعی اس خطے کو بڑے حسن سے نوازا تھا۔

اسی اثنا میں ناعمہ نے پیچھے سے حضرت نوح علیہ السلام کی آواز سنی۔ وہ سجدے سے کھڑے

ہو کر بلند آواز سے کہہ رہے تھے۔

''اللہ کا فیصلہ آ گیا ہے۔ اللہ کا شکر ہے اس نے ہمیں ظالموں سے نجات دے دی۔ اب آخری دفعہ لوگوں کو آواز دے دو۔ آخری دفعہ انہیں معافی اور توبہ کی طرف بلالو۔ اگر لوگ نہ آئیں تو سیڑھیاں اٹھالو۔''

لوگوں نے ان کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ مگر نہ کسی نے آنا تھا نہ کوئی آیا۔

اس دوران میں ناعمہ نے دیکھا کہ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ گہرے سیاہ بادل تیزی کے ساتھ امنڈتے چلے آرہے تھے۔ دن میں تاریکی کا سماں محسوس ہونے لگا۔ ناعمہ کو اس اندھیرے سے ہول آنے لگا۔ اردگرد کا جو منظر تھوڑی دیر پہلے تک انتہائی دلکش تھا اب بہت وحشتناک ہو چکا تھا۔ اسی اثنا میں ناعمہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی آواز سنی۔

''بلند آواز سے اللہ کی کبریائی بیان کرو۔ ان ظالموں سے نجات ملنے پر رب کا شکرادا کرو۔''

لوگوں نے بلند آواز میں اللہ کی کبریائی اور حمد کا ترانہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں بارش کی بوندیں برسنا شروع ہوگئیں۔ اچانک شدید کڑک کی آواز بلند ہوئی۔ ناعمہ نے ساری زندگی اتنی بلند آواز نہیں سنی تھی۔ وہ ڈر کے مارے عصر سے لپٹ گئی۔ اس کے بعد مسلسل گرج اور چمک کے ساتھ طوفانی بارش شروع ہوگئی۔

عصر نے اسے تھپتھپا کر حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

''ڈرو نہیں! اس بارش، گرج اور چمک سے کشتی کے اندر کے لوگوں کو کچھ نہیں ہوگا۔''

''مگر عصر یہ منظر بہت خوفناک ہے۔''

ناعمہ چاروں طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھتی ہوئے بولی۔ انتہائی تیز رفتار اور خوفناک بارش ہو رہی تھی۔ ہر طرف گہرا اندھیرا چھا چکا تھا۔ مگر بار بار چمکنے والی بجلی سے تمام اطراف کا منظر

وقفے وقفے سے نظر آرہا تھا۔اس روشنی میں ناعمہ نے دیکھا کہ کشتی کے اردگرد تیزی سے پانی جمع ہونا شروع ہو چکا ہے۔ایک طرف تو اس طوفانی بارش کا پانی براہ راست نیچے جمع ہورہا تھا اور دوسری طرف پہاڑوں پر ہونے والی بارش کا پانی بھی بہہ بہہ کرشہراوراس میدان کی طرف آرہا تھا۔گویااردگرد کے سارے پانی کا نشانہ یہی علاقہ تھا۔

''تمھیں اندازہ نہیں کہ اس وقت شہر میں کیا ہو چکا ہے۔وہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اس لیے وہاں بہت زیادہ پانی آچکا ہے۔سارے مکانات ڈوب چکے ہیں۔لوگ جان بچانے کے لیے بلند پہاڑوں پر چڑھنا شروع ہورہے ہیں۔''

پھراس نے نیچےاشارہ کرتے ہوئے کہا:

''دیکھولوگ نیچے بھی مدد مانگنے کے لیے آچکے ہیں۔''

ناعمہ نے ایک لمحہ کو چمکنے والی بجلی کی روشنی میں دیکھا کہ بہت سے لوگ کشتی کے قریب کھڑے چلارہے ہیں۔بارش کے شور کی بنا پران کی آواز اوپرنہیں آرہی تھی،مگر صاف ظاہر تھا ان مذاق اڑانے والوں کواندازہ ہو چکا ہے کہ اس کشتی کو پانی میں نہیں جانا تھا۔پانی کو یہاں آنا تھا۔وہ پانی اب آچکا ہےاورسوائے کشتی کے کوئی اور جائے پناہ نہیں۔

ناعمہ نے عصر سے مخاطب ہوکرکہا۔

''ہمیں ان لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔تم حضرت نوح علیہ السلام سے درخواست کرو کہ وہ سیڑھیاں واپس نیچے لگوادیں۔اس طرح کچھ لوگوں کی جان بچ جائے گی۔''

''تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔تم اللہ کے مجرموں کی مدد کا مشورہ دے رہی ہو۔اس موسم سے تمھیں اللہ تعالیٰ کے غضب کا اندازہ نہیں ہورہا؟''

عصر نے اتنے غصے سے کہا کہ ناعمہ ڈرگئی۔عصر غصے میں بولتا رہا:

’’ان لوگوں نے صرف شرک ہی نہیں کیا ہے، ان کا اصل جرم سرکشی ہے۔ ساڑھے نو سو برس تک انہیں سمجھایا گیا کہ جس مالک نے ساری نعمتیں دی ہیں اسی کی بندگی کرو۔ غیر اللہ سے مدد نہ مانگو۔ ان کے آگے سر نہ جھکاؤ۔ اپنے محسن اور مہربان رب کو بھول کر پتھروں اور بتوں کی پرستش نہ کرو۔ مگر یہ لوگ اپنے تعصب میں اندھے ہو چکے تھے۔ ان پر نوح علیہ السلام نے ان کی غلطی بالکل واضح کر دی تھی، مگر ڈھٹائی کی بنا پر انہوں نے سچ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ اللہ کے رسول کو دھمکیاں دینے پر اتر آئے۔ ان کا بس نہیں چلا ورنہ حضرت نوح علیہ السلام کو پتھر مار کر ختم کر ڈالتے۔ ناعمہ بی بی! یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ اللہ کی دنیا میں سچ کو جھٹلانے سے بڑا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس جرم کے ساتھ جب سرکشی بھی جمع ہو جائے تو پھر اس کی سزا لازماً بھگتنا پڑتی ہے۔‘‘

ناعمہ شرمندہ شرمندہ سی کھڑی تھی۔ عصر نے اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے کہا:

’’دیکھو پیغمبروں کے نافرمان صرف اللہ کے حق ہی کو پامال نہیں کرتے۔ یہ لوگ انسانوں کے حقوق بھی مارتے ہیں۔ تمھیں معلوم ہی نہیں کہ یہ لوگ دوسرے انسانوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ یاد رکھنا جو لوگ اللہ کے ساتھ وفادار نہیں ہوتے وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ بھی ہمیشہ زیادتی کرتے ہیں۔ یہ کفار اللہ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مگر انسانوں کا جینا دشوار کر دیتے ہیں اور زمین کو ظلم اور فساد سے بھر دیتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ایک رسول کے ذریعے سے گویا ایک آپریشن بھی کرتے ہیں۔ وہ ایسے ناسور زدہ معاشرے کو کاٹ کر زمین سے پھینک دیتے ہیں اور پھر نئے سرے سے صالحین دھرتی کو آباد کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب آنے والے ہزاروں سال تک جاری رہے گا۔ جس کے بعد قیامت آئے گی اور ہمیشہ کے لیے ایسے ناسور زدہ لوگ جہنم کے قید خانے میں بند کر دیے جائیں گے اور اس زمین پر اللہ کے نیک بندوں کا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم ہو جائے گا۔‘‘

’’عصر تمھاری بات ایسی نہیں کہ اس سے اختلاف کیا جا سکے، مگر......‘‘

ناعمہ نے ایک لمحے کے لیے رک کر عصر کے چہرے کے تاثرات دیکھے کہ کہیں وہ ناراض تو نہیں۔ اس کے چہرے پر کوئی منفی تاثر نہ پا کر ناعمہ کی زبان پر وہ چیز آ گئی جس نے اسے ان لوگوں کی مدد کی بات کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

''عصر مجھے ان میں سے کسی بات سے کوئی اختلاف نہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ نیچے جو لوگ کھڑے ہیں، ان کے ساتھ معصوم بچے بھی ہیں۔ ان معصوم بچوں کا کیا قصور ہے۔ انھیں کیوں ہلاک کیا جا رہا ہے؟ یہ تو اللہ کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ معصوم بچوں کو بھی ہلاک کرے۔ قصور بڑوں کا ہے۔ ان بچوں نے تو کچھ نہیں کیا۔''

''اچھا تو یہ ہے تمھاری بات کا اصل پس منظر۔ دیکھو یہ سیلاب ان بچوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کا ایک ظہور ہے۔ یہ ان کے لیے عذاب نہیں نجات ہے۔ مگر تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتیں۔ دراصل تم نے تو اس قوم کی زندگی کے چند مناظر دیکھے ہیں۔ یہ دو دنوں کا قصہ نہیں صدیوں کی داستان ہے۔ سیدنا نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس سے ان کے درمیان موجود ہیں۔ انھیں سمجھا رہے ہیں۔ آؤ میں تمھیں انھی کی زبانی سنواتا ہوں کہ ان ساڑھے نو سو برس میں کیا ہوا ہے اور کیوں یہ عذاب اِن بچوں کے لیے عذاب نہیں بلکہ نجات ہے۔''

یہ کہہ کر عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور دو چار قدم ہی بڑھائے۔ اس کا یہ سفر وقت میں پیچھے کی سمت تھا۔ ناعمہ نے محسوس کیا کہ وہ رات کی انتہائی گہری اور سیاہ تاریکی میں چل رہے ہیں۔ مہینے کی آخری تاریخوں میں چاند کے نہ ہونے سے کہیں کوئی روشنی نہ تھی۔ روشنی کا کوئی عکس اگر تھا تو تاروں بھرے ملگجی آسمان کے حسین اور نیم روشن نظارے میں تھا۔ یہ نظارہ اتنا حسین تھا کہ ناعمہ دنگ رہ گئی۔ زرعی دور میں جب فضا صنعتی کثافتوں، دھوئیں اور مشینی فضلات سے پاک وشفاف ہوا کرتی تھی تو مہینے کی آخری راتوں میں جگمگاتے آسمان کی دودھیائی ستارہ راتیں اتنی ہی حسین

ہوا کرتی تھیں ۔مگرعصرا سے یہ رات دکھانے نہیں لایا تھا۔اس نے اپنی منزل کا پتہ ناعمہ کو بتاتے ہوئے کہا:

''ہم سیدنا نوح علیہ السلام کے گھر جا رہے ہیں۔عذاب آنے سے ایک رات پہلے کا یہ منظر میں تمھیں دکھانا چاہتا ہوں۔آؤ دیکھو کہ اس وقت کیا ہو رہا تھا۔''

یہ کہہ کر عصر ناعمہ کو ساتھ لیے سیدنا نوح علیہ السلام کے گھر میں داخل ہو گیا۔

....

رات کا پچھلا پہر تھا۔اس وقت جب دنیا سکون سے سو رہی تھی انسانیت کا یہ سردار اور خدا کا محبوب رسول نوح، اللہ کی بارگاہ میں پیش تھا۔یہ عظیم المرتبت رسول دن بھر دعوت و تبلیغ کی محنت و مشقت جھیلنے کے بعد محو آرام نہیں تھے بلکہ اللہ کے حضور قیام، رکوع اور سجدے میں گڑگڑا رہے تھے۔وہ رو رہے تھے اور تڑپ تڑپ کر اللہ کے حضور اپنی فریاد پیش کر رہے تھے۔یہ دعا کیا تھی ان کے دل کی تڑپ اور ان کی ہزار سالہ محنت کی داستان تھی جو چند جملوں میں سمٹ گئی تھی۔وہ بول رہے تھے اور ان کی زبان سے نکلنے والا ہر ہر لفظ ناعمہ کے دل میں اترتا جا رہا تھا۔وہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''میرے مالک، میں نے اپنی (اِس) قوم کو شب و روز پکارا، لیکن میری پکار سے یہ اور زیادہ بھاگتے ہی رہے۔میں نے جب بھی اِنھیں بلایا، اِس لیے کہ (اِن کے پلٹنے پر) تو اِنھیں معاف فرمائے تو اِنھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنی چادریں لپیٹ لیں اور اپنی ضد پر اَڑ گئے اور بڑا غرور دکھایا۔پھر میں نے اِن کو کھلم کھلا دعوت دی۔پھر بلند آواز سے انہیں بلایا اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔میں نے کہا: اپنے رب سے معافی مانگ لو۔ بے شک، وہ بڑا معاف کر دینے والا ہے۔(اِس کے نتیجے میں) وہ تم پر ڈھیروں بارش برسائے گا اور مال و اولاد سے تم کو برکت دے گا اور تمھارے لیے باغ اگائے گا اور تمھارے

لیے نہریں بہادے گا۔‘‘

’’اے مالک، اِنھوں نے میری بات نہیں مانی اور (اپنے) اُنھی (رہنماؤں) کے پیچھے چلے جن کے مال واولاد نے اُن کی نامرادی میں اضافہ ہی کیا ہے اور جنھوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور کہا کہ اپنے اِن معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو، اور نہ ودّ اور سُواع کو چھوڑو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسرا کو چھوڑو۔ اور (اِس طرح) بہتوں کو گمراہ کر ڈالا۔ اور (اب) تو بھی، (اے مالک) اِن ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کر۔‘‘

’’اے مالک، اِن منکروں میں سے تو اب کسی کو زمین پر نہ چھوڑ، اِس لیے کہ تو نے اِنھیں چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو ضرور بہکائیں گے اور (جنیں گے تو تیرے) نافرمان اور منکر ہی جنیں گے۔ میرے مالک، تو مجھے معاف فرما دے، میرے ماں باپ کو معاف فرما دے، اُن سب کو معاف فرما دے جو میرے گھر میں مومن ہو کر داخل ہو جائیں، سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے، اور اِن ظالموں کے لیے (اب) اِن کی بربادی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کر۔‘‘

اس دعا میں اتنی تاثیر تھی کہ ناعمہ اس کے الفاظ کا خود پر صاف اثر محسوس کر رہی تھی۔ ہزار برس کی محنت کے بعد ایک شخص اتنا مایوس ہو چکا تھا کہ اسے اس قوم کی ہدایت کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ حتیٰ کہ نسل در نسل کے تجربات دیکھنے کے بعد اسے یقین ہو چلا تھا کہ ان کی اگلی نسلیں پیدا بھی ہوں گی تو نافرمان ہی پیدا ہوں گی۔ ناعمہ نے سوچا:

’’جو بات میرے دل پر اتنا اثر ڈال گئی ہے۔ وہ اللہ کی بارگاہ تک کیسے نہیں پہنچی ہوگی۔‘‘

....

یہ دونوں ایک دفعہ پھر کشتی پر اسی جگہ اور وقت میں لوٹ چکے تھے۔ عصر نے ناعمہ سے پوچھا:

’’تمھیں سمجھ میں آ گیا کہ بچوں کے لیے یہ سیلاب نجات کیسے بن گیا؟‘‘

پھر وہ اپنے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہوئے بولا:

''اس لیے کہ ان کی سرکشی بہت بڑھ چکی تھی اور ماحول اس درجے میں مخالفت پر مبنی بنا دیا گیا تھا کہ کوئی بچہ نارمل اور غیر جانبدارانہ انداز میں سوچنے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔''

ناعمہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''اس کو ہمارے دور کے اعتبار سے کنڈیشننگ یا برین واشنگ کہتے ہیں۔ مگر پھر بچوں نے ابھی تو کوئی قصور نہیں کیا تھا۔ جو بچے اس وقت موجود ہیں وہ تو معصوم ہیں۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ یہ سزا نہیں نجات ہے۔ سزا قوم کو دی جا رہی ہے۔ بچوں پر تو صرف موت کا وہ قانون لاگو ہو رہا ہے جو ایک روز ہر مخلوق پر ہونا ہی ہے۔ لوگ دنیا میں ہزار طریقوں سے مرتے ہیں۔ ان میں بچے بھی ہوتے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں تھا کہ جراہم کی بیٹی امورہ بھی مری تھی۔''

''ہاں دیکھا تھا۔''

''تو بس ایسا ہی معاملہ ان بچوں کا ہے۔ ان کی عمر ہی اتنی طے کر دی گئی تھی۔ ان پر نہ عذاب کے فرشتے آئیں گے نہ آخرت میں انہیں کوئی سزا ملے گی۔ سزا صرف باشعور لوگوں کے لیے ہے۔ اور جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اور خود تم سیدنا نوح علیہ السلام کی زبانی سن چکی ہو۔ یہ سرکش و سنگ دل لوگوں کو سزا دی جا رہی ہے۔ ایسے عذاب صرف اور صرف رسولوں کی اقوام پر آتے ہیں۔ جن پر اتمام حجت کے ذریعے سے بات اتنی واضح کر دی جاتی ہے کہ وہ کسی غلطی کی بنا پر انکار نہیں کرتے بلکہ پورے شعور اور ارادے کے ساتھ اللہ کے رسول کے سامنے بغاوت کر دیتے ہیں۔ یہ اسی کی سزا ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہی معاملہ یہاں موجود حیوانات کے ساتھ ہوا ہے جو اس سیلاب

میں مارے جائیں گے۔ انہیں عذاب میں ہلاک نہیں کیا جارہا بلکہ ان کی موت کا یہی وقت متعین تھا۔''

ناعمہ نے ذہن کے کسی گوشے میں موجود ایک اور سوال کو سامنے لاتے ہوئے کہا۔

عصر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''تم نے بالکل ٹھیک سمجھا۔''

عصر نے ابھی یہ جملہ کہا ہی تھا کہ اچانک کشتی کو جھٹکا لگا۔ پانی کی ایک زوردار لہر آئی اور کشتی میں حرکت شروع ہوگئی۔ ناعمہ نے نیچے دیکھا۔ نیچے کھڑے ہوکر مدد کے لیے چلانے والے لوگ اس بڑی لہر کی نذر ہو گئے جو شہر کی سمت سے آئی تھی۔ اس نے شہر کی سمت دیکھا۔ لمحہ بھر کی چمکتی بجلی میں نظر آیا کہ شہر کے آثار پانی میں ڈوب چکے ہیں۔ ہر طرف پانی پھیل چکا ہے اور اس پانی میں آہستہ آہستہ کشتی نے اپنا سفر شروع کر دیا ہے۔ ناعمہ نے روشنی میں یہ بھی دیکھا کہ کشتی میں بھی کافی پانی کھڑا ہو چکا ہے۔ گرچہ اس میں بنے سوراخوں سے پانی مسلسل باہر جا رہا تھا۔ مگر بارش اتنی تیز تھی کہ پانی کی مقدار یہاں بھی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ ناعمہ نے باہر دیکھتے ہوئے کہا:

''شہر تو ڈوب چکا ہے۔''

''ہاں، مگر سب لوگ ابھی نہیں مرے۔ یہ لوگ بڑے جاندار ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد پہاڑوں پر چڑھ چکی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بارش تھوڑی دیر میں رک جائے گی۔ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچے گا اور یہ لوگ بچ جائیں گے۔''

عصر نے جواب دیا۔ ناعمہ نے عصر کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس دوران میں بادلوں کی سیاہی کچھ چھٹ چکی تھی۔ بارش کی شدت قدرے کم ہوئی تھی، مگر تھوڑی ہی دیر میں ناعمہ کو اندازہ ہوگیا کہ یہ کمی صرف اس لیے تھی کہ کشتی میں موجود پانی کی سطح بڑھنے نہ پائے۔ ورنہ باہر کے

حساب سے ابھی اوپر بے پناہ پانی برس رہا تھا اور نیچے سے بھی لگتا تھا کہ زمین اپنا سارا پانی آج ہی اگلنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ پانی ایک دم سے بھرنے کی کئی وجوہات تھیں۔ ایک تو انتہائی تیز رفتار بارش۔ دوسرے پہاڑی پانی کا ریلا جو ہر چیز کو بہا کر لے گیا۔ تیسرے میدانی زمین جتنا پانی جذب کر سکتی تھی اس سے کہیں زیادہ پانی برس رہا تھا اس لیے زمین کی پانی جذب کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی تھی۔ پھر جیسے جیسے پانی کی سطح اور اس پر موجود کشتی بلند ہوتی جا رہی تھی ناعمہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ بارش کسی چھوٹے علاقے میں نہیں ہو رہی بلکہ دور دور تک ایسی ہی یا اس سے کہیں زیادہ تیز بارش ہو رہی ہے۔

سیاہی کم ہونے سے روشنی کافی بڑھ چکی تھی۔ ناعمہ نے دور تک نظر دوڑائی۔ جنگل پانی سے ڈھک چکا تھا۔ پانی کا سیلاب شہر کو بھی نگل چکا تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی اور بلند بالا موجیں نظر آ رہی تھیں۔ ان کے درمیان وہ کشتی اوپر نیچے ہوتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کشتی کے علاوہ چند پہاڑ ابھی تک پانی کی اس یلغار کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے۔ ناعمہ نے دیکھا کہ انہی پہاڑوں میں سے ایک پر کچھ لوگ بیٹھے ہیں۔ وہ غالباً پہاڑ پر چڑھ کر بارش کے بند ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ روشنی کے نمودار ہونے اور بارش کے زور کے ذرا کم ہونے سے انہیں یہ حوصلہ ہو رہا تھا کہ اب بارش رکا ہی چاہتی ہے۔ انہی لوگوں کے درمیان ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر عصر نے کہا:

''یہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان ہے۔ یہ کافر ہی رہا اور آخری وقت تک کشتی میں نہیں آیا۔''

اسی دوران میں اسے حضرت نوح علیہ السلام نے بھی دیکھ لیا۔ اسے دیکھ کر وہ بے اختیار چلائے۔

''اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور ان کافروں کا ساتھ نہ دے۔''

وہ بولا:

''میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

''آج اللہ کے قہر سے بچانے والا کوئی نہیں ہے سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔''

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک تیز رفتار موج بیچ میں حائل ہوگئی۔ موج ہٹی تو ناعمہ نے دیکھا کہ وہ لہر اپنے ساتھ پہاڑ پر پناہ لیے ہوئے تمام لوگوں کو بہا کر لے گئی۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ ناعمہ کو نہیں معلوم کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیا دعا کر رہے تھے۔

عصر اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر بولا:

''تم نے دیکھا کہ اللہ کا انصاف کتنا بے لاگ ہے۔ اگر پیغمبر کا بیٹا بھی مجرم ہے تو اس کو بھی نہیں چھوڑا جاتا۔ اور کسی کی کیا حیثیت ہے۔''

''بے شک۔''

ناعمہ نے مختصر جواب دیا۔ اس پر اس ماحول اور پیش آنے والے واقعات کی ہیبت اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اس کے منہ سے کچھ اور نہیں نکل سکا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ پانی نے تمام پہاڑوں کی چوٹیوں کو ڈھانک لیا۔ اب صرف کشتی تھی یا دور دور تک پھیلا ہوا پانی کا سمندر۔ یہ سمندر وہ تھا جس کا کوئی کنارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

ناعمہ یہ منظر دیکھ رہی تھی اور ایک عجیب کیفیت کا شکار تھی۔ اس نے موت، عذاب، طوفان جیسی چیزوں کا نام سنا تھا۔ مگر آج پہلی دفعہ جس ہولناکی کے ساتھ ان چیزوں کو ایک ساتھ جمع ہوتے دیکھا تھا اس سے ناعمہ کے اوسان خطا تھے۔ کشتی نوح علیہ السلام موت اور عذاب کے سمندر سے گزرتی ہوئی اور طوفان کی ہر سختی کو جھیلتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی۔

....

چھٹا باب

لمبے انسان اور تند آندھی

عصر اور ناعمہ دونوں خاموشی سے کھڑے ہوئے تھے۔عصر ناعمہ کے چہرے کو دیکھ رہا تھا جو گہری اداسی کے احساس میں ڈوبا ہوا تھا۔ بلا شبہ ان سارے واقعات نے ناعمہ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔عصر کو محسوس ہوا کہ ناعمہ کی توجہ دوسرے حقائق کی طرف دلانا ضروری ہے۔

''ناعمہ !تم نے قیامت صغریٰ دیکھ لی۔ یہ دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے مجرم کو کس طرح ہلاک کرتے ہیں اور کس طرح اہل ایمان کو اپنے عذاب سے بچاتے ہیں۔اب یہ بھی دیکھ لو کہ کس طرح وہ انہیں زمین کا اقتدار دے کر حکمران بنا دیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ ناعمہ کی طرف بڑھایا۔ناعمہ نے خاموشی سے اپنا ہاتھ عصر کے ہاتھوں میں تھما دیا۔عصر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کشتی پر چلنے لگا۔ایک دفعہ پھر منظر، پہر اور دن تیزی سے بدلنے لگے۔ چند قدم بعد وہ رکا تو ناعمہ نے دیکھا کہ وہ دونوں ابھی تک کشتی پر کھڑے ہیں۔مگر یہ کشتی ایک پہاڑ پر کھڑی ہوئی ہے۔ پانی اتر چکا ہے۔

عصر نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''دیکھو وہ رہی انسانوں کی نئی بستی۔ یہی انسان مزید بستیاں بنائیں گے۔نوح علیہ السلام کے تین بیٹے یعنی سام، حام اور یافث جو ایمان لائے اور ان کے ساتھ کشتی پر سوار ہو گئے تھے ان

سے نوع انسانی کی بڑی نسلیں وجود میں آئیں گی۔ یہ تینوں نئی نسلوں کے سردار ہوں گے۔ اس دنیا میں بھی یہ زمین کے وارث ہوں گے اور آنے والی دنیا میں بھی یہ زمین کے حکمران ہوں گے۔''

''اور جراہم اور ان کی بیوی۔''

''جراہم کی بیوی پھر امید سے ہے۔ اس دفعہ اس کے ہاں اولا دنرینہ ہوگی جس سے ایک بڑا قبیلہ وجود میں آئے گا۔ جراہم بھی اپنے قبیلے کا سردار ہوگا۔ یہ کمزور اور ضعیف اہل ایمان جنھیں ان کی بستی کے لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے اب بڑے اور طاقتور قبیلوں کے سردار بنیں گے۔ یہی نہیں ان کی نیکیوں اور ایمان کا پھل ان کی اولادیں بھی کھائیں گی۔ حام کی نسل افریقہ کو آباد کرے گی۔ ان میں عظیم تہذیبیں اور سلطنتیں وجود میں آئیں گی۔ پھر سامی نسلیں دنیا پر حکومت کریں گی۔ یہ مشرق وسطیٰ میں آباد ہوں گے۔ ان میں عظیم تہذیبیں اور عظیم پیغمبر پیدا ہوں گے۔ آخری زمانے میں یافث کی نسلیں دنیا پر حکومت کریں گی۔ اس کے بعد قیامت آئے گی اور صالحین کے ہاتھ میں دنیا کا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دے دیا جائے گا۔''

''کتنی عجیب بات ہے یہ۔ کتنی ناقابل یقین لگتی ہے یہ داستان۔ کل تک جو لوگ پس رہے تھے وہ آج کے بعد بادشاہ ہوں گے۔ یہ تو دیکھتے ہی دیکھتے معجزہ ہوگیا۔''

ناعمہ نے تعجب آمیز لہجے میں کہا، تو عصر نے جواب دیا:

''تمھارے لیے دیکھتے ہی دیکھتے ہوا ہے۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھو جو ساڑھے نو سو برس تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے ہیں۔''

''ہاں تم نے ٹھیک کہا، مگر ساڑھے نو سو برس بھی تو گزر ہی گئے۔ کتنے دھوکے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے سچائی کا انکار کر دیا تھا۔''

''چلو اچھا ہوا ہماری ناعمہ اب وہ زبان بولنے لگی جو اس کے رب کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ یہی تو کہتے ہیں کہ یہ دنیا دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

ناعمہ نے اعتراف میں سر جھکاتے ہوئے کہا:

''ہاں اب یہ میری یہ سمجھ میں آ گیا ہے۔''

''تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ معجزہ قیامت کے آنے اور خدا کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ خدا رسول کی زبان سے نہ صرف سچ سامنے لاتا ہے بلکہ اس سچائی کا وہ ناقابل تردید ثبوت قائم کر دیتا ہے کہ کوئی کبھی اس کا انکار ہی نہیں کر سکتا۔ رسول کے نہ ماننے والوں کو دنیا ہی میں سزا دے کر اور ماننے والوں کو بچا کر خدا یہ بتا دیتا ہے کہ وہ ایک زندہ و جاوید حقیقت ہے۔ پھر یہ سزا و جزا اس بات کا ثبوت بن جاتی ہے کہ پیغمبروں کی بات اگر دنیا میں سچ ثابت ہوئی ہے تو آخرت میں بھی ہوگی۔ دنیا میں سزا و جزا ہوئی ہے تو آخرت میں بھی ہوگی۔ اپنی سچائی پر یہ اعتماد پیغمبروں کو پہلے دن سے ہوتا ہے۔ اسی اعتماد کے سہارے وہ تن تنہا پوری دنیا سے ٹکرا جاتے ہیں۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ مالک کائنات انہیں بچا لے گا۔''

عصر بول رہا تھا اور ناعمہ یکسوئی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''تم نے دیکھا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے تنہا ہونے کے باوجود کس طرح کفار کو چیلنج دیا تھا۔ ہر رسول اسی چیلنج کے ساتھ آتا ہے۔ ساری زندگی وہ چیلنج دیتا رہتا ہے۔ عذاب کی دھمکی دیتا ہے۔ مگر کفار اس کا بال تک بیکا نہیں کر پاتے۔ تم حضرت نوح علیہ السلام کی دعا میں سن چکی ہو کہ ان لوگوں نے ان کے خلاف طرح طرح کی چالیں چلیں، مگر وہ اپنے عزائم میں اس لیے کامیاب نہیں ہو سکے کہ رسول اللہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کھڑے ہوتے ہیں۔ یاد رکھو جس وقت رسول آتا ہے وہ وقت انسانی تاریخ کا اہم ترین وقت ہوتا ہے۔ آسمان سے زمین تک خصوصی فرشتے تعینات

ہوتے ہیں۔ وہ فرشتے وحی کی بھی حفاظت کرتے ہیں اور صاحب وحی رسول کی بھی۔‘‘

’’اور یہ وقت تم ہی ہو۔ یعنی العصر۔ وہی عصر جس کی قسم قرآن میں کھائی گئی ہے۔‘‘

’’ہاں میں وہی عصر ہوں۔ میں ہی وہ زمانہ ہوں جس کی قسم کھائی گئی ہے۔ اور اب غالباً تمھیں سورہ العصر کا مطلب سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ کیوں اللہ میری یعنی رسولوں کے زمانے کی قسم کھا کر یہ کہتے ہیں کہ انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔ تم نے دیکھ لیا کہ قوم نوح علیہ السلام کے سردار خسارے میں پڑ کر رہے۔ سوائے ان اہل ایمان کے جو عمل صالح کرتے رہے، حق کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔ سام، حام، یافث، جراہم اور ان کی بیویوں کی طرح۔‘‘

ناعمہ کو ایسا لگا جیسے آسمان سے زمین تک نور پھیل گیا ہے۔ قرآن مجید کی سچائی اس طرح اس کے سامنے آئی تھی کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بے اختیار سجدے میں گر گئی۔ پھر وہ اٹھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بولی:

’’کتنا سچا ہے رب کا کلام۔ کاش کوئی مجھے پہلے اس طرح سمجھا دیتا تو میں کبھی کی ایمان لا چکی ہوتی۔‘‘

’’چلو اب تو سمجھ میں آ گیا۔‘‘

’’ہاں نہ صرف سمجھ میں آ گیا بلکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسولوں کا زمانہ خدا اور قیامت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ وہ ثبوت اس وقت میرے سامنے ہے۔‘‘

ناعمہ نے نیچے موجود بستی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں قوم نوح علیہ السلام کے مسکین لوگ اب سرداروں کی حیثیت میں موجود تھے۔ لہلہاتی ہوئی فصلیں ان پر خدا کی رحمت و برکت کا ثبوت تھیں۔ ان کے بیوی بچے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر ان کے سامنے موجود تھے۔

ناعمہ کی بات سن کر عصر نے کہا:

”مگر ناعمہ......“

عصر نے اپنا جملہ پورا نہیں کیا بلکہ ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہوگیا۔

”مگر کیا؟“، ناعمہ نے پوچھا۔

”مگر یہ کہ ایک دفعہ پھر انسان نعمتیں پاکر رب کو بھول جائیں گے۔ ان کی یہی نسلیں خدائی سزا و جزا کے اس تاریخی واقعے کو بھول جائیں گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ قیامت صغریٰ تاریخ کا حصہ بن جائے گی۔ لوگ اسے بس ایک طوفان کے طور پر یاد رکھیں گے اور بھول جائیں گے اصل میں کیا ہوا تھا۔ شیطان انہیں گمراہ کردے گا۔ یہ شرک کریں گے۔ بت پرستی کریں گے۔ ظلم اور فساد برپا کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ پھر اپنے پیغمبر بھیجیں گے۔ پیغمبر پھر جھٹلائے جائیں گے۔ پھر ایسی ہی قیامت صغریٰ ان اقوام کے لیے بھی برپا کی جائیں گی۔“

”وہ کون سی اقوام ہیں۔“

”ان گنت قومیں ہیں جہاں پر رسول آئے اور پھر دنیا ہی میں سزا و جزا برپا ہوگئی۔ مگر چونکہ تم مسلمان ہو۔ اس لیے میں صرف ان اقوام کے ادوار میں لے چلتا ہوں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔“

”سو پہلے ہم کہاں جائیں گے؟“

”ہم تمھارے زمانے کے سعودی عرب کے جنوبی علاقے کی طرف جائیں گے۔ وہاں اب تو ایک بے آب گیاہ اور وسیع و عریض ہیبت ناک صحرا کے سوا اور کچھ نہیں، مگر قوم عاد کے زمانے میں وہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔“

ناعمہ اپنے وسیع مطالعے کی بنا پر جغرافیے اور تاریخ سے بھی کچھ نہ کچھ واقف تھی اس لیے حیرت اور استعجاب کے عالم میں بولی:

''اچھا! میں نے تو پڑھا تھا کہ یہ قوم بڑی طاقت ور تھی۔''

''ہاں اور اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی کہ ان طاقتوروں کے ساتھ کیا ہوا۔''

....

ناعمہ نے اپنی زندگی میں اتنا تنومند، طاقتور اور طویل القامت شخص نہیں دیکھا تھا۔ وہ شخص باغ میں کھڑا درختوں سے پھل توڑ رہا تھا۔ مگر اس مقصد کے لیے نہ اسے درختوں پر چڑھنے کی حاجت محسوس ہوئی تھی نہ ہاتھ میں کوئی ڈنڈا لے کر اس سے پھل گرانے کی ضرورت تھی۔ پتھر مار کر پھل گرانے کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ اس نے تو بس ہاتھ بڑھایا اور درخت سے پھل توڑ لیے۔ ناعمہ اگر اپنے زمانے میں پائے جانے والے استثنائی طور پر لمبے لوگ نہ دیکھ چکی ہوتی تو کبھی اس بات پر یقین نہیں کرتی کہ کوئی شخص اتنا لمبا بھی ہوسکتا ہے۔

ناعمہ اس وقت عصر کے ساتھ قوم عاد کے علاقے میں کھڑی تھی۔ موجودہ عرب کے انتہائی ہیبت ناک صحرا کے مقابلے میں یہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ یہ دونوں اس علاقے کی مرکزی بستی سے باہر ایک باغ میں کھڑے ہوئے تھے۔ عصر نے اسے براہ راست بستی میں لے جانے کے بجائے بستی سے باہر رکھا تھا۔ یہاں باغوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ جگہ جگہ چشمے پھوٹ رہے تھے اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ پانی کی یہی فراوانی تھی جس نے اس علاقے کو گل و گلزار بنا رکھا تھا۔ ناعمہ یہ رونق اور شادابی دیکھتی جا رہی تھی اور عصر تفصیل کے ساتھ ناعمہ کو قوم عاد کا پس منظر بتا رہا تھا۔

عصر نے اسے بتایا کہ قوم عاد بلکہ عرب کی کم و بیش تمام اقوام ہی حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے تھے۔ اسی لیے ان کو سامی اقوام کہا جاتا ہے۔ قوم عاد سام کے بیٹے ارم کی اولاد میں سے تھے جو آہستہ آہستہ زمانہ قبل از تاریخ کی ایک بہت بڑی اور طاقت ور قوم بن چکے تھے۔ طاقت، رفاہیت اور خوشحالی آنے کے بعد انہیں اپنے رب کا زیادہ شکر گزار بننا چاہیے تھا، مگر

اس کے بجائے یہ سرکش و جبار بن گئے۔ ایک طرف شرک و بت پرستی ان کے ہاں عروج پر پہنچ گئی تو دوسری طرف ظلم و سرکشی اور کمزوروں کے ساتھ زیادتی ان کا معمول تھی۔ مال و دولت کی کثرت اور جسمانی طاقت کی برتری کی بنا پر ان کا پسندیدہ شغل یہ تھا کہ اونچی اونچی عمارات تعمیر کرتے۔

عصر کی بات سن کر ناعمہ نے کہا۔

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ عمارتوں میں ستونوں کا استعمال سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا تھا۔''

عصر نے اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے جواب دیا:

''ہاں، تم نے ٹھیک کہا۔ دنیا میں ستونوں کی مدد سے اونچی اونچی عمارات بنانے کا فن سب سے پہلے انہوں نے ہی ایجاد کیا تھا۔ جس کی مدد سے بلند جگہوں پر اپنے فن تعمیر کی علامت کے طور پر شاندار تعمیرات اور اپنے لیے عالیشان محلات بنا کر رہا کرتے تھے۔ صحت اور جسمانی قوت کی بنا پر بیماریاں کم تھیں اس لیے آبادی بھی خوب پھل پھول رہی تھی۔''

یہ باتیں کرتے ہوئے عصر اور ناعمہ ایک باغ کے قریب پہنچے تو وہ شخص ناعمہ کو نظر آیا جو اطمینان کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر باغ کے درختوں سے پھل توڑ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ وہ شخص بہت بھوکا ہے اس لیے جلدی جلدی پھل توڑ کر ساتھ ساتھ تیزی سے انہیں کھا بھی رہا تھا۔ مگر اس کی جلدی کا ایک اور سبب بھی تھا جو تھوڑی ہی دیر میں ناعمہ کو معلوم ہو گیا۔ یہ باغ اس شخص کا نہیں تھا بلکہ باغ کا مالک کوئی اور تھا اور یہ شخص پھل چرا کر کھا رہا تھا۔

یہ بات ناعمہ پر ایسے واضح ہوئی کہ اچانک باغ سے ایسے ہی قد و قامت کے دو تین لوگ نکلے اور تیزی سے اس شخص کے پیچھے دوڑے۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا۔ جس کے بعد ان لوگوں نے انتہائی بے رحمی سے اسے مارنا شروع کر دیا۔ وہ شخص چیخ رہا تھا، رحم کی بھیک مانگ رہا تھا، مگر مارنے والے رحم کے ہر جذبے سے خالی تھے۔ وہ شخص بری طرح زخمی ہو کر زمین

پر گر چکا تھا اور تھوڑی دیر میں اس میں چیخنے کی سکت بھی ختم ہوگئی۔ مگر باغ والوں کا غصہ کم نہیں ہوا۔ وہ اس کے بعد بھی اسے مارتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل بے حس وحرکت ہوگیا۔ ناعمہ سمجھ گئی کہ وہ شخص بے ہوش ہو چکا ہے۔ اسے خیال ہوا کہ اب یہ اسے چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ اب وہ تینوں اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ چکے تھے۔ مگر پھر ناعمہ نے وہ منظر دیکھا جس نے اس کو ہلا کر رکھ دیا۔ ان تینوں میں سے ایک شخص نے قریب پڑا ایک بہت بھاری پتھر اٹھایا اور اس سے پھل توڑنے والے کا سر کچل ڈالا۔

یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر ناعمہ لرز اٹھی اور بے اختیار اس طرف اپنی پشت کر لی۔ پھر لرزتی ہوئی زبان سے عصر سے بولی۔

''یہاں سے فوراً چلو۔''

عصر نے اس کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھ گیا۔ ناعمہ کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس کی سسکیاں بندھی ہوئی تھیں اور ایسا لگتا تھا کہ وہ ابھی چیخ چیخ کر رونا شروع کر دے گی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ صرف پھل توڑنے کے جرم میں کسی کو اس بے رحمی سے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ آخر کار اس سے ضبط نہیں ہو سکا اور وہ ایک جگہ بیٹھ کر واقعی رونا شروع ہوگئی۔ عصر بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ناعمہ کا دل ہلکا ہوا تو وہ عصر سے بولی:

''یہ انسان ہیں یا وحشی۔ کوئی اس طرح بھی کر سکتا ہے؟''

''یہ انسان ہیں اور اپنے زمانے کی انتہائی متمدن قوم ہیں۔ مگر یہ بے حد ظالم بھی ہیں۔ یہ جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہیں تو ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ اردگرد کے سارے قبائل کو انھوں نے کچل ڈالا ہے۔ اپنی قوم کے کمزور بھی ان کے ظلم سے محفوظ نہیں ہیں۔''

''تو کوئی انہیں سمجھاتا نہیں۔''

''کون سمجھائے گا۔ ایک طرف امراء ہیں جنہیں اپنے عیش و عشرت سے فرصت نہیں۔ معاشرے کے خیر و شر سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ دوسری طرف مذہبی پیشوا ہیں۔ انہوں نے اخلاقی اقدار کی ترویج کے بجائے بت پرستی کو کاروبار بنالیا ہے۔ امراء سے نذرانے لے کر ان کے ہر ظلم و ستم کو سند جواز عطا کر دینا ان کا کام ہے۔ یہ کچھ بھی کرلیں، اس کے بعد جا کر اپنے جھوٹے معبودوں کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں، مذہبی پیشواؤں کو نذرانے پیش کر دیتے ہیں۔ اس طرح دل پر کوئی بوجھ بھی نہیں رہتا۔''

عصر نے معاشرے کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا:

''مگر اب حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی عدالت لگا دی ہے۔ پروردگار عالم کے یہ جلیل القدر رسول اپنی قوم میں دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر چکے ہیں۔ ان کا پہلا ہدف شرک اور مذہبی پیشوائیت ہے۔ ساتھ ہی وہ قوم کے ظلم و ستم، عیاشی و بدکرداری پر بھی توجہ دلا رہے ہیں۔''

''تو پھر قوم نے کیا جواب دیا؟''

''آؤ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو انہیں کیا جواب ملا۔''

یہ کہتے ہوئے عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور تھوڑی دیر میں وہ بستی کے اندر پہنچ چکے تھے۔

....

حضرت ہود علیہ السلام ایک انتہائی حسین اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے۔ قد و قامت تو ویسا ہی تھا مگر ان کا رنگ و روپ خوب سرخ و سفید تھا۔ دیکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اس وقت ایک چوپال میں اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عصر اسے بتا چکا تھا کہ سیدنا ہود علیہ السلام خود بھی قوم کے سب سے بڑے اور باعزت قبیلے خلود کے ایک فرد تھے۔

ان کی ذاتی حیثیت ، وجاہت اور خاندانی وقار کی بنا پر ان کا ایک عمومی احترام تھا۔مگر دعوت حق شروع کرنے کے بعد صورتحال یہ تھی کہ قوم نے ان کا انکار کر دیا۔ یہ کشمکش کافی عرصے سے چل رہی تھی ،مگر قوم کسی دلیل سے مان ہی نہیں رہی تھی ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق فیصلہ کن عذاب دینے سے قبل ان پر خشک سالی مسلط کر دی تھی ۔اس برس بارشیں نہیں ہوئیں جس سے پیداوار کچھ کم ہوئی تھی ،مگر قحط کی کیفیت نہیں تھی کیونکہ ابھی ان کے چشمے خشک نہیں ہوئے تھے۔

عصر نے اسے بتایا تھا کہ باغ میں اس شخص کے چوری سے پھل توڑنے اور جواب میں اسے مار ڈالنے جیسے سنگین جرم کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس دفعہ پیداوار کچھ کم ہوئی تھی ۔ یہ مصیبت اس لیے تھی کہ قوم شاید اصلاح پر آمادہ ہو جائے ۔ چنانچہ اسی جذبے سے سیدنا ہود علیہ السلام اس وقت سرداروں کی مجلس میں ایک دفعہ پھر انہیں سمجھانے آئے تھے۔اب ناعمہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی کہ انہیں کیا جواب مل رہا تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام انہیں توحید کی دعوت دے رہے تھے اور بتوں کی بے وقعتی پر قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔مگر ان کی باتوں سے قوم کے سرداروں کا پارہ آسمان پر جا پہنچا تھا۔ ان میں سے ایک نے کہا:

’’ہود یہ بے وقوفی کی باتیں بند کرو۔تم یا تو احمق ہو یا جھوٹے ۔ یہ ہمارے معبود ہیں جن کی ہمیشہ سے عبادت ہوتی رہی ہے۔‘‘

حضرت ہود علیہ السلام نے بڑی نرمی اور ملائمت سے سمجھاتے ہوئے کہا:

’’بھائی ایسا نہیں ہے۔میں احمق نہیں ہوں بلکہ تمھارے رب کا فرستادہ ہوں۔میں تو اس کا پیغام تم تک پوری دیانتداری اور احساس ہمدردی کے ساتھ پہنچا رہا ہوں۔میں اس کام کا کوئی

بدلہ بھی تم سے نہیں چاہتا۔ دیکھو تم جانتے ہو کہ تم نوح علیہ السلام کی اولاد ہو۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ قوم نوح کو کس طرح اسی بت پرستی کے جرم میں ہلاک کیا گیا۔ اس کے بعد تمھیں اللہ نے اتنی قوت و طاقت عطا کی۔ باغ و چشمے عطا کیے۔ مال و اولاد سے نوازا۔ بارشیں برسائیں، پیداوار کی کثرت کی۔ اب چاہیے کہ اسی ایک رب کی تم عبادت کرو جس نے یہ سب کچھ عطا فرمایا۔"

اس پر ایک اور سردار بولا:

"میاں جانے دو یہ باتیں۔ یہ ہمارے ان داتاؤں اور بتوں کی بخشش ہے۔ یہی ہمیں سب دیتے ہیں اور ہماری ہر مشکل دور کرتے ہیں۔ یہی اب ہماری اس مشکل کو ٹالیں گے۔ تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

حضرت ہود علیہ السلام نے جواب دیا۔

"میرے بھائی یہ کچھ نام ہیں جو تم نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ جیسا نام رکھ لینے اور کسی کی طرف کچھ صفات منسوب کر دینے سے وہ اللہ جیسا نہیں ہو جاتا۔ یہ نام تمھاری ایجاد ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری۔ دیکھو مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر تمھارے جرائم کی بنا پر کوئی بڑا عذاب نہ آجائے۔ اس لیے اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا رحیم ہے۔ تمھیں اس سے بھی زیادہ دے گا۔ ڈھیروں بارشیں ہوں گی اور تمھاری قوت اس سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی۔"

اپنے خود ساختہ معبودوں کے بارے میں حضرت ہود علیہ السلام کے الفاظ سن کر ایک سردار انتہائی غضبناک انداز میں کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا:

"بند کرو یہ فضول باتیں۔ یہ ساری اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ اب تم اپنی خیر مناؤ۔ ہمیں تو لگتا ہے کہ تم پر ہمارے کسی معبود کی پھٹکار پڑ گئی ہے اور......"

اپنا جملہ نامکمل چھوڑ کر اس نے اپنا ہاتھ میان میں موجود اپنی تلوار پر رکھ لیا۔ اس کا چہرہ اس

غضب کا عکاس تھا جو اس کے اندر سے ابل رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ تلوار میان سے نکالے اور سیدنا ہود علیہ السلام پر حملہ کر دے، مگر نجانے کون سی طاقت تھی جس نے اسے تلوار میان سے نکالنے سے روک رکھا تھا۔ مگر اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے بھی یہ بات محسوس کر لی تھی مگر اللہ کے اس جلیل القدر رسول نے انتہائی اطمینان کے ساتھ بغیر کسی خوف کے جواب دیا:

''میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم اللہ کا شریک سمجھتے ہو میں اس جرم عظیم سے بری ہوں۔ اب تم ایسا کرو کہ سب مل جاؤ اور میرے خلاف جو اقدام اٹھانا ہے اٹھالو۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا اور تمھارا رب ہے، ہر چیز پر اسی کا حکم چلتا ہے اور ہر چیز اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اب تم نے جھٹلا دیا ہے تو جان لو میں نے تمھیں پیغام رسالت پہنچا دیا ہے۔ اب تمھاری جگہ دوسری قوم کو اقتدار دے دیا جائے گا اور تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ میرا رب ہر چیز پر نگران ہے۔ اب میں بھی انتظار کرتا ہوں اور تم بھی انتظار کرو۔''

یہ کہہ کر سیدنا ہود علیہ السلام اٹھے اور اطمینان کے ساتھ چلتے ہوئے باہر چلے گئے۔ ان کے ساتھ دو تین لوگ اور بھی اٹھے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے پڑے۔

ناعمہ نے عصر سے پوچھا:

''یہ کون لوگ ہیں؟''

عصر نے جواب دیا۔

''یہ ان کے گنتی کے چند پیروکاروں میں سے کچھ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف سیدنا ہود علیہ السلام نے اشارہ کیا تھا کہ اب ایک دوسری قوم کو عاد کی جگہ اقتدار دیا جائے گا۔ یہ اس قوم کے ساتھ سیدنا ہود علیہ السلام کی آخری گفتگو ہے۔ اس گفتگو میں فیصلہ کن بات ہوگئی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے نصیحت کو آخری درجہ میں واضح کر دیا اور ان کی قوم جواب میں ان کے قتل کی دھمکی پر اتر آئی ہے۔ یاد رکھو جس وقت کوئی قوم اپنے رسول کو قتل کرنے کا مصمم عزم کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت اس قوم کی مہلت ختم کر دیتے ہیں۔‘‘

’’تو کیا دشمن انہیں مارنے کی کوشش بھی کرتے ہیں؟‘‘

’’کیوں نہیں کرتے۔ ایک شخص مسلسل عذاب کی دھمکی دے رہا ہے۔ ان کے معبودوں کی نفی کر رہا ہے۔ جواب میں قوم کا آخری قدم یہی ہوتا ہے کہ ان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی جائے۔ مگر اللہ کے فرشتے مسلسل رسولوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔‘‘

’’مگر فرشتوں کی یہ حفاظت کیسے ہوتی ہے۔ میں نے فرشتے نہیں دیکھے۔ کیا میں فرشتے دیکھ سکتی ہوں؟‘‘

ناعمہ نے پرشوق انداز میں کہا۔

’’فرشتے تمھیں بعد میں دکھاؤں گا۔ پہلے یہ دیکھ لو کہ یہاں اب کیا ہوتا ہے۔‘‘

....

یہ چوپال والی گفتگو سے اگلا دن تھا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ قوم عاد کے تمام چھوٹے بڑے اپنی بستی کی مرکزی عبادت گاہ میں موجود تھے۔ یہ عبادت گاہ ایک بلند پہاڑی ٹیلے پر واقع تھی اور قوم عاد کے فن تعمیر کا بہترین نمونہ تھی۔ بلند و بالا ستونوں پر قائم یہ عالیشان عمارت زبان حال سے ہر دیکھنے والے کو یہ پیغام دے رہی تھی کہ قوم عاد کو کبھی نہیں مٹنا۔ اس عظمت کو کبھی فنا نہیں ہونا۔ مگر اس وقت قوم کو متوقع قحط سے فنا کا جو خطرہ درپیش تھا اس نے ساری قوم کو یہاں آ کر اپنے جھوٹے معبودوں کے سامنے گڑگڑانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس مقصد کے لیے قوم عاد کے تمام بت سامنے رکھے ہوئے تھے۔ پروہت خصوصی پوجا کروا رہے تھے جس میں بارش کے لیے خصوصی دعائیں کی جا رہی تھیں۔ یہ زمانہ

زرعی دور کا تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ پچھلے برس بارش نہیں ہوئی ہے۔ اس برس تو زمینی پانی خشک نہیں ہوا تھا، مگر دوبارہ بھی بارش نہ ہوئی تو زمین کا پانی خشک ہو جائے گا۔ جس کے بعد قحط کی مصیبت انہیں گھیر لے گی۔ اسی صورتحال سے بچنے کے لیے وہ اپنے معبودوں کو پکار رہے تھے۔

عصر اور ناعمہ بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ مگر وہ اجتماع میں نہیں کھڑے ہوئے تھے بلکہ عصر ناعمہ کو لے کر مندر کی چھت پر چڑھا ہوا تھا۔ یہاں سے ایک طرف یہ پوجا پاٹ نظر آ رہی تھی اور دوسری طرف تمام بستی اور ارد گرد کا تمام علاقہ نظروں کے سامنے تھا۔ اس وقت وہ ناعمہ کو کل شام کو پیش آنے والے ان واقعات کے بارے میں بتا رہا تھا جس کا اسے علم نہیں تھا۔

اس نے بتایا کہ کل شام کی گفتگو میں حضرت ہود علیہ السلام کے جانے کے بعد ان کی قوم کے سرداروں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بس بہت ہو چکی۔ جو چیلنج حضرت بھری مجلس میں انہیں دے کر گئے تھے، اس کے بعد یہ ان کی عزت کا مسئلہ تھا کہ حضرت ہود علیہ السلام کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے اسی رات کو فیصلہ کر لیا گیا۔ مگر ان احمقوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اصل فیصلہ ان کے ختم کیے جانے کا ہو چکا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے آنے سے قبل حضرت ہود علیہ السلام کو فوراً ہجرت کا حکم دے دیا۔ وہ سورج ڈوبتے ہی اپنے اہل ایمان ساتھیوں کے ساتھ بستی سے نکل گئے۔ قوم عاد کے سردار جب ان کے گھر پہنچے تو وہاں کسی کو نہیں پایا۔ چنانچہ وہ ہاتھ ملتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ آئے، مگر وہ اس سے بے خبر تھے کہ اگلی صبح ان کے لیے کیا قیامت لے کر آنے والی ہے۔ جبکہ اس قیامت سے قبل حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھی بستی سے بہت دور جا چکے تھے۔

عصر اور ناعمہ ایسی جگہ پر کھڑے تھے جہاں سے ایک طرف بستی کا منظر نظر آ رہا تھا تو دوسری طرف دور دور تک پھیلے باغات اور میدان کا منظر تھا۔ مطلع صاف تھا اور سورج کی روشنی میں ہر منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ اس بلندی سے ناعمہ کو اندازہ ہوا کہ واقعی قوم عاد کے گھر بڑے اونچے

اونچے تھے۔ گوطرز تعمیر ناعمہ کے دور جیسا تو ہر گز نہیں تھا مگر اپنے دور کے اعتبار سے بلاشبہ وہ بہت آگے کھڑے تھے۔ ناعمہ سوچ رہی تھی کہ مضبوط اور بلند عمارات پر مشتمل یہ بستی کس طرح تباہ ہوگی۔ کیا طوفان آئے گا یا زلزلہ یا کچھ اور ہوگا۔ اس کا ناعمہ کو اندازہ نہیں تھا۔

اس نے عصر سے سوال کیا۔

''یہ قوم کیسے تباہ ہوگی؟''

عصر نے جواب دیا۔

''جلدی کیا ہے۔ جو بھی ہوگا ابھی تمھارے سامنے ہی ہوگا۔ دیکھتی جاؤ۔''

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ عصر نے ایک سمت اشارہ کیا۔ دور افق پر بادل نمودار ہوئے۔ رفتہ رفتہ یہ بادل قریب آنے لگے۔ پوجا میں مصروف لوگوں میں سے بھی کسی نے نظر اٹھا کر یہ بادل دیکھ لیے۔ تھوڑی ہی دیر میں شور مچ گیا۔

یہ دیکھ کر عصر نے کہا:

''یہ احمق سمجھ رہے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ ان کے بتوں نے ان پر بارش لانے والے بادل بھیج دیے ہیں۔ مگر ان کو نہیں معلوم تھا کہ ان بادلوں میں بارش نہیں ہے۔ بلکہ عذاب الٰہی ہے۔''

ناعمہ نے عصر کی بات سن کر مجمع کو غور سے دیکھا۔ تمام لوگ خوشی و سرشاری کے عالم میں چلا رہے تھے۔ وہ اپنے بتوں کی مدح سرائی میں نعرے لگا رہے اور ان کی حمد میں نغمے گا رہے تھے۔ بہت سے لوگ خوشی کے عالم میں میدانوں اور اپنے گھروں کی طرف دوڑ گئے۔ پروہت ہاتھ ہلا ہلا کر مجمع کو اپنی صداقت اور مقبولیت کا یقین دلا رہے تھے۔ کچھ لوگ بتوں کے قدموں میں گر کر ان کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔

ایک طرف یہ ہنگامہ جاری تھا تو دوسری طرف بادل انتہائی تیزی سے بستی کی سمت آرہے تھے۔ پھر سماں ایک دم سے بدلنا شروع ہو گیا تھا۔ سورج بادلوں میں چھپ چکا تھا۔ دھیمی دھیمی غیر محسوس ہوا اب تیز اور خنک ہو چکی تھی۔ عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھام کر کہا:

''میرا ہاتھ مت چھوڑنا۔ اب وہ آندھی شروع ہو رہی ہے جو آٹھ دن اور سات راتوں تک مستقل چلتی رہے گی۔ یہ اس قدر ہولناک اور تیز ہوگی کہ تم تصور نہیں کر سکتیں۔''

ناعمہ اس عذاب کی طوالت کا سن کر حیران رہ گئی۔ اس نے استعجاب کے عالم میں پوچھا:

''اتنے دنوں تک آندھی کیسے چلے گی۔''

عصر نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہا:

''پروردگار عالم کی عظمت کے سامنے تو یہ بہت معمولی چیز ہے۔ اس کی بنائی ہوئی کائنات میں تو ایسی آندھیاں برسوں چلتی ہیں۔ مگر اس نے انسانوں پر احسان کر رکھا ہے کہ ہوا اور گیسوں کے سرکش طوفانوں کو اپنے کرم کی لگام سے انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ انسان اس ہوا سے لذت لیتے اور خوشی محسوس کرتے ہیں۔ مگر جب ایسے مجرموں کی عدالت لگتی ہے تو پھر کائنات کی مسخر قوتیں ہی انسانوں کی ہلاکت کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس مجرم قوم کے لیے جسے اپنے ڈیل ڈول اور طاقت پر بہت فخر تھا ہوا کی لگام چھوڑ دی گئی ہے۔ تم دیکھنا یہ بڑے جاندار لوگ ہیں۔ گھروں میں جا چھپیں گے۔ پناہ گاہوں میں عافیت ڈھونڈیں گے۔ مگر یہ ہوا انہیں کہیں نہیں چھوڑے گی۔ انسان کب تک بھوکا پیاسا رہ سکتا ہے۔ لمحہ بھر کے لیے کسی نے اپنی پناہ گاہ چھوڑی تو ہوا اسے اپنے ساتھ اڑا کر لے جائے گی اور پھر زمین یا کسی رکاوٹ پر دے مارے گی۔ یہ لوگ اسی طرح بے بسی، ذلت اور سختی کے ساتھ مارے جائیں گے۔''

عصر کے الفاظ کے ساتھ ساتھ تیز ہوا میں شدت بڑھتی جارہی تھی۔ بستی والوں کو بھی اب

اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ دیوتاؤں کا کرم نہیں اللہ القہار کا غضب آچکا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام جس عذاب کی وعید دے رہے تھے وہ آچکا ہے۔ چنانچہ زبردست ہلچل مچ گئی۔ یہ تنومند اور طاقتور لوگ تھے۔ اتنے دراز قد تھے کہ چند قدم میں بڑا فاصلہ طے کر لیتے تھے۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ دنیا میں ان جیسا طاقتور کوئی نہیں۔ اب انہیں پتہ چلا کہ اصل طاقتور کون ہے۔ مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ یہ لوگ پناہ کی تلاش میں بھاگنے لگے۔ ابھی آندھی اپنے جوبن پر نہیں آئی تھی، مگر پھر بھی انہیں بھاگنے میں بہت مشکل ہو رہی تھے۔ ہوا کا زور اس قدر شدید تھا کہ گویا کوئی ٹھوس دیوار لوگوں کو آگے بڑھنے سے روک رہی ہے۔ جس کا جہاں سینگ سمایا وہ ادھر دوڑ پڑا۔ لوگ اپنے بھائی بندوں، بیوی اور اولاد، ماں باپ اور رشتہ داروں کو بھول گئے۔ ہر شخص کو اپنی پڑی تھی۔ ہر شخص اپنے لیے پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ مگر اب پناہ کا وقت گزر چکا تھا۔

ناعمہ عصر کے سہارے کھڑی تھی۔ اسے آندھی سے کوئی مسئلہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ صاف دیکھ سکتی تھی کہ ہوا طوفانی رفتار سے چل رہی تھی اور لوگوں کو اٹھا اٹھا کر زمین پر پٹخ رہی تھی یا کسی رکاوٹ سے ٹکرا دیتی تھی۔ ہوا کے ساتھ مٹی بھی اڑ رہی تھی۔ مگر شاید یہ عصر کے ساتھ کا اثر تھا کہ ناعمہ مٹی کے باوجود پورا منظر صاف دیکھ سکتی تھی۔ عبرت کا ایسا نظارہ تو اس نے طوفان نوح علیہ السلام میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں وہ کشتی میں تھی جہاں ہر شخص محفوظ تھا۔ وہاں اس نے فرد فرد کو مرتے ہوئے بھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر یہاں ایک ایک شخص کے بے بسی سے مرنے کا منظر اس کے سامنے تھا۔ یہ نظارہ اس قدر ہیبتناک تھا کہ ناعمہ کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اس نے اللہ کے قہر کا یہ منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے بے اختیار باغ میں وہ شخص یاد آ گیا جسے انتہائی تشدد کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔

اس نے سوچا۔

''اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔''

اسی اثنا میں عصر نے ایک سمت اشارہ کیا۔ دراصل کچھ لوگ باغوں میں جا چھپے تھے۔ عصر نے وہی منظر ناعمہ کو دکھایا۔ اس وقت بے لگام آندھی نے درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا شروع کر دیا تھا۔ کیسے ممکن تھا کہ ان کی پناہ لیے ہوئے انسان بچ پاتے۔ چنانچہ ایک طرف کھجور کے درختوں کے تنے لڑھکتے پھر رہے تھے تو دوسری طرف قوم عاد کے تنوں جیسے تنومند مگر مردہ وجود ہوا کے زور سے لڑھکتے پھر رہے تھے۔ ایسی عبرت ناک موت۔ بے اختیار ناعمہ نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر چہرے پر رکھ لیے۔

....

جس طرح عصر نے کہا تھا آندھی آٹھ دن اور سات راتیں بغیر رکے اتنی ہی شدت کے ساتھ چلتی رہی۔ پہلے ہلے میں لوگ آندھی کے زور سے مارے گئے۔ جو چھپ گئے تھے وہ بمشکل بچے، مگر وہ کب تلک اپنی جگہ بیٹھتے۔ جو جیسے ہی اٹھا آندھی کی لپیٹ میں آ کر مارا گیا۔ کچھ لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ بھوک و پیاس برداشت کر لیں گے لیکن اس عذابی آندھی کی زد میں نہیں آئیں گے۔ مگر آندھی اپنے ساتھ مٹی بھی لا رہی تھی۔ اس مٹی سے ان کی پناہ گاہیں ریت تلے دبنے لگیں۔ اس مصیبت کا کوئی علاج ان کے پاس نہیں تھا۔ پناہ گاہ چھوڑیں گے تو آندھی مارے گی اور نہیں چھوڑیں گے تو مٹی کی قبروں میں دفن ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے گھر اور پناہ گاہیں آہستہ آہستہ مٹی تلے دبتے چلے گئے۔ اس میں موجود لوگ کیسے بچ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک ایک کر کے وہ بھی مارے گئے۔

ایک ہفتے بعد یہ آندھی تھمی۔ مگر اب یہ پورا علاقہ جو عذاب سے قبل باغوں سے بھرا ہوا شاداب میدانی علاقہ تھا، مٹی کے ٹیلوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ یہ ٹیلے پہاڑوں کی طرح بلند تھے۔ ناعمہ عصر کے

ساتھ مٹی کے ایک ایسے ہی پہاڑ جیسے بلند ٹیلے پر کھڑی تھی۔ تاحد نظر سوائے مٹی کے ٹیلوں کے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ناعمہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی جس شخص نے یہ علاقہ کبھی پہلے دیکھا تھا وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ چند دن میں اس کی یہ حالت ہوجائے گی۔ وہ دلگیر انداز میں عصر سے بولی۔

''عصر یہ لوگ تو بڑے عبرت ناک انداز میں مارے گئے۔''

''ناعمہ! یہ تو کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ قیامت کے بعد شروع ہونے والی دنیا میں ان کے ساتھ ہوگا اس کا تو تم تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ وہاں یہ جی سکیں گے اور نہ مریں گے۔ یہ مجرم موت کی دہائی دیں گے، موت ہر طرف سے آئے گی مگر یہ مر نہ سکیں گے۔''

یہ بات سن کر ناعمہ خاموش ہوگئی۔ عصر نے محسوس کرلیا کہ ناعمہ کچھ پوچھنا چاہ رہی ہے، مگر کسی وجہ سے پوچھ نہیں پا رہی۔ اس نے ناعمہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔ یہی وقت ہے ہر سوال کے جواب جاننے کا۔''

''عصر دیکھو میں اللہ پر اعتراض نہیں کر رہی......''

ناعمہ نے اپنا سوال رکھنا شروع کیا، مگر جو کچھ وہ دیکھ چکی تھی اس کے بعد اس کا لب و لہجہ بہت محتاط تھا کہ مبادا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی گستاخی نہ ہوجائے۔ اس نے نپے تلے الفاظ میں اپنا سوال جاری رکھا۔

''مگر ہماری دنیا کا ایک اصول ہے کہ سزا اور جرم میں مناسبت ہونی چاہیے۔ ہم کہتے ہیں کہ Punishment must befit the crime یعنی سزا جرم کے اعتبار سے اور اتنی ہی ملنی چاہیے۔ مگر ایک رسول کی نافرمانی کے جرم میں پوری قوم کو ہلاک کیا جانا۔ وہ بھی اتنی بے دردی کے ساتھ......''

ناعمہ یہ الفاظ کہہ رہی تھی اور خوف سے اس کا چہرہ پیلا پڑ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں اس

بھیانک آندھی کے ہاتھوں مارے جانے والے ایک ایک شخص کی تصویر گھوم رہی تھی۔ ایک لمحے کو وہ رکی اور پھر سلسلہ کلام جاری رکھا۔

''پھر اب تم کہہ رہے ہو کہ جہنم میں اس سے کہیں زیادہ عذاب دیا جائے گا۔ وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ کبھی ختم نہ ہوگا۔ موت بھی نہیں آئے گی۔ اس طرح جرم اور سزا میں کوئی مناسبت ہی نہیں رہتی۔ سو پچاس برس کی مختصر زندگی کے گناہوں کی لامحدود مدت تک سزا...... وہ بھی اتنی شدید تکالیف سے بھرپور۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔''

عصر ناعمہ کی یہ بات سن کر مسکرایا اور بولا۔

''مجھے اب اندازہ ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سفر کے لیے تمھارا انتخاب کیوں کیا ہے۔ تم غیر معمولی ذہین ہو۔ چیزوں کو بہت گہرائی میں جا کر دیکھ سکتی ہو۔ مگر ظاہر ہے تم سب کچھ نہیں جانتیں۔ اس لیے کہ بہرحال ایک انسان ہو۔ ہر چیز اپنے علم سے نہیں سمجھ سکتیں۔''

عصر کی ہمت افزائی سے ناعمہ کے چہرے پر مسرت کے احساسات جگمگانے لگے۔ وہ توجہ سے عصر کی بات سننے لگی۔ عصر نے اپنی بات ایک سوال سے شروع کی۔

''اگر ایک شخص کسی عورت سے زنا کرے تو یہ کیسی چیز ہے؟''

''بہت بری چیز ہے۔ بڑی بے حیائی کا کام ہے۔ بلکہ ایک جرم ہے۔''

''ناعمہ نے فوراً جواب دیا'' مگر پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''ہمارے زمانے کی بہت سی اقوام میں یہ نہ کوئی برائی ہے اور نہ کوئی جرم۔''

فلسفی ناعمہ نے ایک دفعہ پھر اپنے ہی جواب میں ایک گرہ لگا دی۔

ناعمہ کی بات سن کر عصر نے اپنے سوال کو تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بتاؤ کہ کسی شادی شدہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کیے جائیں تو یہ کیسا ہے؟

اسے تو ہر جگہ کے لوگ برا ہی جانتے ہیں نا۔''

اس دفعہ ناعمہ نے سیدھا جواب دیا۔

''ایک غیر شادی شدہ لڑکی کے مقابلے میں شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلقات قائم کرنا زیادہ برا ہے۔ بلکہ مغربی اقوام میں بھی اس کو برا ہی سمجھا جاتا ہے۔''

''اچھا اب ایک بات اور بتاؤ کوئی شخص اگر اپنی ہی ماں کے ساتھ......؟''

ناعمہ کے چہرے پر کراہیت اور غصے کے اثرات بیک وقت نمودار ہوئے اور اس نے عصر کی بات بیچ سے کاٹتے ہوئے کہا:

''یہ تو گھناؤنے پن کی انتہا ہے۔''

''اب یہ بتاؤ ناعمہ کہ یہ جو تین طرح کا زنا ہے، اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ہی جرم ہے یعنی عام عورت سے زنا، کسی شادی شدہ عورت سے زنا، اور اپنی ماں سے زنا۔ سو یہ تینوں ایک ہی جرم ہیں۔ سو تمھارے اپنے اصول کے مطابق جو تم نے تھوڑی دیر پہلے بیان کیا ہے کہ سزا جرم کے اعتبار سے اور اتنی ہی ملنی چاہیے۔ اس اصول کے مطابق تین معاملات میں جرم ایک ہی ہے لہٰذا اس کی سزا تینوں معاملات میں ایک ہی جیسی ہونی چاہیے۔''

''نہیں''، ناعمہ نے فوراً عصر کی تردید کر دی۔

''یہ تو کامن سینس کی بات ہے کہ تینوں کی سزا مختلف ہونی چاہیے۔''

''ناعمہ یہی وہ بات ہے جو تم نہیں سمجھ سکی تھیں۔ جرم کی سزا کا انحصار اگر اس بات پر ہوتا ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہو تو اس بات پر بھی ہوتا ہے کہ جرم کس کے خلاف ہو رہا ہے۔ جیسا کہ اس مثال سے ظاہر ہے کہ ایک عام عورت کے ساتھ زنا اور اپنی ماں کے ساتھ زنا کی سزا الگ الگ ہونی چاہیے۔ سزا کا انحصار جرم کی نوعیت ہی پر نہیں ہوتا بلکہ اس پر بھی ہوتا ہے کہ جرم کس کے

خلاف کیا گیا ہے۔ اب سمجھ لو کہ رسولوں کی اقوام کو اگر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے جو تمھیں بہت بڑی سزا لگتی ہے یا جہنم کی سزا جو تمھارے خیال میں بڑی سزا ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی کا بدلہ ہے۔"

عصر کی بات سن کر ناعمہ سر ہلاتے ہوئے بولی:

"چلو سخت سزا والی بات میں مان لوں مگر کسی جرم کا بدلہ ابدی سزا کے طور پر دینے والی بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

"یہی تمھارا مسئلہ ہے ناعمہ! ابدی جہنم کسی جرم کا بدلہ نہیں ہے۔"

عصر نے 'کسی جرم' کے الفاظ پر زور دیتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"ابدی جہنم ایک لامحدود طور پر طاقتور ہستی کے خلاف جان بوجھ کر بغاوت کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ جان بوجھ کر شرک کرنے اور اس کی تمام تر غلطی واضح ہو جانے کے باوجود اس پر قائم رہنے کا نتیجہ ہے۔ یہ کسی انسان کے خلاف ہونے والے جرم کی سزا نہیں بلکہ اس عظیم ہستی کے خلاف بغاوت کا بدلہ ہے جو بے حد طاقتور بھی ہے اور انسانوں کا عظیم ترین محسن بھی۔"

"تمھاری بات سمجھ میں آ رہی ہے عصر، مگر اس منطق کا کیا کروں جو کہتی ہے کہ محدود زندگی میں کیے گئے جرم کی سزا لامحدود وقت تک نہیں ہونی چاہیے۔"

ناعمہ نے سر پر ہاتھ مار کر کہا تو عصر مسکرانے لگا۔

"تو تم منطق پڑھنا چاہ رہی ہو۔ ٹھیک ہے تو سنو! اگر منطق (Logic) یہ کہتی ہے کہ محدود وقت میں کیے گئے جرم کی سزا لامحدود نہیں ہونی چاہیے تو یہی منطق یہ بھی کہتی ہے کہ لامحدود ہستی کے خلاف کیے گئے جرم کی سزا لامحدود ہونی چاہیے۔"

عصر کی اس بات پر ناعمہ نے اثبات میں سر ہلا کر کہا:

''ہاں ہم انسان بھی چند منٹ میں کی جانے والی چوری کی سزا کئی برس دیتے ہیں۔''

''یہ بھی فلسفہ سزا و جزا کا ایک پہلو ہے کہ سزا جرم کے اثرات کے حساب سے دی جاتی ہے نہ کہ وقت کے لحاظ سے، مگر میں ایک دوسرے زیادہ اہم پہلو کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ وہ یہ کہ جرم جس وقت اللہ تعالیٰ کے خلاف کر دیا جائے تو معاملہ انتہائی سنگین ہو جاتا ہے۔''

عصرا اپنی بات کی وضاحت کے لیے سورج کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا:

''تمھیں معلوم ہے اس سورج میں جو آگ دہک رہی ہے اس میں کتنی گرمی ہے؟''

''اس کی آگ کی تپش تو کروڑوں ڈگری تک ہے۔''

''اور یہ بتاؤ کہ تمھاری اس زمین کا درجہ حرارت کتنا رہتا ہے؟''

''زیادہ سے زیادہ چالیس یا کسی صحرا میں بہت ہوا تو پچاس اس سے اوپر انسان نہیں جی سکتے۔''

ناعمہ کی بات پر عصر نے مسکرا کر کہا۔

''یہ صرف ایک مثال ہے۔ یہ پوری کائنات یا تو اتنی ہی گرم ہے یا اتنی ہی سرد ہے۔ مگر دیکھو اللہ نے کس طرح توازن قائم رکھا ہے۔ انسان کا وجود اسی جیسی لاکھوں کروڑوں نعمتوں کا مرہون منت ہے جو اس کے مالک نے اسے بلا استحقاق عطا کی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس آخری درجے کے محسن کے سامنے لوگ سراپا شکر بن جاتے۔ مگر اس کے بجائے اگر اس کے ناپسندیدہ ترین کام یعنی شرک اور اس کے خلاف بغاوت کا ارتکاب کر دیا جائے، سچ واضح کر دینے کے بعد بھی جرم عظیم پر قائم رہا جائے تو بتاؤ اس کی سزا کیا ہوگی؟''

وہ ناعمہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا:

''ویسے یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بدلے میں تم لوگ انہیں کیا دیتے ہو؟''

''ہم تو سوائے ناشکری اور احسان فراموشی کے اللہ کو کچھ بھی نہیں دیتے۔''

ناعمہ نے سر جھکا کر کہا۔اس کے سامنے اس کے ماضی کی پوری زندگی کا نقشہ گھوم رہا تھا۔مگر ساتھ ہی ایک ملحدانہ بیخ پھر ذہن میں آئی جو اس نے جڑ دی۔

''لوگ کہتے ہیں ہم نے تو اللہ سے یہ سب کچھ نہیں مانگا۔تو وہ ہم سے ان نعمتوں کا بدلہ کیوں مانگ رہا ہے؟''

''اللہ کسی نعمت کا بدلہ نہیں مانگ رہا۔وہ صرف یہ کہہ رہا ہے کہ احسان ناشناسی مت کرو۔مگر محترمہ یہ کس نے کہا کہ انسان نے یہ سب کچھ نہیں مانگا۔انسان نے یہ سب کچھ اللہ سے خود مانگا ہے۔اس نے اس امتحان کی اسکیم میں اترنے کی خود فرمائش کی ہے۔''

''یہ شاید قرآن میں لکھا ہوگا۔مگر کوئی ملحد تو قرآن کی بات نہیں مانے گا۔''

''بے شک یہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ کوئی ملحد قرآن کی بات نہیں مانے گا۔مگر ایسا کرو کہ آئندہ جب کوئی ملحد تم سے یہ بات کہے نا تو اس سے جواب میں کہنا کہ اگر تم نے یہ سب نہیں مانگا اور اس کی ضرورت نہیں ہے تو خدا کا احسان اٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے سارے احسان فوراً واپس کر دو۔ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھینک دو۔اپنی آنکھیں نکال پھینکو، کانوں میں تیزاب ڈال دو۔زبان کو چھری سے کاٹ دو۔بلکہ زندگی ہی واپس کر دو۔''

ناعمہ عصر کی بات سن کر ہنستے ہوئے بولی:

''ایسا کوئی بھی نہیں کرے گا۔مگر عصر نہ ماننے والے بہت ڈھیٹ ہوتے ہیں۔وہ یہ کہیں گے کہ یہ سب خود بخود ہو گیا ہے۔یہ اندھے مادے کی کارفرمائی ہے جو اربوں سال کے ارتقائی عمل سے گزر کر اس جگہ پہنچ گیا ہے۔''

''ناعمہ یہ انیسویں صدی کی سائنسی دریافتوں کا نتیجہ فکر تھا۔بیسویں صدی کی سائنسی دریافتوں نے مادے اور کائنات کے ازلی ہونے کے سارے تصورات باطل کر دیے ہیں۔مادہ

نہ ازلی ہے اور نہ کائنات کی آخری حقیقت ہے۔ مگر اس علمی بحث کو چھوڑ کر یہ بتاؤ کہ اتفاقات ایک آدھ ہونے والی خلاف معمول چیز کو کہتے ہیں۔ جبکہ یہاں ہر چیز کی بناوٹ انسان کے وجود سے لے کر زمین پر موجود زندگی کو برقرار رکھنے والے حالات یعنی (Life Supporting System) تک کوئی چیز اتفاقی نہیں بلکہ صاف طور پر ایک منصوبہ ساز ہستی کی گواہ ہے۔ یہاں ہر جگہ ہر چیز میں ایک خالق کا ارادہ صاف نظر آتا ہے۔ جو چیز باقاعدہ منصوبہ بندی اور ارادے کے تحت کی جائے اسے اتفاق کیسے کہہ سکتے ہیں؟''

پھر عصر نے ایک مثال کے ذریعے سے بات کو بہت سادہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ۔ اگر دنیا میں صرف لڑکیاں پیدا ہونا شروع ہو جائیں یا صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہونے شروع ہو جائیں تو کیا ہوگا؟''

''تھوڑے عرصے میں انسانیت ختم ہو جائے گی۔''

ناعمہ نے فوراً جواب دیا۔

عصر نے پوچھا:

''اب یہ بتاؤ کہ دنیا میں مرد وعورت کا تناسب کتنا ہے؟''

''تھوڑے سے فرق کے ساتھ ففٹی ففٹی۔''

ناعمہ نے جو خود ایک انسائکلو پیڈیا سے کم نہیں تھی فوراً اعتماد سے جواب دیا۔

''یہ بتاؤ کہ یہ کیسا اتفاق ہے کہ ہر دور اور ہر نسل بلکہ ہزاروں سال سے جاری ہے کہ مرد وعورت ہر طرح کے حالات کے باوجود تقریباً تقریباً نصف نصف کی تعداد میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسی وجہ سے انسانیت کا سلسلہ تواتر سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ گرچہ اربوں برس کے ارتقا کے بعد محض ایک اتفاق کی بنا پر ایک انتہائی بامقصد کرہ ارض پر زندگی، (Life Supporting System)

اور سب سے بڑھ کر انسان جیسی باشعور ہستی کا وجود میں آنے کا تصور بھی بہت فضول بات ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ روزانہ کی بنیاد پر پیدا ہونے والے بچوں کی جنس کا تعین کون سا ارتقائی عمل کرتا ہے کہ ان کی آبادی کا تناسب بگڑنے نہیں پاتا۔ اس کے لیے تو ضروری ہے کہ کوئی خالق پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد میں مرد و عورت کے تناسب کو کنٹرول کرے۔ دیکھو روز لاکھوں عورتوں کو حمل ٹھہرتا ہے۔ حمل میں اگر بچوں کی جنس کا تعین محض اتفاق سے ہوتا تو خارج کی دنیا میں کبھی آبادی کا تناسب اتنا ہموار نہیں ہوتا جتنا ہمیں نظر آتا ہے۔ اسے نہ ارتقا کنٹرول کر سکتا، نہ یہ اتفاق ہو سکتا ہے اور نہ طلب و رسد کا معاشی کلیہ۔ یہ سر تا سر ایک خالق کا فیصلہ ہے جو عالم الغیب ہے۔''

''عصر تمھاری بات سو فیصد ٹھیک ہے۔ یہی خدا کے ہونے کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ میں اس عالم الغیب پر ایمان بھی لے آئی ہوں۔ مگر عصر میں ایسے لوگوں کے ساتھ بہت رہی ہوں۔ جنھیں نہیں ماننا ہوتا وہ کبھی مان کر نہیں دیتے۔''

''اطمینان رکھو جہنم ایسے لوگوں کا بدلہ ہے۔ جو اللہ کے کسی احسان کو نہیں پہچانتے تھے۔ جو عقل کی کوئی بات نہیں سمجھتے۔ تم غور کرو کہ اس کائنات میں انسان اللہ تعالیٰ کے کھربوں ایسے ہی احسانات کے تلے جی رہا ہے۔ مگر وہ اس کی بندگی کے بجائے غیر اللہ کی بندگی کرے۔ اس کی بات ماننے کے بجائے بتوں اور دوسرے انسانوں کی عظمت میں جیے۔ اس کو ماننے ہی سے انکار کر دے۔ پھر کوئی انسان سمجھانا شروع کرے اور برسوں تک سمجھاتا رہے۔ ہر طرح سمجھائے تب بھی وہ نہ سمجھے، ضد اور دشمنی پر اتر آئے۔ مفاد، خواہش اور تعصب کا اسیر ہو جائے۔ حتیٰ کہ اسے معلوم بھی ہو جائے کہ سامنے والا کوئی عام انسان نہیں بلکہ واقعی اللہ کا رسول ہے، تب بھی وہ نہ مانے اور آخر کار رسول کے قتل کے منصوبے بنانا شروع کر دے تو پھر بتاؤ اللہ کو کیا کرنا چاہیے؟''

''سخت ترین سزا دینی چاہیے۔ جہنم کی سزا دینی چاہیے۔ ہمیشہ کے لیے لعنت بھیج دینی چاہیے۔''

ناعمہ نے بلا جھجک کہا۔اب وہ خدا کی عظمت کے احساس میں سرشار تھی ۔اس لیے خدا کے ہر باغی کے لیےاس نے وہی سزا تجویز کی جوتھوڑی دیر پہلے عصر بیان کرر ہا تھا۔

’’ہاں جہنم اسی بغاوت کا نتیجہ ہے۔مگر یادرکھواللہ تعالیٰ اصل میں بہت کریم ہیں۔وہ ہر چھوٹے موٹے گناہ پرجہنم میں نہیں پھینکیں گےاور نہ ہر گناہ گار کی سزا جہنم ہوگی۔بہت سی غلطیوں کا کفارہ دنیاکے مصائب بن جاتے ہیں۔بہت سےلوگ حشر کی سختیاں اٹھائیں گےاوریہی ان کے گناہ کا کفارہ بن جائے گا۔رہے جہنم کے سخت ترین عذاب اورخاص کرقوم نوح علیہ السلام اورقوم عاد جیسی اقوام کی سزا تو یہ اصل میں سرکشی اور بغاوت کرنے والوں کا بدلہ ہے۔جبکہ وفاداری کرنے والے قیامت کے دن ہمیشہ کے لیےنعمت وانعام کی جگہ یعنی جنت میں چلے جائیں گے۔‘‘

عصر نے ایک دفعہ پھرسزاوجزا کےتصور کودرست طریقے پر بیان کرنا ضروری سمجھا۔

’’کاش لوگ اس دن کا یقین کرلیں۔‘‘

بے اختیار ناعمہ کےمنہ سے نکلا۔ عصر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یہ کام اب تمھیں کرنا ہے۔تم نے تو اپنی آنکھوں سے یہ قیامت صغریٰ دیکھ لی ہے۔یہی قیامت صغریٰ آنے والی قیامت کا ثبوت بھی ہے۔یہ رسولوں کی سچائی کی سب سے روشن دلیل بھی ہےاوراللہ کی عظمت کا تعارف بھی۔‘‘

عصر کچھ دیرکورک گیا۔ناعمہ نے محسوس کیا کہ وہ کچھ سننے کی کوشش کرر ہا ہے۔ناعمہ نے اردگرد دیکھا۔دور دورتک بلند و بالا ٹیلےنظر آرہے تھے۔نرم ہوا ہولے ہولے سے چل رہی تھی۔یہ ہوااتنی نرمی سے چل رہی تھی کہ مٹی کے ٹیلے بالکل جامداورٹھوس محسوس ہورہے تھے۔ سورج اپنی تپش برسا کرمغرب کی سمت اپنے رب کےقدموں میں سجدہ ریز ہور ہا تھا۔نگاہ کے سامنے پھیلا ہوا وسیع آسمان شفق کی تابناکیوں سے انگارہ ہورہا تھا۔ڈھلتی ہوئی شام میں

فطرت حسن ازل کی لے پر بندگی کا وہ نغمہ گنگنا رہی تھی جسے سننے کے لیے عصر رک گیا تھا۔ یہ نغمہ وآہنگ اب ناعمہ کے کانوں کے لیے بھی اجنبی نہیں رہا تھا۔ ہوا کے دوش پر تیرتا یہ نغمہ ناعمہ کی سماعت کے دریچوں سے اس کے دل کی بستی میں داخلے کا اذن چاہ رہا تھا۔ آخر کار یہ اذن مل گیا۔ دل کے تار چھڑے اور ناعمہ کی حسین آنکھوں سے خدا کی محبت کے وہ چشمے پھوٹنے لگے جنھیں قوم عاد نے ہمیشہ کے لیے گنوادیا تھا۔

عصر نے ناعمہ کو دیکھا۔ وہ انسان نہیں تھا۔ اگر انسان ہوتا تو فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا کہ نیلے آسمان پر پھیلی شفق کی لالی زیادہ حسین ہے یا ناعمہ کے رخساروں کی تپش۔ اس کی نظر تو صرف ان آنسوؤں پر پڑی جو آنکھوں سے بہتے ہوئے اب ناعمہ کے رخساروں کا بوسہ لے رہے تھے۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اس لڑکی کو اس کے رب نے قبول کرلیا ہے۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''یہ ٹیلے قیامت تک اس بات کے گواہ رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو بنا کر تماشائی کی حیثیت میں نہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ مجرموں کو سزا دینے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔ قوم عاد کے مجرموں کو قوم نوح علیہ السلام کے مجرموں کی طرح سزا مل گئی ہے۔ اور باقیوں کو قیامت کے دن ملے گی۔ یہ ٹیلے اس بات کے گواہ ہیں۔ اب یہ گواہی تم دو گی۔ ناعمہ یہ گواہی اب تم دو گی۔''

عصر خاموش ہو گیا۔ اس دفعہ ناعمہ خاموش نہ رہی۔ وہ گویا ہوئی:

''ہاں عصر میں یہ گواہی دوں گی۔ ضرور دوں گی۔ اور یہ وقت بھی گواہی دے گا۔ بے شک انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے عمل صالح کرتے رہے۔ اور حق کی تلقین اور اس پر صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

....

ساتواں باب

پہلا قتل

کچھ دیر تک ناعمہ اسی کیفیت میں رہی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ عصر سے مخاطب ہوئی۔

''مگر جب میں انسانوں میں گواہی دینے کھڑی ہوں گی تو ان کے بھی بہت سے سوالات ہوں گے۔ وہی جو میرے تھے۔ کیونکہ وہ تو رسولوں کے زمانے میں نہیں کھڑے ہوں گے۔''

ناعمہ کو یاد آچکا تھا کہ اس کے ابتدائی دو سوالوں کے جواب ابھی باقی ہیں۔ اس کی یہ بات اسی پس منظر میں تھی۔

''ہمارا یہ سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔''، عصر گویا ہوا:

''لیکن لگتا ہے کہ تمھیں اس سفر میں آگے بڑھنے سے قبل اپنے ابتدائی دو سوالوں کے جواب بھی چاہییں۔ رسولوں کی داستان کے کئی اہم باب ابھی باقی ہیں۔ اس سفر کے آخری باب تک پہنچتے پہنچتے تمھارے وہ دو ابتدائی سوال بالکل ختم ہو جاتے۔ لیکن اب تم یہی چاہتی ہو تو چلو پہلے ان سوالوں کے جواب ہو جائیں۔ اس سفر کو ہم یہیں سے دوبارہ شروع کر لیں گے۔ کیا تھے تمھارے سوال؟''

''میرا پہلا سوال تھا کہ خدا ظلم پر خاموش کیوں رہتا ہے؟ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ظلم اور ناانصافی کی اجازت کیوں دی ہے؟ ہم یہ کیوں نہ مان لیں کہ خدا موجود ہی نہیں۔ جو ہے وہ اندھے بہرے

مادے کی کارستانی ہے یا پھر ہمارے ذہن کے توہمات اور خیالات ۔اور دوسرا سوال یہ تھا......''

''دوسرے کو رہنے دو۔ کیونکہ پہلے سوال کے جواب میں ہمیں واپس وقت میں پیچھے جانا ہوگا۔ مجھے تمھیں یہ سمجھانا ہوگا کہ عام انسانوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ بے شک مداخلت نہیں کرتے ،مگر ایسا نہیں کہ ان کے علم میں کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے اب یہ دکھانا ہوگا کہ ان کی حکمت اور اور قدرت دونوں ساتھ ساتھ چلتی ہیں ۔اور ہاں......''

عصر کو کچھ یاد آیا۔

''تمھیں فرشتوں کو بھی دیکھنے کا شوق تھا۔چلو ایک ایسی جگہ چلتے ہیں جہاں تمھارے سوال کا جواب بھی ہے اور فرشتوں کی کارفرمائی کو بھی تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگی ۔''

یہ کہہ کر عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور ان کا سفر ایک دفعہ پھر شروع ہوگیا۔اس سفر کا اختتام پہاڑی سلسلے کی ایک چوٹی پر ہوا۔یہ ایک انتہائی پرفضا مقام تھا۔دور دور تک ایک سرسبز وشاداب میدانی علاقہ نظر آرہا تھا۔مگر کوئی انسانی بستی نظر نہیں آتی تھی ۔ یہاں پہنچ کر عصر ناعمہ سے مخاطب ہوا:

ہم تمھارے باپ کے زمانے میں آ گئے ہیں ۔

''میرے والد شہزاد صاحب کے زمانے میں؟''

''نہیں ۔تمھارے والد آدم علیہ السلام کے زمانے میں ۔''

پھر عصر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''ذرا سامنے دیکھو۔''

اس کے توجہ دلانے پر ناعمہ نے اس سمت میں دیکھا۔عصر کے ساتھ کی بنا پر اس کی نظروں میں ایسی صلاحیت آچکی تھی کہ وہ بہت دور کے منظر کو بھی باآسانی اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے وہیں موجود ہو۔ چند مرد اور عورتیں ایک ساتھ کھڑے ہوئے تھے ۔ان میں سے ایک نوجوان آگے بڑھا۔اس

کے پاس ایک فربہ دنبہ تھا۔اس نے اسے زمین پر لٹا کر ذبح کیا اوراس کا گوشت کچھ دور بلندی پر جا کر رکھ دیا۔۔ایک دوسرا شخص بھی آگے بڑھا اوراس نے گوشت سے کچھ فاصلے پر تھوڑا سا اناج رکھ دیا۔اس کے بعد سب لوگ آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ یک بیک آسمان سے ایک آگ سی ظاہر ہوئی اور تیزی کے ساتھ زمین کی طرف آئی۔وہ آگ ان لوگوں کی طرف ہی بڑھ رہی تھی۔ ناعمہ کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ آگ ان پر گر جائے۔مگر یہ آگ انسانوں اوراناج کو چھوڑ کر دنبے کے گوشت پر جا گری۔سب لوگ خوشی میں چلانے لگے اور لپک کر اسی نوجوان کو مبارک باد دینے لگے جس نے یہ گوشت رکھا تھا۔ یہ نوجوان خوشی اور مسرت سے نہال تھا۔ناعمہ نے دیکھا کہ دوسرا والا شخص الگ کھڑا ہوا ہے۔اسی لمحے ناعمہ یہ دیکھ کر چونک گئی کہ ایک انتہائی موٹا اور تیز رفتار سانپ اس تنہا نوجوان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

وہ گھبرا کر عصر سے بولی:

''یہ تو بہت بڑا سانپ ہے۔اس نوجوان کو کاٹ لے گا۔''

''ہاں یہ اسے کاٹ لے گا۔''،عصر نے اطمینان سے جواب دیا۔

اسی اثنا میں سانپ نے نوجوان کو کاٹ کھایا۔ناعمہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی،مگر یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی کہ سانپ کے کاٹنے سے نوجوان کو کچھ نہیں ہوا۔البتہ اس کے چہرے پر غیض و غضب کے اثرات نمودار ہوگئے۔وہ زیرِلب بڑبڑایا،مگراس کی آواز ناعمہ کے کانوں میں گونجی۔

''میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔''

سانپ آہستہ آہستہ دور چلا گیا اوراس کے ساتھ ہی وہ نوجوان پیر پٹختا ہوا ایک سمت چلا گیا۔

....

ناعمہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ کیا ہوا ہے۔اس نے سوالیہ نظروں سے عصر کی طرف

دیکھا۔عصر نے ایک دفعہ پھراس کا ہاتھ تھاما۔مگراس دفعہ وہ پہاڑ پرآگے بڑھنے کے بجائے نیچے اترنا شروع ہوگیا۔راستے میں وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا:

''دیکھوناعمہ یہ لوگ اس لیے اکٹھے ہوئے تھے کہ آدم علیہ السلام کے دوبیٹوں ہابیل اورقابیل کے درمیان ایک مسئلے کاحل ڈھونڈیں۔ان دونوں کی شادی دولڑکیوں سے ہونی ہے۔مگرجس لڑکی کی شادی قانون کے مطابق ہابیل سے ہونی چاہیے قابیل بھی اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''تو پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہوا؟''

جھگڑا بڑھا تو حضرت آدم علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ہابیل اور قابیل دونوں اپنی نذراللہ کے حضور پیش کریں۔وہ جس کی قربانی قبول کریں گے آسمان سے آگ اتر کراسی کی نذرکوبھسم کردے گی۔تم نے ابھی یہی منظر دیکھا ہے۔آگ ہابیل کی نذر پر گری۔اللہ کی مرضی واضح ہوگئی۔

''اوروہ سانپ کیسا تھا۔''

''وہ تم لوگوں کاازلی دشمن ابلیس تھا۔تم نے اس کوایک تمثیلی شکل میں دیکھا ہے۔جب کوئی برا خیال ذہن میں آتا ہے تو دراصل یہی سانپ اوراس کی اولاد میں سے کوئی شیطان انسان کوکاٹتا ہے۔اس سانپ نے قابیل کوکاٹ لیا اوراپنا زہرقابیل کے اندرانڈیل دیا۔یہ زہرغصے اورنفرت کی شکل میں اس کے اندرداخل ہو چکا ہے۔''

''اچھا''، ناعمہ نے حیرت اورخوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

''اتنی حیران نہ ہو۔یہ سانپ تم لوگوں کوبھی آئے دن کاٹتا رہتا ہے۔تم انسانوں کے دلوں میں جتنے منفی جذبات ہوتے ہیں یہ اسی سانپ اوراس کی آل واولاد کے ڈسنے کانتیجہ ہوتے ہیں۔''

ناعمہ کے پاس عصر کی بات کے جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔وہ خاموشی سے عصر

کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ان کے چلتے وقت دن اور پھر قدرے ہلکی رفتار سے ویسے ہی بدلتے رہے۔تھوڑی دیر میں وہ نیچے اتر گئے۔عصر نے کہا۔

''آؤ پہلے قابیل کے گھر چلتے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ ایک جھونپڑی کی طرف بڑھا اور ناعمہ کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہو گیا۔

....

قابیل کی بیوی عدرہ اپنی کلائی آنکھوں پر رکھے خاموشی سے لیٹی ہوئی تھی۔یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ سو رہی ہے یا اپنے شوہر کے غصے سے بچنے کے لیے سونے کا بہانہ کر رہی ہے جو اس کے قریب زمین پر پاؤں پٹختا ہوا ٹہل رہا تھا۔یہ حضرت حوا کے بطن سے جنم لینے والا آدم علیہ السلام کا پہلا بیٹا قابیل تھا۔غصے کے مارے اس کی شکل بگڑی ہوئی تھی۔اس کے سینہ میں حسد اور کینے کے طوفان اٹھ رہے تھے۔وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔

''اس چرواہے کو یہ عزت بھی ملنی تھی۔بڑا میں ہوں۔حق بھی زیادہ میرا ہی بنتا ہے،مگر ابا کے بعد اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی۔وہ ہے کیا؟ جانوروں کے پیچھے بھاگنے والا ایک معمولی چرواہا۔ یہ اللہ کا انصاف نہیں ہے۔اسے بہتر عورت دی اور مجھے......ہوں۔''

یہ آخری بات کہتے ہوئے قابیل نے آنکھیں موندھے لیٹی ہوئی عدرہ کی طرف دیکھا۔ عدرہ جو کافی دیر سے خاموشی کے ساتھ سب کچھ سن رہی تھی،اس جملے پر خاموش نہ رہ سکی۔کلائی آنکھوں سے ہٹا کر اس نے گردن گھمائی اور قابیل کی طرف دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''اللہ کو الزام کیوں دیتے ہو؟ غور کرو کہ قربانی کے موقع پر تم کیا لائے تھے؟ ہابیل نے اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے اپنے ریوڑ کا بہترین جانور ذبح کیا۔یوں نذر قبول ہونے کا پتہ چلنے سے پہلے ہی اپنا نقصان کر لیا اور پھر اس کا سارا گوشت نذر میں پیش کر دیا......اور تم بہت ہوشیار

بن رہے تھے کہ قربانی پیش کرنے کے بجائے ذرا سا اناج رکھ دیا۔ آگ نے جلا دیا تو اس کے بدلے ایک حسین عورت مل جائے گی ورنہ اناج تو جلنے سے بچ ہی جائے گا۔''

عدرہ نے کمال خوبصورتی سے قابیل کی نیت کا پول کھول دیا۔ قابیل پر سچائی کا یہ بیان بہت گراں گزرا۔ وہ غصے سے چلایا:

''تو کیا سارا اناج لے جاتا؟ آگ نے آسمان سے اتر کر جلا ہی دینا تھا۔ سن رہی ہے اے احمق عورت! جو کچھ بھی میں لے کر جاتا، چاہے سارا اناج لے جاتا، آگ نے آسمان سے اتر کر اسے جلا ہی دینا تھا۔ یہی کہا تھا ابا نے اور ہوا بھی یہی۔''

پھر وہ دانت پیستا ہوا بولا:

''میں بڑا تھا قربانی میری قبول ہونی چاہیے تھی۔ مگر آگ نے اس کے جانور کو جلا دیا۔ کاش یہ آگ جانور کے بجائے ہابیل کو جلا دیتی تو اسدہ میری ہوتی۔ مگر اب تو تمھارے جیسی بدشکل اور بھدی عورت میرا مقدر ہے۔''

''میں بدشکل ہوں نہ بھدی ہوں۔ بات صرف یہ ہے کہ تمھاری آنکھوں پر حسد کی پٹی بندھ چکی ہے۔ تم اپنے بھائی سے محبت کرنے کے بجائے اس سے جلتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ وہ بہت نیک، ہمدرد اور نرم مزاج ہے۔ ابا اماں کا زیادہ خیال کرتا ہے۔ خدا کا عبادت گزار بندہ ہے۔ اگر قانون یہ ہوتا کہ اسدہ کی شادی تم سے ہو اور میری ہابیل سے تو وہ خاموشی سے یہ فیصلہ قبول کر کے ساری زندگی ہنسی خوشی گزار دیتا۔ مگر خدا کے قانون کے مطابق میں تمھاری اور اسدہ اس کی بیوی بنی۔ تمھیں بھی قانون کو ماننا چاہیے۔ مگر تم ضد پر اتر آئے اور اسدہ سے شادی کا مطالبہ کر دیا۔ نذر کی ضرورت اسی لیے پیش آئی۔ مگر اس موقع پر بھی تم بخیل بن گئے۔ بدترین اناج اللہ کے حضور پیش کیا۔ اسی لیے تمھاری قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اصل مسئلہ دوسروں میں نہیں تمھارے

اندر ہے۔خود کو ٹھیک کرو۔تم مجھے،ابا اور ہابیل کو الزام دیتے دیتے اب اللہ کو الزام دینے لگے ہو۔قابیل تم شیطان کے پھندے میں پھنس چکے ہو۔تم جانتے نہیں اس نے ابا اور اماں کے ساتھ کیا کیا تھا؟ کس طرح انہیں اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹایا تھا؟ وہ تمھیں بھی خدا کا مجرم بنا کر دم لے گا۔''

''بند کرو یہ بکواس۔''

قابیل غصے سے بے قابو ہو کر چلایا۔اس پر واقعی شیطان سوار ہو چکا تھا۔اس کی شکل بھی شیطان کی طرح مکروہ ہو رہی تھی۔

''میں اب اس فساد کی جڑ کو ختم کر کے ہی دم لوں گا۔آگ نے ہابیل کو جلا کر نہیں مارا تو کیا ہوا۔میں اسے مار ڈالوں گا۔میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

یہ کہہ کر قابیل نے ایک کونے میں پڑا کلہاڑا اٹھایا اور اپنی بات دہراتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔عدرہ خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

....

عصر نے ناعمہ کو ساتھ لیا اور قابیل کے پیچھے پیچھے باہر نکل آیا۔وہ آگے تھا اور یہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ناعمہ معاملے کی سنگینی کو سمجھ چکی تھی۔اس پر خوف کا عالم طاری تھا۔وہ قابیل کی مکروہ شکل دیکھ کر ڈر چکی تھی اور اس کے ناپاک ارادوں سے خوفزدہ تھی۔عصر ساتھ نہ ہوتا تو نجانے اس کا کیا حال ہوتا۔اس نے سہمے ہوئے لہجے میں عصر سے دریافت کیا:

''یہ کہاں جا رہا ہے؟''

''ہابیل کو قتل کرنے۔''،عصر نے قابیل کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ناعمہ نے دیکھا کہ قابیل تیز رفتاری کے ساتھ ایک پگڈنڈی کی طرف مڑ چکا ہے اور پورے

عزم وارادے سے کلہاڑی لہراتا ہوا آگے کی سمت بڑھا جارہا ہے۔ناعمہ نے گھبرا کر عصر کہا:

''آپ اسے روکتے کیوں نہیں۔''

عصر نے مسکرا کر کہا:

''یہ میرا کام نہیں ہے۔ میں صرف گواہ ہوں۔ کسی چیز میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ ہم اپنے مالک کے کسی حکم سے سرتابی کی مجال نہیں رکھتے۔ یہ کارنامہ صرف تم انسان ہی سرانجام دیتے ہو۔''

ناعمہ اتنی ڈری ہوئی تھی کہ وہ عصر کی آخری بات کی چبھن محسوس نہیں کرسکی۔ وہ دونوں قابیل کے پیچھے چلے جارہے تھے۔ ناعمہ ذرا پیچھے تھی اور عصر آگے۔ یہ دیکھ کر عصر نے ہاتھ پیچھے کر کے ناعمہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے اپنے برابر لے آیا۔عصر نے جیسے ہی ناعمہ کا ہاتھ تھاما ناعمہ کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ قابیل تنہا پگڈنڈی پر نہیں چل رہا تھا بلکہ اس کے ساتھ ویسے ہی دو ہیولے چل رہے ہیں جس طرح اس نے ابتدا میں عصر کو دیکھا تھا۔

عصر نے یہی دکھانے کے لیے ناعمہ کا ہاتھ تھاما تھا۔اس نے خود وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''یہ دو فرشتے ہیں جو قابیل کے ساتھ رہتے ہیں۔ قابیل ظاہر ہے انہیں دیکھ نہیں سکتا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی منشا نہیں ہے کہ ہابیل کو قتل کیا جائے۔ وہ قابیل کو سوچنے کا ایک موقع اور دینا چاہتے ہیں۔ اس لیے دیکھو اب کیا ہوگا۔''

چلتے چلتے قابیل ایک چھوٹی سی پہاڑی کے نیچے پہنچا۔ ناعمہ نے دیکھا کہ اس جگہ پہنچتے ہی قابیل کے ساتھ چلنے والے ایک ہیولے نے اوپر کی سمت اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی پہاڑی سے ایک پتھر لڑھکا اور قابیل پر آ گرا۔ یہ اتنی جلدی میں ہوا کہ قابیل کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اس نے پتھر کی زد سے نکلنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ وہ اس کی زد میں آ کر گر پڑا اور زخمی ہوگیا۔

اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابلنے لگا۔ وہ ہابیل کو گالیاں دے رہا تھا۔ ناعمہ نے دیکھا کہ بائیں ہاتھ کے ہیولے نے جو اس کے پاس ہی کھڑا تھا کچھ لکھنا شروع کر دیا ہے۔ عصر نے ناعمہ کو سمجھاتے ہوئے کہا:

''تم نے دیکھا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کیا کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو یہ قابیل کبھی اپنے بھائی کو قتل نہیں کر سکتا۔ وہ ہزار طریقوں سے اسے روک سکتے ہیں۔''

''یہ ہیولہ کیا لکھ رہا ہے؟''

''یہ ہیولہ بائیں ہاتھ کا فرشتہ تھا جو اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ لکھ رہا تھا۔ جو منظر تم دیکھ رہی ہو۔ جو کچھ قابیل نے اپنی زبان سے کہا ہے وہ سب محفوظ کیا جا رہا ہے۔ کل قیامت کے دن یہ سب کچھ پیش کر دیا جائے گا۔''

اسی دوران میں قابیل اٹھا اور بمشکل تمام خود کو سنبھالتا ہوا واپس اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

عصر نے کہا:

''یہ باز نہیں آئے گا۔ آؤ میں تمھیں دکھاؤں کہ یہ اپنے بھائی کو کیسے مارے گا۔''

یہ کہہ کر عصر ناعمہ کا ہاتھ تھامے تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ پہر اور دن اس کے ساتھ ساتھ بدلنے لگے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ان کا سفر دراصل وقت میں آگے کی سمت ہو رہا ہے۔ آخر کار وہ ایک اور خوبصورت جگہ جا پہنچے۔ ناعمہ نے دور سے دیکھ لیا ایک مرد اور عورت ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ عصر نے تعارف کراتے ہوئے کہا:

''ہم کئی دن بعد کا منظر دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہابیل اور اس کی بیوی ہے۔ اور وہ دیکھو دور سے قابیل آ رہا ہے۔''

ناعمہ نے دیکھا کہ کافی دور سے قابیل آ رہا ہے جبکہ ہابیل اور اس کی بیوی اسدہ قابیل کی

آمد سے بے خبر تھے۔

....

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان کے وجود کو نرمی سے چھو کر گزر رہے تھے۔ وہ دونوں درخت کے تنے سے ٹیک لگائے محو و بے خود بیٹھے تھے۔ چار سو پھیلے گھاس کے میدان میں ان کے جانور چر تے پھر رہے تھے۔ مگر ہابیل کی توجہ اپنے ریوڑ پر کم اور اسدہ کی طرف زیادہ تھی۔ وہ محویت کے ساتھ اسدہ کو دیکھ رہا تھا۔ بیچ بیچ میں وہ نظر اٹھا کر اپنی بھیڑ بکریوں پر بھی نگاہ دوڑا لیتا۔

''تم مجھے دیکھنا چھوڑ و اور اپنے جانوروں کی فکر کرو۔ کہیں کوئی بھیڑیا انہیں مار نہ کھائے۔''

اسدہ ایک لمحے کو رکی مگر ہابیل کی محویت میں کوئی فرق نہ آیا۔

''بھیڑیے سے زیادہ مجھے قابیل کا خوف ہے۔ اس نے قربانی کے بعد کیا کہا تھا کہ وہ تمھیں مار ڈالے گا۔''

یہ بات کہتے ہوئے اسدہ کی آنکھوں میں اندیشوں کے سائے لہرانے لگے۔

''تم فکر نہ کرو۔ قابیل میرا بھائی ہے۔ وہ ناراض ہے، مگر تھوڑے دنوں میں ٹھیک ہو جائے گا۔''

''نہیں وہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ عدرہ مجھے بتا رہی تھی کہ اس کے ارادے اچھے نہیں۔ تم اپنی حفاظت کا کوئی بندوبست کرو ہابیل۔''

''میں کیا کروں؟ اگر وہ مجھے مارنے کے منصوبے بنا رہا ہے تو کیا میں بھی اسے مارنے کا منصوبہ بناؤں؟ وہ اگر مجھے مارے گا تو اس گناہ کا بوجھ وہ خود اٹھائے گا۔ اپنے گناہ کا بوجھ اور قیامت تک قتل ہونے والے ہر انسان کے قتل کا بار بھی وہی اٹھائے گا۔''

''ایسا مت کہو۔ مجھے جدائی سے بہت ڈر لگتا ہے ہابیل۔ میں تمھیں بہت چاہتی ہوں اور ہمیشہ تمھارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ مگر......''

’’کچھ نہیں ہوگا‘‘، ہابیل نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

’’ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ اس دنیا میں بھی اور ہمیشہ رہنے والی دنیا میں بھی۔‘‘

’’وہ دنیا کب شروع ہوگی؟‘‘

’’وہ دنیا موت کے بعد شروع ہوگی۔‘‘

’’وعدہ کرو تم وہاں بھی میرے ساتھ رہو گے۔‘‘

’’وعدہ پکا وعدہ۔ لیکن یہ بتاؤ کہ اِس دنیا میں جینے کے لیے کچھ کھانے کو لائی ہو۔‘‘

’’ارے یاد آیا اماں نے کہا تھا کہ آج کھانا وہ دیں گی۔ تم یہیں بیٹھو میں اماں سے کھانا لے کر آتی ہوں۔‘‘

اسدہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے کھڑی ہوئی۔

’’جلدی سے آجانا! میں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔‘‘

یہ کہتے ہوئے ہابیل اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر میں وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ اب ہابیل کے بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ وہ شادی سے قبل دن بھر بکریوں کے پیچھے بھاگتا ان کی رکھوالی کرتا تھا۔ مگر شادی کے بعد جب اسدہ اس کے ساتھ ہوتی تو وہ سب بھول کر اس کے ساتھ بیٹھ جاتا۔ اسدہ کے جاتے ہی اسے اپنے ریوڑ کی فکر ہوئی۔ وہ کھڑا ہی ہوا تھا کہ کسی نے زور سے اسے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ حملہ آور نے زور سے ایک لات اس کے پیٹ پر ماری۔ وہ درد کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ اس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ مارنے والا کوئی اور نہیں اس کا اپنے بھائی قابیل تھا۔

قابیل کے ہاتھ میں ایک کلہاڑا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

’’بھائی۔‘‘

جواب ملا:

''بھائی نہیں دشمن۔دشمن جاں۔میں تجھے مار کر اپنی ذلت کا بدلہ لوں گا۔''

''مجھے مار کر تم بچ نہیں سکو گے۔''

''میں یہاں سے بھاگ جاؤں گا۔''

''کیا خدا سے بھی بھاگ کر کہیں جا سکتے ہو۔''

''میں خدا کا نام بھی نہیں سننا چاہتا۔اس نے تم کو مجھ پر ترجیح دی۔''

''نہیں ایسا نہیں۔تم نے اپنے نفس، اپنی خواہش اور شیطان کو خدا پر ترجیح دی ہے۔اللہ سے ڈرو اور باز آ جاؤ۔وگرنہ اس دنیا میں تم بھاگ بھی جاؤ تب بھی قیامت کے دن اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔''

''کوئی قیامت نہیں آئے گی۔کوئی حساب نہیں ہوگا۔زندگی اسی دنیا کی ہے اور اس میں اب تجھے میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔''

یہ کہتے ہوئے قابیل نے پوری قوت سے کلہاڑا لہرایا اور اگلے لمحے زمین ہابیل کے خون سے رنگین ہونے لگی۔ہابیل بے دم ہو کر زمین پر گر چکا تھا۔اس کے چہرے پر کرب مگر دل میں سکون تھا۔اس نے آسمان کی طرف نظر کر کے دیکھا اور بمشکل یہ الفاظ ادا کیے۔

''اللہ کا شکر ہے کہ میں آدم کا بہتر بیٹا ہوں۔میں قاتل نہیں بنا۔میں نجات پا گیا۔''

یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

....

یہ سارا واقعہ ناعمہ کے سامنے پیش آیا۔ناعمہ جانتی تھی کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی۔اس کی آنکھوں کے سامنے انسانیت کا پہلا قتل ہو چکا تھا۔ایک معصوم بے گناہ اور نیک انسان ظالمانہ

طریقے پر مار دیا گیا تھا۔ وہ اسے روک نہیں سکی۔ جو روک سکتا تھا اس نے بھی نہیں روکا۔ اسدہ کی چیخوں نے ناعمہ کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ اسے اپنی بے بسی کا شدید احساس ہوا۔ ساتھ ہی اس میں زبردست غصہ پیدا ہوا اور اس نے عصر کو جھنجوڑتے ہوئے کہا:

''تم نے اسے کیوں نہیں روکا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں نہیں روکا۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں ہوا۔ یہ سرتاسر ظلم ہے۔''

''ناعمہ جذباتی مت بنو۔ تم دیکھ چکی ہو کہ یہاں ہر طرف فرشتے موجود ہیں۔ وہ جب چاہیں اللہ کے حکم پر کچھ بھی ہونے سے روک سکتے ہیں۔ مگر وہ مداخلت کرتے رہیں گے تو پھر انسانوں کی آزادی ختم ہو جائے گی۔ پھر کسی مجرم کو جرم کی سزا ملے گی نہ کسی کو صبر کے بدلے میں جنت ملے گی۔ اللہ کی خاموشی کا مطلب اس کی بے بسی اور کمزوری نہیں۔ یہ امتحان ہے۔ اس میں ایسا ہی ہوگا۔ مگر یہاں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔ مگر وہ تمھاری نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ اب میں تمھیں وہ دکھاتا ہوں۔''

عصر نے ناعمہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کا ہاتھ تھاما اور پھر آگے بڑھنے لگا۔ پہر اور ایام، مناظر کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر عصر رک گیا۔ وقت بھی ٹھہر گیا۔ ناعمہ نے دیکھا کہ ایک بہت چھوٹی سی بستی تھی جس میں گنتی کے چند کچے گھر بنے تھے۔ ایک گھر میں عصر ناعمہ کو لے کر داخل ہو گیا۔ یہاں ایک چارپائی پر ایک بہت بوڑھا شخص اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا۔ اردگرد چند لوگ کھڑے تھے۔ ناعمہ نے عصر کی طرف دیکھا تو اس نے جواب دیا:

''یہ قابیل ہے۔ موت کے دروازے پر بے بسی سے پڑا قابیل۔ تم نے کہا تھا کہ یہاں انصاف نہیں ہوتا۔ یہ دیکھو اللہ کا انصاف اب شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مجرم کو پکڑنے کی

جلدی نہیں کرتے۔ان کا ہر مجرم وقت کی رو میں بہتا ہوا خود ان کی عدالت تک آ جاتا ہے۔اب موت کے ساتھ ہی قابیل کی سزا شروع ہوگی۔اس طرح کہ قیامت کے دن تک جو قتل بھی ہوگا اس کے گناہ کا ایک حصہ قابیل کے نام لکھا جائے گا۔جبکہ ہابیل کو قتل کرنے کا جرم الگ ہے۔ اسے بدترین عذاب دیا جائے گا۔ذرا غور سے دیکھو کیا ہو رہا ہے،مگر دل ذرا بڑا رکھنا۔‘‘

یہ کہتے ہوئے عصر نے ناعمہ کا ہاتھ پھر ہاتھوں میں لے لیا۔جس کے ساتھ ناعمہ کی بینائی نے وہ دیکھنا شروع کر دیا جو کسی اور کو نظر نہیں آ رہا تھا۔اس جھونپڑی میں عذاب کے انتہائی خوفناک فرشتے موجود تھے۔ناعمہ نے اپنے خیالوں میں بھی اس طرح کی خوفناک مخلوق کا تصور نہیں کیا تھا۔ان کو دیکھتے ہی ناعمہ کے بدن میں تھرتھری چھوٹ گئی۔

عذاب کے یہ فرشتے ملک الموت کے منتظر تھے۔چند ہی لمحوں میں ملک الموت اندر داخل ہوئے۔ان کے چہرے پر ایسی ہیبت اور غصہ تھا کہ ناعمہ کی خراب حالت اور خراب ہوگئی۔اس کا جسم ہولے ہولے لرزنے لگا۔عصر نے اسے سہارا دیا اور باہر لے آیا۔

....

آٹھواں باب

سنگ تراش وسنگ دل

تھوڑی دیر میں ناعمہ کی حالت کچھ سنبھل گئی۔عصر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''اب کیا خیال ہے تمھارا؟ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی بنا پر ظلم کی اجازت تو دے رکھی ہے، مگر یہ اجازت کسی مجرم کو نہیں کہ وہ اس کی پکڑ سے نکل کر بھاگ سکے۔ سزا و جزا ہر حال میں ملتی ہے۔''

''ہاں میں نے دیکھ لیا۔مگر......''

ناعمہ بہر حال ایک فلسفی تھی، اعتراض کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''کتنے انسان اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں؟''

''کوئی نہیں دیکھ سکتا، نہ انہیں دیکھنا چاہیے۔ ورنہ یہ بتاؤ کہ پھر کوئی گناہ کیوں کرے گا۔ اور پھر تو کسی نیکی کا بھی کوئی اجر نہیں ہونا چاہیے۔ فرشتے ہوں، میں ہوں یا کوئی اور مخلوق، ہم سے

زیادہ اللہ کا کوئی فرمانبردار نہیں ہے۔ مگر ہمارے لیے کوئی اجر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ہمیں ہر حقیقت کا شعور ہوتا ہے۔ جبکہ تم انسان صرف مادی دنیا میں جیتے ہو۔ تمھیں اپنی عقل اور شعور استعمال کر کے آثار و دلائل سے حقیقت کو جان لینا چاہیے۔ اس کے بعد ہر طرح کی مشکل جھیل کر تمھیں نیکی کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ جنت اسی کا بدلہ ہے۔ لیکن تم مادی دنیا میں غرق ہو جاتے ہو۔ جس سے ظلم اور ناانصافی وجود میں آتی ہے۔ یہ ظلم اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ انسان کرتے ہیں۔ اسی کا بدلہ جہنم ہے۔''

عصر بول رہا تھا اور ناعمہ خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔ پھر اس نے ناعمہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا:

''لیکن ایسا نہیں ہے کہ سزا و جزا یہاں کسی سطح پر بھی نہیں ہوتی۔ تمھیں یاد ہوگا رسولوں کی تاریخ کے جس سفر پر تم میرے ہم رکاب تھیں، وہ اسی سزا و جزا کی ایک روداد تھی۔ تم نے اپنی آنکھوں سے قوم نوح علیہ السلام اور قوم عاد کی سزا و جزا دیکھی ہے۔ رسولوں کی اقوام کی سزا و جزا سے اللہ تعالیٰ کا مقصود ہی یہی ہے کہ آخرت کی سزا و جزا اور اللہ کی ذات کا ایک ناقابل تردید ثبوت انسانیت کے سامنے موجود رہے۔''

''ہاں تم ٹھیک کہے رہے ہو۔ مگر اب دنیا میں نہ قوم نوح علیہ السلام کے آثار بچے ہیں نہ قوم عاد کے۔''

تم اگر پہلا سوال بیچ میں نہ اٹھاتیں تو میں تمھیں ایسی اقوام میں لے کر جاتا جن کے آثار ابھی باقی ہیں۔

''کن اقوام میں؟''

''چلو میں دکھاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عصر نے اس کا ہاتھ تھاما اور کچھ ہی دیر میں وہ واپس انہی ٹیلوں پر کھڑے تھے۔قوم عاد کے برباد شدہ علاقے کے پاس۔

وقت کی ڈولی میں بیٹھ کر ماضی و مستقبل کا سفر اتنی تیز رفتاری کے ساتھ طے کرنا واقعی حیرت انگیز تھا۔ ناعمہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ عصر کے ساتھ اسی علاقے میں کھڑی تھی۔ پھر ہابیل و قابیل کے دور میں چلی گئی اور اب پھر دوبارہ یہاں لوٹ آئی ہے۔

اس نے حیرت سے کہا:

''یہ تو ہم دوبارہ قوم عاد کے تباہ شدہ علاقے میں آ گئے۔مگر اب یہاں سے ہماری اگلی منزل کیا ہوگی؟''

عصر نے جواب دیا:

''ہود علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ بچے تھے۔ وہ عرب کے جنوب سے ہجرت کر کے عرب کے شمال کی سمت گئے ہیں۔تم نے قوم عاد کی سزا تو دیکھ لی تھی، مگر یہ نہیں دیکھا تھا کہ ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کے ساتھ کیا ہوا۔ چلو میں تم کو ان سے بھی ملا دوں۔تا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ایمان لانے والوں کو عذاب سے بچا کر زمین کا وارث بنا دیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر عصر نے ناعمہ کو لیا اور چند قدم بڑھائے۔ کچھ ہی دیر میں وہ ایک انسانی گروہ کے قریب پہنچ گئے۔ یہ لوگ قوم عاد کے باقی ماندہ افراد تھے اور تیزی سے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ ان کی سربراہی اللہ کے پیغمبر ہود علیہ السلام کر رہے تھے۔ان سب کی زبانوں پر اللہ کی حمد کے نغمے اور اسی کی عظمت کے ترانے تھے۔ان کو بتایا جا چکا تھا کہ مجرموں کے ساتھ کیا ہوا ہے۔

عصر ان کو دور جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر ناعمہ سے بولا:

''یہی لوگ اب زمین کے وارث ہوں گے۔جنہیں بے وقوف سمجھا گیا، جو معاشرے میں

کمزور تھے، جو مادی مفادات سے زیادہ اخلاقی اصولوں کو اہمیت دیتے تھے، جو اپنے اسلاف کے بتوں اور اپنے تعصّبات کے بجائے سچائی کے آگے جھکے، جنہوں نے جذبات وخواہشات کے بجائے عقل اور دلیل کے آگے سر جھکایا، جنہوں نے حق کا ساتھ اس وقت دیا جب اس کے ساتھ کوئی مادی قوت نہیں تھی، جنہوں نے رب کی رضا کے لیے ہر مخالفت کو جھیلا، ہر طعنہ کو برداشت کیا، ہر الزام کو گوارا کیا، یہی لوگ اب پھلے پھولیں گے۔ ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی اور چند نسلوں بعد یہ ایک عظیم تہذیب کی بنیاد ڈالیں گے۔ یہ دنیا میں ان کا بدلہ ہے۔ جبکہ ہمیشہ باقی رہنے والی جنت میں اعلیٰ مقام ان کی اصل جزا ہے جسے موت کے ساتھ ہی یہ لوگ پالیں گے۔''

عصر ایک لمحے کو رکا اور پھر تاسف آمیز لہجے میں بولا:

''مگر جیسا کہ میں نے کہا تھا صدیوں کے انحطاط کے بعد موحدین کی اولاد خود مشرک بن جائے گی۔ پرانا سانپ یعنی ملعون شیطان اپنا زہر ان میں انڈیل کر انہیں بھی مجرم بنادے گا۔ یہ قوم ثمود کہلائے گی۔ اور ان کے درمیان حضرت صالح علیہ السلام اٹھیں گے۔''

عصر نے یہ کہا اور ناعمہ کا ہاتھ تھام کر دوبارہ چلنا شروع ہوگیا۔ صدیوں کا سفر چند لمحوں میں طے ہو رہا تھا۔ ساتھ ساتھ عصر بولتا جا رہا تھا:

''اب ہم قوم ثمود کے علاقے میں جا رہے ہیں جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت ہو چکی ہے۔ وہ اپنی قوم میں ایک بے مثل انسان سمجھے جاتے تھے اور قوم انہیں ایک بڑے لیڈر کی حیثیت سے دیکھ رہی تھی، مگر پیغمبری ملنے کے بعد انہوں نے ایک رب کی عبادت کی طرف بلایا۔ کفر کی پاداش میں عذاب کی تنبیہ کی۔ جواب میں قوم نے وہی کہا جو نوح اور ہود علیہما السلام کو کہا گیا تھا۔ گنتی کے چند لوگ ہی ان کی باتوں پر ایمان لائے ہیں۔ جبکہ قوم کی سرکشی بڑھتی جا رہی ہے اور اب انہوں نے کسی معجزے کا تقاضہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ معجزہ ایک اونٹنی کی شکل

میں سامنے لائے ہیں۔ یہ اونٹنی معجزانہ طریقے پر پیدا ہوئی۔ مگر پھر بھی ان لوگوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ سو اب حکم ہوا ہے کہ ایک دن بستی کے کنویں سے اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن باقی بستی۔ یہ ان کے کفر کی ایک چھوٹی سی سزا ہے اور ساتھ میں ایک وعید بھی۔ انہیں بتا دیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے اونٹنی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو عذاب کا شکار ہو جائیں گے۔''

''مگر یہ مہلت کیوں ملی؟ فوراً عذاب کیوں نہیں آیا؟''، ناعمہ نے سوال کیا۔

''دراصل اس قوم میں نشانی دیکھنے کے بعد ایک تذبذب پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے دل اپنے کفر پر ڈگمگا گئے ہیں۔ جبکہ بستی میں موجود نو بڑے سردار اپنے کفر پر قائم ہیں اور لوگوں کو ایمان لانے سے روک رہے ہیں۔ اس مہلت سے اللہ تعالیٰ نے گویا متذبذب لوگوں کے لیے ایک موقع فراہم کیا ہے کہ وہ ان مفسد سرداروں کی بات ماننے کے بجائے حق کا ساتھ دیں۔ لیکن یہ کفر پر قائم رہے تو سب مارے جائیں گے۔''

یہ باتیں کرتے ہوئے ناعمہ اور عصر قوم ثمود کے علاقے میں جا پہنچے۔ ناعمہ کو معلوم تھا وہ زرعی دور یا ایگریکلچرل ایج میں موجود ہے۔ یہاں ترقی اور رفاہیت کا معیار وہی تھا جو اس کے سامنے تھا۔ دور دور تک کھیتوں کی ہریالی تھی۔ جگہ جگہ خوبصورت باغ لگے ہوئے تھے جن میں انواع اقسام کے پھلوں والے درخت اگے ہوئے تھے۔ بہت سے باغ ایسے تھے جن کے اندر کھیتیوں میں فصلیں اگی ہوئی تھیں۔ کھیتیوں کے بیچ میں پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ جبکہ چاروں طرف کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے جن کے نرم خوشے آنکھوں کو بہت بھلے لگ رہے تھے۔ غرض ہر جگہ پانی، سبزے، میووں اور فصلوں کی بہار چھائی ہوئی تھی۔

دور دور تک یہی منظر تھا۔ یہ ایک میدانی علاقہ تھا جس کے ساتھ ساتھ پہاڑ بھی تھے۔ وہ دونوں یہ رونق دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ناعمہ نے فطرت کی یہ رعنائی دیکھ کر عصر سے کہا۔

''یہ علاقہ تو قوم عاد کے علاقے سے بھی زیادہ سرسبز وشاداب ہے۔ کیا یہ اب ایسا ہوا ہے یا ابتدا ہی سے قوم ثمود پر اللہ کا یہ فضل رہا ہے۔''

''تمھیں تو میں اللہ کا قانون بتا چکا ہوں۔ کسی قوم کی ہلاکت کے ساتھ اللہ کا اہل ایمان پر پہلا احسان یہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو بچایا جاتا ہے۔ جیسا کہ قیامت کے دن مومنوں پر سب سے بڑا اور پہلا احسان یہ ہوگا کہ انہیں جہنم سے بچالیا جائے گا۔ دوسرا انعام یہ ہوتا ہے کہ انہیں زمین کا اقتدار دے دیا جاتا ہے۔ جس طرح اہل ایمان کو جنت کی بادشاہی دے دی جائے گی۔ چنانچہ قوم ثمود نے قوم عاد کے بچے ہوئے اہل ایمان سے جنم لیا۔ ابتدا ہی سے ان پر اللہ کا ایسا فضل رہا کہ ان کی نسل خوب بڑھی۔ ان کے علاقے میں سیکڑوں برس سے بارشوں اور دیگر موسموں کا بہترین امتزاج رہتا ہے۔ بیماریاں اور وباؤں سے ان کے علاقے محفوظ رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ خوب پھلے پھولے ہیں۔ سو اصل احسان تو ابتدائی اہل ایمان پر تھا۔ لیکن ان کے صلے میں ان کی اگلی نسلوں پر بھی احسان کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ نعمتیں پا کر یہ رفاہیت میں تو بہت آگے بڑھ گئے لیکن اطاعت اور ایک اللہ سے وفاداری چھوڑ بیٹھے۔''

''یہ کون سا علاقہ ہے؟''

''یہ علاقہ مدائن صالح یا الحجر کہلاتا ہے اور اس کے آثار تمھارے زمانے تک موجود ہیں۔ گرچہ اب یہ ایک صحرائی میدانی علاقہ بن چکا ہے۔ جس ملک کو تم لوگ سعودی عرب کہتے ہو اس کے شمالی علاقے میں مدینہ سے اردن کی سمت جاتے ہوئے یہ علاقے آتے ہیں۔''

تھوڑی دیر میں بستی کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ ہموار زمین پر بڑے بڑے کشادہ محلات سے بنے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

انہیں دیکھ کر ناعمہ نے کہا:

''یہ قوم تو تعمیرات میں بھی قوم عاد سے آگے نکل گئی ہے۔''

''تم نے ٹھیک کہا۔لیکن اس فن میں ان کی مہارت کا اصل ثبوت یہ پہاڑ ہیں۔ان لوگوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کران کے اندر بہترین گھر بنا رکھے ہیں۔ یہ گھر شدید گرمی میں بھی بہت ٹھنڈے رہتے ہیں۔تم ان گھروں کو اندر سے دیکھو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔''

عصر کی بات پر ناعمہ نے غور سے ایک قریبی پہاڑ کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ یہ ایک تنہا پہاڑی سی تھی جس میں دو دروازے بنے ہوئے تھے۔ یہ کسی غار کے دہانے کی طرح ہرگز نہیں تھا بلکہ باقاعدہ دروازے کی شکل میں تراشا گیا تھا۔اس پر مزید کمال یہ تھا کہ دروازے کے اوپر اور دونوں اطراف پہاڑ کو ہموار کر کے انتہائی خوبصورتی سے مختلف ڈیزائن تراشے گئے تھے۔ بلاشبہ یہ کمال کی سنگ تراشی تھی۔

ناعمہ نے حیرت کے ساتھ کہا:

''یہ لوگ تو اپنے فن کے عروج پر پہنچ چکے ہیں۔اور وہ بھی اتنے پرانے دور میں۔''

''ان کے فن کا مزید اندازہ تمھیں ان گھروں کو اندر سے دیکھ کر ہو گا۔آؤ میں تمھیں اسی گھر میں لے چلوں۔ یہ ایک انتہائی مالدار عورت عنیزہ کا گھر ہے۔ جو ایک بڑے سردار کی بیوی ہے۔ جوانی میں یہ ایک پیشہ ور عورت تھی۔بستی کا ایک بڑا سردار اس کے حسن پر فدا ہو گیا۔اس سے باقاعدہ شادی کر لی اور اسے یہ عظیم الشان گھر بنا کر دے دیا۔اب اس کی ایک بیٹی ہے جو اس سے بھی کہیں زیادہ حسین ہے۔عنیزہ نے اس وقت بستی کے ایک طاقتور سردار قیدار کو اپنے گھر بلا رکھا ہے اور اسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کرنے پر آمادہ کر رہی ہے۔باقی تم اندر چل کر خود دیکھ لو کہ کیا ہو رہا ہے۔''

....

عنیزہ کا گھر جیسا باہر سے بے مثل تھا ویسے ہی اندر سے بھی شاندار تھا۔اندر داخل ہوتے وقت ناعمہ یہ خیال کررہی تھی کہ یہ کوئی تنگ وتاریک سا غار ہوگا جہاں چاروں طرف بھدی دیواروں کے ساتھ کچھ ساز وسامان رکھا ہوگا۔مگر داخل ہوتے ہی ناعمہ کومحسوس ہوا کہ وہ کسی گھر میں آچکی ہے۔داخلی دروازہ ایک وارنڈے میں کھل رہا تھاجس کی دیواریں مکمل ہموار تھیں۔چھت اونچی تھی جبکہ تینوں طرف چار پانچ قدم کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جوایسے ہی وسیع وعریض کمروں میں جارہی تھیں۔سیڑھیوں کے ہر ہر قدم کے دونوں سروں پر روشنی کے لیے چراغ جل رہے تھے۔جس سے ماحول بالکل روشن تھا۔ہر چیز واضح نظر آرہی تھی۔خصوصاً دیواروں پر جگہ جگہ بنے ہوئے نقش ونگار بہت ابھر کرسامنے آگئے تھے۔

عصر اس کا ہاتھ تھامے اسے بائیں ہاتھ کے کمرے کی طرف لے گیا۔یہاں ایک فرشی نشست پر ایک لمبا چوڑا نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔یہ قیدار تھا۔اس کے ساتھ ہی ایک درمیانے عمر کی عورت بیٹھی ہوئی تھی۔وقت نے اس عورت کے خدوخال پر بہت کچھ گرد ڈال دی تھی،مگر یہ گرد ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی کہ ماضی کے دل آویز عکس کو بالکل دھندلا دیتی۔

یہ دونوں اندر داخل ہوئے تو نوجوان اس عورت سے مخاطب ہوکر کہہ رہا تھا:

''عنیزہ تم جانتی ہوکہ میں بزدل ہرگز نہیں ہوں۔میں بڑے بڑے شہسواروں کو پچھاڑ سکتا ہوں۔پوری قوم میں میری ہمت اورمردانگی کی دھوم ہے۔مگراونٹنی کا معاملہ بہت الگ ہے۔''

''اونٹنی کا معاملہ الگ نہیں تمھارے اندر خوف بیٹھ چکا ہے۔اس خوف نے تمھیں بزدل بنادیا ہے۔''

عنیزہ نے طنزیہ انداز میں کہا تو قیدار جھلا اٹھا:

''میں نے کہا نا میں بزدل نہیں ہوں۔کیا تم نہیں جانتیں کہ صالح ایک بہت عزت دار اور

با کردار آدمی ہے۔قوم میں اس کی بہت دھوم تھی۔ پھر اس نے ہمارے بتوں کو برا کہا اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلانا شروع کیا۔سوائے چند بے وقوفوں کے جنھوں نے اس کی بات مان لی، ہم سب نے مل کر اس کی مخالفت کی۔ پھر ہم نے اس سے مطالبہ کیا کہ اپنی سچائی کے ثبوت میں کوئی نشانی دکھاؤ۔ یہ اونٹنی وہی نشانی ہے جو عام انداز میں نہیں معجزانہ طور پر پیدا ہوئی ہے۔اور تم شاید بھول رہی ہو کہ یہ نشانی دکھانے کے بعد صالح نے کہا تھا کہ اگر ہم نے اونٹنی کو ہاتھ لگایا تو پوری قوم پر عذاب آنا یقینی ہو جائے گا۔''

''ارے یہ سب بے کار کی دھمکیاں ہیں''،عنیزہ نے تنک کر کہا:

''اس اونٹنی نے ہمارا ناک میں دم کر دیا ہے۔ بھلا بتاؤ یہ کوئی بات ہے کہ ایک دن بستی کا سارا پانی یہ اونٹنی پی جاتی ہے اور ایک دن باقی لوگوں کا پانی لینے کا دن ہوتا ہے۔ یہ کتنی تکلیف دہ صورتحال ہے۔تمھیں اس کا احساس نہیں۔''

''مجھے احساس ہے،مگر......''

''اگر مگر کچھ نہیں۔ یہ اونٹنی صرف اور صرف ایک جادو کا اثر ہے۔صالح نے جادو سیکھ لیا ہے اور اسی کے زور پر وہ تمھیں ڈرا رہا ہے۔ ایک دفعہ وہ اونٹنی ماردی جائے گی تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ صرف جادو تھا۔ایک خدا کی طاقت اور معجزے کا ظہور نہیں تھا۔''

عنیزہ بول رہی تھی اور قیدار کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمایاں تھے۔عنیزہ کو اندازہ ہو گیا کہ اب ترپ کی چال چلنے کا وقت آ گیا ہے۔اس نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

''قیدار میں تمھیں ہمیشہ سے بہت پسند کرتی ہوں۔اور چاہتی ہوں کہ تمھارے جیسا ہی کوئی زورآور میری بیٹی سے شادی کرے۔ اس جیسا حسین پوری بستی میں کوئی نہیں۔''

عنیزہ کی بیٹی برابر کمرے میں موجود عنیزہ کے اسی جملے کی منتظر تھی۔ چنانچہ اسی وقت وہ

ایک طشتری میں پھل لیے کمرے میں داخل ہوئی اور قیدار کے سامنے رکھ کر اپنی ماں کے برابر میں بیٹھ گئی۔

اس نوخیز لڑکی کو دیکھ کر قیدار کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہ بلا شبہ بے حد دلکش خدوخال کی مالک لڑکی تھی۔ مگر قیدار کو اپنی تیغ حسن سے ذبح کرنے کے لیے اس نے آج سارے سنگھار کر رکھے تھے۔ قیدار اس دام فریب سے نکل نہ جائے، اس اندیشہ کو رفع کرنے لیے اس نے لباس بھی ایسا زیب تن کیا تھا جو بڑی حد تک نیم عریاں تھا اور ستر پوشی سے زیادہ جسم کے نشیب وفراز کو نمایاں کر رہا تھا۔

قیدار کے لیے اب ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ عنیزہ کی بات کا انکار کرے۔ وہ سحر زدہ انداز میں اس لڑکی کو گھورے جا رہا تھا۔ عنیزہ کو معلوم ہو گیا کہ تیر نشانے پر لگ چکا ہے۔ اس نے بڑے انداز سے کہا:

''اونٹنی کو مار دو اور میری بیٹی سے شادی کر لو۔ ورنہ آئندہ مجھے اپنی شکل بھی نہ دکھانا۔ میں اور میری بیٹی کسی بزدل نامرد کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔''

قیدار ذبح تو پہلے ہی ہو چکا تھا، اس آخری جملے نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس لڑکی کے سامنے بزدلی کا طعنہ وہ سہہ نہ سکا اور ایک دم سے کھڑا ہو کر بولا:

''آج اور ابھی اس اونٹنی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ وہ میرے سامنے چیز ہی کیا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔

....

ناعمہ نے عصر سے کہا:

''ہمیں قیدار کے پیچھے چلنا چاہیے۔''

”نہیں کوئی فائدہ نہیں۔ وہ جا کر اونٹنی کو مار ڈالے گا۔مگر اسی وقت ایک اور زیادہ اہم معاملہ بھی ہو رہا ہے۔بہتر ہے تم اسے دیکھ لو۔“

یہ کہہ کر عصر اسے لے کر باہر نکلا اور ایک اور قریبی غار میں داخل ہو گیا جو بڑی حد تک پہلے والے سے ملتا جلتا تھا۔اس غار کے ایک کمرے میں بستی کے نمائندہ سردار بیٹھے ہوئے تھے۔ ناعمہ عصر کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو اس کے کانوں نے ایک سردار کی آواز سنی۔ وہ بڑے فخر اور خوشی کے ساتھ بتا رہا تھا:

”میری بیوی نے بستی کے سب سے بہادر شخص قیدار کو اونٹنی کے قتل پر آمادہ کر لیا ہے۔بس تھوڑی ہی دیر میں اس کے قتل کی اطلاع آ جائے گی۔ یہ مسئلہ تو اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔“

اس پر ہر طرف سے داد و تحسین کی صدا بلند ہوئی۔شور تھما تو ایک اور سردار بولا:

”دوستو!تم غور کرو کہ اصل مسئلہ ابھی تک اپنی جگہ باقی ہے۔ یہ صالح جب تک زندہ رہے گا تب تک ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا رہے گا۔تم دیکھ چکے ہو کہ بستی کے کئی بے وقوف لوگ اس کی بات مان چکے ہیں۔ جبکہ اونٹنی والا نشان دیکھنے کے بعد ہمارا ایک سردار جندع بن عمر بھی اس پر ایمان لے آیا۔اصل مسئلے کو اگر ہم نے جڑ سے ختم نہ کیا تو ایک ایک کر کے سب لوگ اس کی بات مانتے چلے جائیں گے۔“

”تم نے بالکل ٹھیک کہا“۔عنیزہ کے شوہر نے کہا:

”اب وقت آ گیا کہ اونٹنی کے ساتھ اونٹنی والے کو بھی ختم کر دیا جائے۔“

اس پر ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا۔سب لوگ بیہودہ انداز سے ہنسنے لگے۔مگر ایک سردار خاموش بیٹھا رہا۔لوگوں کی ہنسی تھمی تو اس نے سنجیدگی کے ساتھ کہا:

”صالح کو مارنا اتنا آسان کام نہیں۔ اس کے پیروکار بھی ہیں جو اس کے لیے جان دے

دیں گے اور اس کے خاندان کے لوگ بھی اس کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یوں خوامخواہ بستی میں بہت خون خرابہ شروع ہو جائے گا۔''

اس پر ایک سردار بولا:

''ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ اگر وہ بدلہ لینے آئیں گے تو ہماری تلواریں ان کا استقبال کریں گی۔''

''نہیں ہمیں نادانی سے کام نہیں لینا چاہیے''۔ عنیزہ کا شوہر بولا:

''تم جانتے ہو قبیلوں کی لڑائیاں صدیوں تک ختم نہیں ہوتیں۔ ہمیں ایسا کام کرنا چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہم صالح کو علانیہ قتل نہیں کریں گے۔ ہم رات کے وقت چھپ کر اس کے گھر پر حملہ کریں گے۔ اسے اور اس کے گھر والوں کو خاموشی سے قتل کرنے کے بعد ہم سب اپنے ٹھکانوں پر لوٹ آئیں گے۔ صبح جب یہ بات کھلے گی تو ہم اس کے اولیاء اور خاندان کے لوگوں کو قسمیں کھا کر یقین دلائیں گے کہ اس میں ہمارا ہاتھ نہیں۔ جب ان کے پاس کوئی ثبوت ہو گا نہ کوئی گواہ کہ یہ کام ہم نے کیا ہے تو پھر وہ نہ ہمارے خلاف کوئی قدم اٹھا سکیں گے اور نہ قوم میں سے کوئی ان کی حمایت کرے گا۔ یوں یہ معاملہ دب جائے گا۔''

ایک دفعہ پھر ہر طرف سے داد و تحسین کی صدا بلند ہوئی۔ اسی اثنا میں ایک خادم تیزی کے ساتھ اندر دوڑتا ہوا آیا اور چلا کر بولا:

''قیدار نے اونٹنی کو مار ڈالا۔''

مجلس میں ایک دفعہ پھر جوش پیدا ہو گیا۔ لوگ کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد دینے لگے۔ وہ خادم مزید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا، مگر لوگ ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے میں مگن تھے۔ آخر کار وہ چلا کر بولا:

''حضور ایک اور خبر بھی ہے۔''

سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''صالح نے اونٹنی کے قتل کے بعد یہ دھمکی دی ہے کہ اب ہمارے پاس صرف تین دن کی مہلت ہے۔ تیسرے دن عذاب آئے گا اور ہم سب مارے جائیں گے۔''

یہ سن کر مجلس میں موجود ہر شخص کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔ یہ اندازہ ان میں سے ہر شخص کو تھا کہ صالح جس سیرت و کردار کے مالک تھے وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ ان کی کوئی بات کبھی غلط بھی نہیں ہوئی تھی۔ ان لوگوں کی فرمائش پر انہوں نے ایک معجزہ بھی دکھا دیا تھا۔ مگر اس اونٹنی کو ان لوگوں نے مار ڈالا۔ اس کے بعد جو بات صالح علیہ السلام نے کہی تھی، ان میں سے ہر شخص کا دل یہ کہہ رہا تھا کہ وہ جھوٹ نہیں ہو سکتی۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

ایسے میں عنیزہ کے شوہر نے سرداروں کا حوصلہ بلند کرنے کے لیے کہا:

''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آج رات ہم صالح کو قتل کر دیں گے۔ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔''، اس پر ایک دفعہ پھر ایک قہقہہ بلند ہوا۔

ناعمہ نے صاف محسوس کر لیا کہ اس دفعہ یہ قہقہہ روح سے خالی ایک رسمی ہنسی تھی۔

....

ناعمہ اور عصر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یہ ایک تاریک رات تھی۔ جس میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ان سے آگے حضرت صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے گنتی کے چند لوگ چلے جا رہے تھے۔ ان کی زبانوں پر کلمہ حمد و تمجید تھا۔

یہ اسی دن کی شب تھی جب اونٹنی کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد کہ تین دن بعد عذاب آئے گا موسم میں ایک تبدیلی آتے ہوئے ناعمہ نے خود دیکھی تھی۔ وہ یہ کہ ٹھنڈی ہوا اپنے دوش پر گہرے اور دبیز بادل لے کر نجانے کہاں سے چلی آ رہی

تھی۔شام ہوتے ہوتے سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ چکا تھا۔انہی بادلوں کا اثر تھا کہ یہ رات بے حد تاریک تھی۔

اسی رات کو سرداروں نے مل کر حضرت صالح علیہ السلام کے گھر پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ مگر انہیں وحی کے ذریعے سے ہجرت کا حکم مل چکا تھا۔اس لیے حملہ آوروں کے آنے سے قبل حضرت صالح علیہ السلام تمام اہل ایمان کو لے کر تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اطمینان سے بستی سے نکل گئے۔بستی والوں کو اس سے کچھ اطمینان ہوا کہ صالح نے عذاب کی بات جھوٹ کہی تھی اور شرمندگی سے بچنے کے لیے وہ اپنے لوگوں کے ساتھ نکل بھاگے۔ان احمقوں کو معمولی سا اندازہ بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کو کس طرح گھیرتے ہیں۔دوسری طرف عصر بستی میں رکنے کے بجائے ناعمہ کو ان لوگوں کے پیچھے اپنے ساتھ لے آیا۔اب وہ ناعمہ کو صورتحال سے آگاہ کررہا تھا:

''ناعمہ اس قوم پر تین دن بعد عذاب آئے گا۔''

''وہ تو میں نے بھی سن لیا تھا،مگر تین دن کی مہلت کیوں دی گئی۔پہلی قوموں کو تو ایسی کوئی مہلت نہیں ملی۔''

''دراصل یہ مہلت نہیں ہے۔اس دفعہ عذاب کی نوعیت کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان عذاب کی پہنچ سے دور نکل جائیں۔''

''اب عذاب کیسے آئے گا۔''

''دراصل اس قوم کو بڑے ہیبت ناک بادل گھیرتے چلے جائیں گے۔مگر ان سے نہ بارش برسے گی نہ آندھی آئے گی۔ بلکہ اس دفعہ یہ ہوگا کہ تیسرے دن کی صبح ایک انتہائی زوردار کڑک پیدا ہوگی۔ یہ کڑک اتنی زبردست آواز پیدا کرے گی کہ اس بستی پر زلزلے کی سی کیفیت طاری

ہو جائے گی۔ پہاڑ ایسے لرزیں گے گویا زمین سے زلزلہ آ رہا ہے۔ جو کڑک پہاڑوں کا یہ حال کرے گی اس کے سامنے انسان کی کیا وقعت ہے۔ قوم ثمود میں جو شخص جس حال میں ہوگا وہ وہیں گر کر مر جائے گا۔''

''اوہ اچھا اب میں سمجھی۔ تین دن کی مہلت اس لیے دی گئی ہے کہ سیدنا صالح علیہ السلام اور ان کے پیروکار چلتے چلتے اس کڑک کے دائرہ اثر سے نکل جائیں۔ وہ اتنی دور چلے جائیں کہ کڑک کی زوردار آواز کا ان پر اثر نہ ہو۔''

''بالکل ٹھیک سمجھا تم نے حکمت الٰہی کو۔''

''مگر عصر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔''، حکمت الٰہی کا نام سن کر ناعمہ کا ذہن پھر چل پڑا تھا:

''یہ جو بار بار اقوام ہلاک ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب پہلے سے پتہ تھا نا۔ یعنی وہ جانتے تھے کہ کون لوگ ایمان لائیں گے کون کفر کریں گے تو پھر یہ سزا و جزا بے معنی سی بات نہیں ہوگئی؟ میرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو سب پتہ ہوتا ہے کہ آگے کیا ہوگا تو لوگوں کو سزا و جزا کیوں ملتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ایک کہانی کا اسکرپٹ خود لکھ دیا۔ اب لوگ تو وہی کر رہے ہیں جو اس اسکرپٹ میں لکھا ہے۔ کافر اس لیے کفر کر رہا ہے کہ اسے یہی کردار دیا گیا ہے۔ مومن اسی لیے مومن ہے کہ اسے یہی کردار دیا گیا ہے۔ تو پھر سزا و جزا کی کوئی اخلاقی توجیہ باقی نہیں رہتی۔ خاص طور پر سزا کی۔''

ناعمہ نے ایک سے زیادہ پیرائے میں اپنے ذہن کی الجھن کو عصر کے سامنے رکھ دیا۔

''ناعمہ تم نے ایک ایسے میدان میں قدم رکھا ہے جسے سمجھنا آسان نہیں ہے۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی خدائی شخصیت کو سمجھنا چاہتی ہو۔''

''استغفر اللہ!''، ناعمہ نے فوراً کہا۔

''میں اپنا سوال واپس لیتی ہوں۔''

''میں نے یہ نہیں کہا کہ تم اپنا سوال واپس لو۔ میں صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح چیزوں اور معاملات کو کرتے ہیں، اسے پورے طور پر سمجھنے کی ہم میں صلاحیت نہیں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا تین سال کا ایک نرسری کلاس کا بچہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ انسان کیسے وجود میں آجاتے ہیں۔ یہ بات ایسی نہیں ہوتی کہ سمجھائی نہ جاسکے، مگر بچہ شعور کی جس سطح پر ہوتا ہے وہ اس وقت اس بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ یہی معاملہ بڑی حد تک علم الٰہی اور انسانی اعمال کا ہے۔اسی لیے قرآن مجید نے ایک اصولی بات بار بار بیان کی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے مگر......''

مگر کے آگے کچھ کہنے سے ناعمہ رک گئی۔ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مشاہدات کر رہی تھی، ایسے میں اسے اندازہ تھا کہ اس کی زبان سے ہر لفظ سوچ سمجھ کر نکلنا چاہیے۔عصر نے اس کو رکتا دیکھ کر خود ہی اس کے سوال کا جواب دینا شروع کر دیا۔

''دیکھو یہ تو تم مانتی ہونا کہ اللہ تعالیٰ یہ بات بیک وقت جانتے ہیں کہ اس وقت دنیا کے مشرق اور مغرب میں کیا ہو رہا ہے۔''

''بالکل وہ جانتے ہیں کیونکہ کوئی جگہ ان کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہوسکتی۔''

''بس ٹھیک اسی طرح کوئی وقت اور زمانہ بھی ان کے احاطہ علم سے باہر نہیں رہ سکتا۔ وہ بیک وقت ماضی حال اور مستقبل کو ایک ساتھ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔''

''یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی۔ وہ یہ نہ جانیں تو وہ اللہ تعالیٰ بن نہیں سکتے۔''

''لیکن سمجھنے کی اہم بات یہ ہے کہ تم انسان اس دنیا میں جو کچھ کرتے ہو۔ وہ ان کے علم کی وجہ سے نہیں کرتے۔ بلکہ معاملہ الٹا ہے۔یعنی جو تم کرتے ہو اور اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے
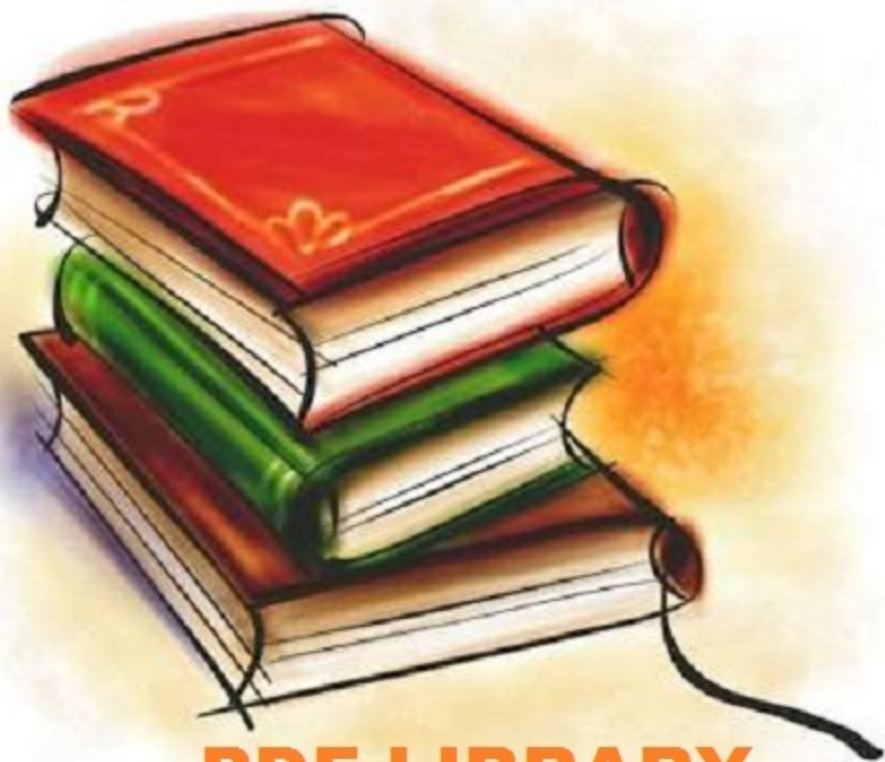
کرتے ہو، وہ ان کی بے پناہ قدرت کی بنا پر ان کے علم میں پہلے سے آجاتا ہے۔‘‘

’’یہ مشکل بات ہے۔ اسے سمجھنا اور اس کا تصور کرنا ذرا مشکل کام ہے۔‘‘

’’چلو میں تمھیں مثال سے سمجھاتا ہوں۔ دیکھو اس وقت تم قوم ثمود کے دور میں کھڑی ہو اور فرعون کا زمانہ بہت دور ہے۔ لیکن تم چونکہ مستقبل سے یہاں آئی ہو اس لیے جانتی ہو کہ فرعون کے ساتھ کیا ہوگا۔‘‘

’’ہاں وہ تو بہت مشہور واقعہ ہے۔ فرعون حضرت موسیٰ کا انکار کردے گا اور پھر ڈوب کر ہلاک ہو جائے گا۔‘‘

’’اب یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ فرعون کے پورے واقعے کا اسکرپٹ تم نے لکھا ہے اور تمھاری وجہ سے فرعون نے کفر کیا اور مارا گیا تو کیا یہ الزام درست ہوگا۔‘‘

’’بالکل نہیں۔‘‘

’’ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی خصوصی طاقت اور قدرت کی بنا پر ہر چیز کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے۔ کون کفر کرے گا اور کون ایمان لائے گا یہ بات انہیں پہلے سے معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن لوگ اپنی مرضی سے کفر و ایمان کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کے علم کی بنا پر نہیں کرتے۔ یاد رکھو اس دنیا میں انسان جس آزمائش میں ہے اس میں اس کا اصل امتحان خیر و شر میں درست رویہ کو اختیار کرنا ہے۔ یہاں وہ مکمل بااختیار ہے۔ اسی اختیار کی بنا پر انسان سزا و جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ انسان اپنے اختیار سے جو کچھ مستقبل میں کرے گا اس کا بہر حال انہیں علم ہو جاتا ہے۔‘‘

’’لیکن بہت سے معاملات میں انسان مجبور تو ہے نا۔‘‘

’’بالکل ہے۔ جیسے تم ایک خاص دور میں پیدا ہوئیں۔ تمھارا ایک خاص چہرہ ہے۔ رنگ ہے، نسل اور زبان ہے۔ خاندان ہے۔ اور ان جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں۔ مگر ان کی بنیاد پر وہ

کسی انسان کی سزا و جزا نہیں کرتے۔ سزا و جزا ہمیشہ اخلاقی معاملات میں ہوتی ہے اور اس میں انسان بالکل آزاد ہے۔“

”مگر بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ہم نیکی کرنا چاہتے ہیں، مگر کر نہیں پاتے اور گناہ کا ارادہ کر لیتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کرنے نہیں دیتے۔“

”یہ بالکل ٹھیک ہے، مگر اس میں بھی اصول یہ ہے کہ اگر نیکی اور گناہ کا ارادہ بالکل پکا ہو، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کسی اچھائی اور برائی کے ظہور میں مانع ہو، جیسے تم نے دیکھا تھا کہ قابیل کو پہلے دن ہابیل کے قتل سے روک دیا گیا تھا، مگر اس کے ارادے کی بنا پر قتل کا گناہ اس کے اعمال نامے میں لکھ دیا گیا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نیکی کا ارادہ کر لے تو چاہے اللہ کی حکمت کے تحت وہ نیکی نہ کر سکے، جیسے کوئی شخص نیت اور اہتمام کے باوجود مجبوری کی بنا پر حج نہ کر سکے تو بہر حال اس کو اجر ضرور ملے گا۔“

ناعمہ نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

”اس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ دنیا کا مادی نظام چلانے میں اللہ تعالیٰ کے اصول مختلف ہیں اور وہ لوگوں پر بالجبر اپنے اختیارات نافذ کرتے ہیں، لیکن اخلاقی معاملات میں سارا فیصلہ انسانی اختیار و ارادے پر ہوتا ہے۔“

”ہاں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے۔ مادی دنیا چونکہ آزمائش کی دنیا ہے اس لیے وہ طے کر دیتے ہیں کہ کس شخص کا کن حالات میں امتحان لیا جائے گا۔ مگر امتحان کے دوران میں اس کا اخلاقی رویہ کیا ہے اور کیا ہو گا، یہ ان کے علم میں تو بہر حال ہوتا ہے لیکن اس معاملے میں وہ لوگوں کو مجبور نہیں کرتے بلکہ جو لوگ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے آ چکا ہوتا ہے۔ اخلاقی معاملات میں اصل اختیار انسان کا ہے۔ اسی لیے وہ ذمہ دار ہے اور اسی لیے سزا و جزا ہو گی۔“

”تھینک یو عصر۔تم کتنی مشکل باتیں کتنی آسانی سے سمجھا دیتے ہو۔“

”چیزیں مشکل نہیں ہوا کرتیں،لوگ جب کامن سینس استعمال کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو ہر چیز مشکل ہو جاتی ہے۔آئی سمجھ فلسفی ناعمہ۔“

”عصر نے ہنستے ہوئے کہا تو ناعمہ بھی ہنس پڑی۔“

....

یہ تیسرے دن کی صبح تھی ۔ یہ لوگ چلتے چلتے قوم ثمود کے علاقے سے بہت دور آ چکے تھے۔اس جگہ کو بھی بادلوں نے گھیر رکھا تھا،مگر یہاں بادل اتنے گہرے نہ تھے۔عصر نے ناعمہ کو بتایا تھا کہ اس وقت قوم ثمود کی بستی میں بادل بہت گہرے ہو چکے ہیں۔

کچھ ہی دیر میں ناعمہ نے دیکھا کہ سیدنا صالح علیہ السلام چلتے چلتے رکے اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

”ایمان والو!اب اپنی آنکھوں سے دیکھو کہ اللہ کا قہر اس کے مجرموں پر کس طرح برستا ہے۔“

ان کی اس بات پر سب لوگ بستی کی سمت دیکھنے لگے۔ یک بیک ایک بجلی چمکی ۔ یہ بجلی اتنی شدید تھی کہ صبح کا وقت جو بادلوں کی بنا پر نیم تاریک سا تھا روز روشن میں بدل گیا۔اس کے ساتھ ہی حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ان الفاظ کی گونج ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ یہ ایسی خوفناک کڑک تھی کہ سب لوگ ہل کر رہ گئے ۔انہیں محسوس ہوا کہ ان کے کان کے پردے بمشکل پھٹنے سے بچے ہوں گے۔ناعمہ کو محسوس ہوا کہ اس کے پاؤں کے نیچے زمین ہل کر رہ گئی ہو۔اس تصور سے اس پر لرزہ طاری ہو گیا کہ جس علاقے میں یہ دھماکہ ہوا ہو گا وہاں لوگوں کا کیا حال ہوا ہو گا۔

حضرت صالح علیہ السلام نے بڑے قلق اور افسوس کے ساتھ فرمایا:

”میری قوم میں نے تجھے بہت سمجھایا۔مگر تم نے میری بات نہ مانی اوراب اس کا انجام بھگت لیا۔“

یہ کہہ کر وہ مڑے اور آگے بڑھنے لگے۔ان کے ساتھ ہی ان کے اہل ایمان ساتھی بھی چلنے لگے۔ناعمہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔وہ سمجھ رہی تھی کہ انہیں ان لوگوں کے ساتھ ہی جانا ہوگا تاکہ اہل ایمان کو پھلتا پھولتا دیکھ سکیں۔وہ عصر کی طرف مڑی۔عصر ابھی تک بستی کی سمت دیکھ رہا تھا۔ناعمہ نے اس سے پوچھا:

”عصر کیا دیکھ رہے ہو۔اب وہاں بچا ہی کیا ہوگا۔“

”میں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں۔عنقریب پوری انسانیت اور پوری دنیا کے ساتھ یہی ہونے والا ہے۔ہر طرف غفلت ہے۔ہر طرف بے خوفی ہے۔قیامت آرہی ہے۔مگر لوگوں کو دنیا کے دھندوں سے فرصت نہیں۔اور تو اور تم مسلمانوں نے قرآن کو بھی فراموش کر دیا ہے۔اب کون لوگوں کو یہ بتائے کہ آخرت کی تیاری کرلو۔یہ بساط بس لپیٹی جانے والی ہے۔“

عصر یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

ناعمہ نے اسے دیکھا اور پہلی دفعہ خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی:

”میں بتاؤں گی۔میں گواہی دوں گی۔یہ وقت گواہی دے گا۔بے شک انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔“

جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ مڑی اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے دھندلے ہوتے ہوئے سایوں کو دیکھ کر بولی۔

”سوائے ان کے جو ایمان لائے،عمل صالح کرتے رہے،حق کی تلقین اور اس پر صبر کی تاکید کرتے رہے۔“

....

ہ

نواں باب

راکھ اور خاک

ناعمہ ان لوگوں کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ عصر بھی اب اسی سمت دیکھ رہا تھا۔ ان کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ ناعمہ کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ ساتھ ساتھ مناظر بھی بدل رہے تھے۔ اور عصر ان پر تبصرہ بھی کرتا جا رہا تھا:

''اب انسانی تاریخ کا بدترین دور شروع ہو رہا ہے۔ ابھی تک ہم زمانہ قبل از تاریخ میں تھے۔ اس دور میں بستیوں کے لوگ گمراہ ہو کر شرک اختیار کر لیا کرتے تھے۔ مگر اب انسانیت دور تہذیب کے عروج کی طرف بڑھ رہی ہے۔ بستیاں بڑی بڑی بادشاہتوں میں بدل رہی ہیں۔ شرک اب ریاست کا دین قرار پا چکا ہے۔ ہر طرف بادشاہ جھوٹے خداؤں کے نام پر حکومت کر رہے ہیں۔ پروہت اور پجاری انہیں اخلاقی جواز دیتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کو ظلم اور توہمات کی دوہری زنجیروں میں پوری طرح جکڑ چکے ہیں۔ اخلاقی فساد اپنی آخری انتہا کو پہنچ رہا ہے۔

اللہ کے پیغمبر مختلف علاقوں میں اٹھ رہے ہیں، مگر کوئی ان کی بات نہیں مان رہا۔ ہر طرف

شرک اور فساد پھیل چکا ہے۔ شرک چونکہ حکمرانوں کا دین بن چکا ہے اور پوری ریاست اس کی حفاظت پر معمور ہے اس لیے ایک اللہ کا نام لینے والوں کو فوراً مار دیا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں اللہ تعالیٰ ہدایت کے لیے ایک نئے منصوبے کا آغاز کر چکے ہیں۔''

عصر ایک لمحے کو رکا۔ ناعمہ کو یہ لمحہ بہت طویل لگا۔ وہ فوراً پوچھ بیٹھی:

''یہ منصوبہ کیا ہے؟''

''اب ابراہیم علیہ السلام کو اٹھایا گیا ہے۔ انہوں نے پہلے اپنے ملک عراق اور پھر اپنے ارد گرد کی متمدن دنیا میں ہر جگہ گھوم کر توحید کی منادی کی۔ مگر ان کی دعوت اس طرح رد کی گئی ہے کہ تاریخ میں کوئی دعوت اس طرح رد نہیں ہوئی۔ ان کے حصے میں سوائے ان کی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے اور کوئی مومن نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے کہ ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام رسالت کے کام کو جاری رکھیں گے۔ انہیں فلسطین کے ایک انتہائی خوشحال علاقے سدوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ جبکہ ان کی بیوی سارہ کی اولاد سے دنیا کے مرکز یعنی مشرق وسطیٰ میں خدا پرستوں کی ایک پوری قوم پیدا کی جائے گی۔ جو شرک کے خلاف جہاد جاری رکھے گی۔''

''اور حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام؟''

ناعمہ نے سوال کیا تو عصر نے وضاحت کی:

''ہاں! بی بی ہاجرہ علیہا السلام حضرت ابراہیم کی بیوی اور حضرت اسماعیل کی والدہ ہیں۔ یہ دونوں مخلصین عرب کے بنجر صحرا میں بسا دیے گئے ہیں کہ قیامت سے قبل توحید کا آخری دفاعی مورچہ یہی ہوگا۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے وہ آخری رسول اور وہ امت اٹھے گی جو قیامت تک توحید کا علم لیے کھڑی رہے گی۔ جبکہ تہذیب کے مرکز میں خود ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں توحید کی شمع کی حفاظت پر مامور ہیں۔''

''تو کیا اب کوئی رسولوں کی بات نہیں سنتا؟ کوئی توحید پر قائم نہیں رہا؟''

''تم توحید کی بات کر رہی ہو لوگ تو اب دین فطرت سے اتنا دور ہو چکے ہیں کہ بنیادی فطری حقائق کو بھی مسخ کر چکے ہیں۔قوم لوط علیہ السلام اخلاقی پستی کی آخری انتہا پر کھڑی ہے۔لوط علیہ السلام کی ہر تلقین انہیں سمجھانے میں ناکام ہو چکی ہے۔''

''تو کیا ہم قوم لوط کے علاقے میں جائیں گے؟ میں نے سنا تھا کہ وہ اردن اور اسرائیل کے بیچ میں موجود بحر مردار (Dead Sea) کے علاقے میں آباد تھے۔ ان کا علاقہ سدوم بہت سرسبز وشاداب تھا جہاں سیکڑوں میل تک صرف باغات ہی باغات پھیلے ہوئے تھے۔''

''نہیں میں وہاں تمھیں نہیں لے جا رہا۔تم ان کی بے حیائی کے مناظر کو نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ بدبخت اپنی مجلسوں میں علانیہ ہم جنس پرستی کرتے ہیں۔اس کے بجائے میں تمھیں اس وقت میں لے جا رہا ہوں جب اللہ تعالیٰ کے منصوبے کا عجیب فیصلہ ظاہر ہو رہا ہے۔''

''یہ کیا فیصلہ ہے؟''

''قوم لوط پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔اس مقصد کے لیے ابراہیم علیہ السلام کے پاس تین فرشتے بھیجے گئے ہیں۔''

''فرشتے قوم لوط کو ختم کرنے آئے ہیں تو جانا بھی وہیں چاہیے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کیوں آئے ہیں۔''

عصر کی بات پر ناعمہ نے تعجب سے پوچھا:

''وہ فرشتے قوم لوط کو ہلاک کرنے ہی آئے ہیں۔لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ایک اور معجزہ کو ظہور پذیر کریں گے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ننانوے برس کی عمر میں بی بی سارہ سے اولاد کی خوش خبری دیں گے۔یعنی اسحاق علیہ السلام کی بشارت اور ان سے یعقوب علیہ السلام کی بشارت۔حضرت یعقوب علیہ السلام سے بارہ بیٹے پیدا ہوں گے جن میں یوسف علیہ السلام اور ان کے بقیہ گیارہ بھائی شامل ہیں۔ یہ سب اپنے والد کے لقب اسرائیل پر بنی اسرائیل

کہلائیں گے اور ایک عظیم قوم کو جنم دیں گے۔ یہ قوم جو اگلے ڈیڑھ ہزار برس تک شرک کے اس سمندر میں توحید کا علم بلند رکھے گی۔''

یہ گفتگو کرتے ہوئے وہ دونوں اس جگہ آ گئے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رہائش تھی۔

....

دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ کی شدت سے ہر چیز جھلس رہی تھی۔ ہر طرف گرم ہوا کا راج تھا۔ ایسے میں بلوط کے درختوں کا جھنڈ ایک جائے عافیت تھا۔ گرم ہوا جب پتوں سے لدے ہوئے درختوں تک پہنچتی تو سبزے کی اس سلطنت کے پہرے دار شاہ بلوط کے برگ و بار، حرارت کی ہر رمق کو نچوڑ کر اس ہوا کو ٹھنڈا اور خوشگوار کر دیتے۔ اس جھنڈ میں درختوں کا دبیز سایہ اتنا گہرا تھا کہ تپتی زمین میں یہ قطعہ ارضی اپنے خوشگوار ماحول کی بنا پر جنت کا ایک ٹکڑا محسوس ہو رہا تھا۔

شاہ بلوط کی اس سلطنت کے قریب ہی ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔ یہ خیمہ اپنے وقت کی روحانی سلطنت کے تاجدار، خداوند دو عالم کے فرمانبردار، مسلم و مطیع، اپنے مالک کے غلام اور اس کے دوست، خلیل اللہ، ابوالانبیا ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ کم و بیش ایک صدی سے ابراہیم علیہ السلام توحید کی جنگ تن تنہا لڑ رہے تھے۔ عراق تا عرب اور مصر تا شام متمدن دنیا کا کوئی خطہ نہ تھا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صدائے توحید نہ دی ہو۔ مگر کہیں سے کوئی جواب نہ ملا۔

خیمہ کا پردہ ہٹا اور ابراہیم علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ انہوں نے باہر آ کر چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ ہر طرف تنہائی اور خاموشی کا راج تھا۔ بس کبھی کبھار کسی مویشی، کسی پرندے کی آواز زندگی کا احساس دلاتی۔ زندگی کی سب سے بڑی علامت بچوں کی آواز سے ابراہیم علیہ السلام کا خیمہ خالی ہی تھا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو حکم الٰہی پر مکہ کی بنجر وادی میں بسا چکے تھے کہ خدا کا گھر آباد رہے۔ چاہے اپنا گھر ویران ہو جائے۔ بڑھاپے کی انتہا کو پہنچنے کے بعد اس گھر کی ویرانی دور ہونے کے تمام امکانات ختم ہو چکے تھے......آسمان نے ایسی قربانی کہاں دیکھی تھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ان آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح شکر گزاری اور محبت کا پیغام تھا۔کسی شکوے شکایت کا ان آنکھوں میں کیا گزر ہوسکتا تھا۔ان کی نگاہیں آسمان سے واپس لوٹیں تو دیکھا کہ سامنے جھنڈ کے نیچے تین اجنبی کھڑے ہیں۔

ان اجنبیوں کو دیکھ کر بے اختیار ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے نکلا۔

''مرحبا! ہم پر ہمارے مالک کی یہ عنایت کہ مہمانوں کے قدم ہمارے گھر کی طرف اٹھیں!''

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے اور ان اجنبیوں کے پاس پہنچے ہی تھے کہ انہوں نے دور سے انہیں دیکھ کر سلام کیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

''اس سے بڑا اللہ کا کرم کیا ہوسکتا ہے کہ آج ہمارے گھر پر اللہ کی یہ رحمت ہوئی ہے۔آپ حضرات میرے گھر تشریف لائیے۔میں آپ کو منزل کی طرف ہرگز نہیں جانے دوں گا جب تک آپ میرے ساتھ کھانا تناول نہیں فرما لیتے۔''

اجنبیوں میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

''ہمیں بھی آپ کے ساتھ بیٹھ کر بہت خوشی ہوگی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان مہمانوں کو ساتھ لے کر اندر آ گئے۔پھر گھر کے اندر جا کر خادم سے کہا:

''مہمانوں کے لیے اپنے مویشیوں میں سے سب سے زیادہ صحت مند بچھڑا ذبح کرو۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارہ بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔آپ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

''سارہ! آپ اپنی نگرانی میں مہمانوں کے لیے کھانا تیار کروائیے۔''

حضرت سارہ نے خوش دلی کے ساتھ جواب دیا:

''آپ اطمینان سے مہمانوں کے پاس تشریف رکھیے اور بے فکر ہو جائیے۔تھوڑی ہی دیر

میں بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت آپ کی خدمت میں پیش ہوگا۔‘‘

یہاں سے مطمئن ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام باہر تشریف لائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اعلیٰ روایات کے مطابق انتہائی تپاک سے مہمانوں سے گفتگو کرنے لگے۔

ناعمہ اور عصر بہت دیر سے یہاں موجود تھے اور یہ سارا منظر خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ ناعمہ نے یہ موقع غنیمت جانا اور عصر سے پوچھا:

’’یہ مہمانوں کے آنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اتنا خوش کیوں ہوئے؟‘‘

’’مہمان نوازی ہر دور میں شرفا کا دستور رہی ہے۔ مگر ابراہیم علیہ السلام تو اس معاملے میں بے حد سخی اور فیاض واقع ہوئے ہیں۔ مگر ان کا معاملہ یہیں تک محدود نہیں۔ یہ ہر معاملے میں اعلیٰ ترین انسانی خصوصیات کے حامل ہیں۔ دراصل......‘‘

عصر نے اپنی بات کی وضاحت کا سلسلہ خود ہی جاری رکھا:

’’میں تمھیں پیغمبروں کی تاریخ کے بالکل آخری وقت میں لے جاتا رہا ہوں۔ کیونکہ اصل مقصد صرف یہ دکھانا تھا کہ پیغمبروں کا جب انکار کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح مداخلت کر کے اپنا فیصلہ دیا۔ لیکن اگر تم پیغمبروں کی پوری زندگی اور سیرت کو دیکھ سکتیں تو تمھیں معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ اعلیٰ ترین انسانی اوصاف کے حامل لوگ ہوا کرتے ہیں۔ انھیں خاندانی عزت و وقار ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ ذاتی سیرت و کردار، اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ میں بھی ان جیسا کوئی نہیں ہوتا۔ ان کے اعلان نبوت سے قبل ہی پورا معاشرہ ان کی بے پناہ عزت و تکریم کرتا ہے۔ سب مانتے ہیں کہ ان جیسا کوئی نہیں ہے۔ اس لیے ہر پیغمبر کی اپنی ذات اور اس کی سیرت اس کی دعوت کی سچائی کا سب سے بڑا ثبوت ہوتی ہے کہ اس سیرت و کردار کا انسان کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔‘‘

ابھی ان کی یہ گفتگو جاری تھی کہ خادم طشتریوں میں کھانا لا کر مہمانوں کے سامنے رکھنا شروع ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں دسترخوان سجا دیا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمانوں سے کہا:

’’آیئے کھانا شروع کیجیے۔‘‘

ان کے اس جملے پر تینوں خاموش بیٹھے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ شاید یہ لوگ خود کچھ لیتے ہوئے جھجک رہے ہوں یا پھر خادموں کی موجودگی کھانا نکالنے میں مانع ہو۔ اس لیے انہوں نے خادموں کو باہر بھیجا اور خود ایک ایک مہمان کو رکابیوں میں کھانا نکال کر پیش کرنے لگے۔

مگر مہمان ابھی بھی ٹس سے مس نہ ہوئے۔ ناعمہ کو محسوس ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر کچھ پریشانی ظاہر ہوئی۔ انہوں نے قدرے تشویش سے کہا:

’’آپ لوگوں کا رویہ بہت عجیب ہے۔ کھانے کا وقت ہے۔ آپ مسافر ہیں تو کچھ کھا کیوں نہیں رہے؟‘‘

اب وقت آ گیا تھا کہ مہمان اپنی حقیقت ان پر کھول دیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا:

’’ابراہیم! آپ کوئی اندیشہ نہ کیجیے۔ ہم انسان نہیں ہیں، آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور ایک بڑی مہم پر آئے ہیں۔‘‘

ان کی تسلی سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر تشویش کا تاثر دور ہوا، مگر آخری بات سے انہیں اندازہ ہوا کہ معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ اسی احساس کے ساتھ وہ بولے:

’’کیسی مہم؟ مجھے آپ کی باتوں سے خوف آ رہا ہے۔‘‘

’’آپ خوف مت کھائیے۔ آپ کے لیے تو ہم ایک خوشخبری لے کر آئے ہیں۔‘‘

ایک دوسرے فرشتے نے ان کا خوف دور کرتے ہوئے کہا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے بے اختیار نکلا:

’’خوش خبری؟‘‘

اس پر تیسرے فرشتے نے کہا:

''ہم آپ کو آپ کی اہلیہ سارہ سے ایک صاحب علم بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس کا نام اسحٰق ہوگا۔''

ننانوے سال کے ابراہیم علیہ السلام کو اس بات پر یقین نہیں آیا۔ وہ حیرت و استعجاب کے عالم میں بولے:

''اب اس بڑھاپے میں آپ مجھے اولاد کی امید کیا دلاتے ہیں؟''

فرشتوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ ایک فرشتے نے باہر نظر آنے والے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور پھر گہری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا:

''ابراہیم علیہ السلام آپ اپنے رب کی رحمت سے مایوس مت ہوں۔''

وہ فرشتوں کی یقین کی دہائی سن کر سرشاری کی کیفیت میں بولے:

''رب کی رحمت سے مایوس تو صرف گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔''

حضرت سارہ جو باہر کھڑی گفتگو سن رہی تھیں۔ یہ خبر سن کر خوشی کے مارے ہنستی ہوئی اندر آ گئیں۔ ساری زندگی وہ اولاد کو ترستی رہیں اور اب اس خبر کو سنا بھی تو بڑھاپے میں۔ اب اپنے طور پر وہ بھی اس خبر کو یقینی بنانا چاہتی تھیں۔ انہوں نے اندر آتے ہی کہا:

''یہ کیسے ممکن ہے میرا شوہر بوڑھا ہے اور میں بوڑھی بانجھ ہو چکی ہوں۔ اب میں اولاد کیا جنوں گی؟''

حضرت سارہ کے اندر آنے پر تینوں فرشتے احتراماً کھڑے ہو گئے۔ ایک فرشتے نے ادب سے کہا:

''اے ابراہیم کے اہل بیت! آپ پر اللہ کی رحمت و برکت ہے۔ ہم صرف اسحاق علیہ السلام ہی کی خوش خبری نہیں دیتے بلکہ ان سے پیدا ہونے والے یعقوب کی خوش خبری بھی آپ کو دے رہے ہیں۔''

ایک خوشی پر دوسری خوشی کی بات سن کر دونوں میاں بیوی نہال ہو گئے۔ان کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اس عمر میں اس طرح ان پر اپنی عنایات برسائیں گے۔مگر ابراہیم ابراہیم ہی تھے۔انہیں یاد آ گیا کہ یہ فرشتے کسی مہم کا ذکر کررہے تھے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ کہیں کوئی بہت بڑا معاملہ ہونے والا ہے۔وہ اپنی گہری بصیرت اور معرفت کی بنا پر سمجھ سکتے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔لیکن پھر بھی انہوں نے فرشتوں سے پوچھ لیا:

''آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کس مہم پر آئے ہیں؟''

''ہم ایک مجرم قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے آئے ہیں......قوم لوط کو۔ان کی سرکشی بہت بڑھ چکی ہے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو چکی تھی۔وہ گرچہ قوم لوط کے کرتوتوں سے پوری طرح واقف تھے، مگر ساتھ ہی وہ بہت دردمند شخصیت کے مالک تھے۔انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ عذاب الٰہی کا مطلب کیا ہوتا ہے۔انہوں نے بڑی لجاجت سے فرشتوں سے کہا:

''کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اس قوم میں پچاس نیک لوگ ہوں اور اللہ تعالیٰ ان پچاس کی وجہ سے قوم کو معاف کردیں۔''

جواب ملا:

''ابراہیم علیہ السلام اس قوم میں پچاس نیک مل جاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں چھوڑ دیتے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے مودبانہ انداز میں کہا:

''دیکھیے میں پروردگار کے حضور بات کرنے کی جرات کررہا ہوں۔گرچہ میں راکھ اور خاک ہوں۔پچاس نہ ہوں پینتالیس تو ہوں گے۔کیا پانچ لوگوں کی وجہ سے سب کو ماردیا جائے گا۔''

ایک دفعہ پھر جواب آیا:

''پینتالیس بھی نہیں ہیں۔''

اس کے بعد ایک مکالمہ شروع ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر دفعہ بڑی عاجزی سے لوگوں کی تعداد پانچ پانچ کم کر کے معافی کی درخواست کرتے اور ہر دفعہ یہ جواب ملتا کہ اتنے لوگ بھی نہیں ہیں۔ آخر میں واضح کر دیا گیا کہ اس قوم میں دس لوگ بھی نیک نہیں ہیں۔ جس کے بعد فرشتے چلے گئے جبکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے خیمے کے اندر لوٹ گئے۔

ناعمہ یہ سب دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔ اس نے اس سے قبل قوموں پر عذاب آتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تھے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی قوت قاہرہ کا کسی نہ کسی درجے میں اندازہ ہو چکا تھا۔ مگر اس کے تصور میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ کوئی پیغمبر اللہ تعالیٰ سے اتنا اصرار کر کے قوم کی تباہی رکوانے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اور قوم بھی ایسی بدکردار جس میں خیر و بھلائی کی کوئی رمق نہ بچی ہو۔

عصر ناعمہ کے خیالات کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے عجیب سے لہجے میں ناعمہ سے کہا:

''تم جانتی ہو یہ جو گفتگو ابھی ہوئی ہے اسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا کہا ہے۔''

''کیا کہا ہے؟''، ناعمہ کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ کا تبصرہ جاننے کا اشتیاق صاف جھلک رہا تھا۔

''اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ہم سے جھگڑا کر رہا تھا۔''

ناعمہ کا منہ حیرت سے پھٹا رہ گیا۔

''اللہ تعالیٰ سے جھگڑا۔''

''ہاں۔ جب بندہ اپنے آپ کو اپنے رب کے لیے مٹا دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے عزت و محبت کی اس بلندی پر پہنچا دیتے ہیں۔ ویسے تم انسان اس جملے کا مطلب کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ یہ بات یا تو ہمارے جیسی مخلوق جانتی ہے جو اللہ کی حضوری میں جیتی ہے یا پھر انبیا جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی گہری معرفت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد ان کے سامنے اتنا اصرار کرنے

کی ہمت کسی کی نہیں ہوسکتی۔ یہ جرأت اللہ کا دوست ہی کرسکتا ہے۔ اور اُس دوست کو بھی دیکھو جس نے اِس دوست کی لاج رکھ کر اس کے اصرار کو جھگڑا قرار دے دیا۔ گرچہ وہ اپنے آپ کو راکھ اور خاک کہہ رہا تھا۔''

عصر رکا اور قدرے طنزیہ انداز میں ناعمہ کی طرف دیکھ کر بولا:

''ویسے تم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ خدا کا انکار کر کے جس انسانیت کے علمبردار تم لوگ بنتے ہو، تم سے ہزاروں گنا زیادہ انسانیت کا درد ان خدا کے پیغمبروں کے دل میں ہوتا ہے۔''

عصر کی بات پر ناعمہ شرمندہ ہوگئی۔ اس نے قدرے احساس ندامت کے ساتھ جواب دینا شروع کیا:

''مجھے اس بات کا احساس ہے کہ میں غلطی پر تھی جب میں خدا کا انکار کرتی تھی اور انسانیت پر تقریریں کیا کرتی تھی۔ لیکن خدا کے نام لیواؤں کی زندگیاں بھی تو اکثر پیغمبرانہ سیرت سے خالی رہی ہیں۔''

''ہاں اصل المیہ یہی ہے اور اسی لیے مذہب کے نام لیوا دنیا پرستوں کو دگنا عذاب دیا جائے گا......اپنی گمراہی کا بھی اور دوسروں کو بھٹکانے کا بھی۔''

....

ناعمہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی اور پھر بولی:

''قوم لوط علیہ السلام کا کیا ہوگا۔''

''انہیں حقیقی معنوں میں راکھ اور خاک بنا دیا جائے گا۔''

''کیوں نہ ہم فرشتوں کے ساتھ چلیں۔ وہاں چل کر دیکھتے ہیں کیا ہوگا۔''

ناعمہ کے انداز میں تجسس اور ایکسائٹمنٹ تھی۔

''میں پہلے تمھیں یہ بتا دیتا ہوں کہ قوم لوط کیا کرے گی، اس کی بعد بھی تم اس گھناؤنی قوم کو

دیکھنے میں دلچسپی رکھتی ہو تو میں تمھیں وہاں لے چلوں گا۔ یہ فرشتے لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں مہمان بن کر جائیں گے۔ جس کے بعد پوری قوم کے اوباش ان کے گھرانے پر چڑھائی کر دیں گے کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کرو۔ پوری بستی میں ایک گھرانہ بھی نہیں ہوگا جو حضرت لوط کی حمایت کرے۔ ایسے میں حضرت لوط علیہ السلام کے لیے ان مہمانوں کو تحفظ دینا ناممکن ہو جائے گا تب فرشتے انہیں بتا دیں گے کہ وہ انسان نہیں عذاب کے فرشتے ہیں۔''

''نہیں نہیں۔ میں ایسے گھناؤنے چہرے دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ مگر اس قوم پر عذاب کیسے آئے گا؟''

''فرشتے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کو رات گئے وہاں سے نکال دیں گے اور صبح کے وقت ایک زبردست دھماکہ ہوگا جس سے پہاڑ پتھروں میں تبدیل ہو کر پھٹے گا اور اس کے ٹکڑے ہوا کے دوش پر بارش کی طرح بستی والوں پر برسیں گے اور ایک شخص کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ دھماکے سے ان کی بستیاں الٹ پلٹ جائیں گی اور ان کا بڑا حصہ بحرِ مردار کے نیچے ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے گا۔''

''اللہ اکبر۔ بڑا شدید عذاب ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں تو آزادی کے نام پر ہم جنس پرستی کے مکروہ عمل کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ہمارے زمانے کے لوگوں کو یہ بات عجیب لگے گی کہ ایک قوم کو اس وجہ سے اتنا شدید عذاب دیا گیا۔''

''خیر یہ عذاب اس جرم کی وجہ سے نہیں دیا گیا۔ اصل سبب تو یہ ہے کہ ان کی قوم میں ایک رسول موجود تھا اور اس کی دی ہوئی ہدایت کے باجود سرکشی اختیار کی گئی۔ لیکن یہ جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں۔ یہ اللہ کے خلاف ہی نہیں انسانیت کے خلاف بھی کیا جانے والا ایک بڑا جرم ہے۔''

''یہ جرم کیسے ہو گیا؟ ہو سکتا ہے اکثریت ایسی چیزوں کو ناپسند کرے۔ مگر ہمارے زمانے کی ماڈرن اور پوسٹ ماڈرن سوچ کا کہنا یہ ہے کہ اگر دو لوگ اپنی مرضی سے زندگی گزارنا چاہیں تو

اس میں کیا حرج ہے۔ دوسری بات وہ یہ کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ جینیاتی طور پر ہی ایسے رجحانات رکھتے ہیں۔ان کے لیے تو یہی عین فطرت ہے۔"

ناعمہ نے اپنے زمانے کے مفکرین کے نقطہ نظر پر عصر کا تبصرہ جاننے کے لیے سوال کیا۔اس پر عصر نے قدرے ترشی سے کہا:

"کسی نے صحیح کہا ہے۔ذہانت کی ایک حد ہوتی ہے۔حماقت کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ مجھے بتاؤ کیا اسی قسم کے بھونڈے عذر پیش کر کے تم کسی شخص یا افراد کو تشدد اور دوسروں پر ظلم کی اجازت دو گی۔قاتلوں کو اس بنیاد پر قتل اور چوروں کو اس بنیاد پر چوری کی اجازت ہوگی کہ یہ ان کے فطری رجحانات ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔لیکن ہم جنس پرست افراد دوسروں کو تو نقصان نہیں پہنچاتے۔"

ناعمہ نے جواب دیا۔وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھی۔

"یہ کسی فرد کے نہیں پوری انسانیت کے خلاف اقدام ہے۔دیکھو انسانیت کیا ہے۔ یہ کچھ اقدار کا نام ہے۔ یہ اقدار ہی انسانوں کو جانوروں سے مختلف بناتی ہیں۔ان میں ایک بنیادی قدر خاندان کا ادارہ ہے۔ یہ ادارہ مرد وعورت کے جائز تعلق سے وجود میں آتا ہے۔یہی وہ ادارہ ہے جہاں بچے جنم لیتے ہیں اور انسانیت کا سفر جاری رہتا ہے۔یہی کمزور و ناتواں بچوں کو طاقتور نوجوان بننے تک سنبھالتا ہے، پھر یہی جوانی کے بعد بڑھاپے کے شکار ضعیف والدین کو اس وقت اپنی پناہ دیتا ہے جب وہ کسی کام کے نہیں رہتے۔

ہم جنس پرستی انسان کی اس پیدائش گاہ، تربیت گاہ اور آرام گاہ کا تصور ہی ختم کر دیتی ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا کہ ہر غیر فطری انحراف ایک متعدی مرض کی طرح پھیلتا ہے،لیکن جنسی انحرافات تو وبا کی طرح معاشرے کو جکڑ لیتے ہیں۔اسی لیے ہر دور میں انبیا اور صلحا بلکہ پوری انسانیت ان کے خلاف جہاد کرتی رہی ہے۔"

''لیکن میں نے پڑھا ہے کہ بعض لوگوں کے اندر واقعی ایسے میلانات ہوتے ہیں۔ وہ کیا کریں؟''، ناعمہ نے اس مسئلے کا ایک اور پہلو سامنے رکھا تو عصر نے کہا:

''وہ صبر کریں اور اپنی تربیت کریں۔ دیکھو انسانوں کا سب سے بڑا رجحان تو یہ ہوتا ہے جو کم و بیش ہر انسان خاص کر مردوں کو عمر کے کسی بھی حصے میں لاحق ہو سکتا ہے اور اکثر ہو جاتا ہے کہ وہ کسی غیر عورت سے ناجائز جنسی تعلق قائم کرے۔ مگر اس مسئلے کو تربیت اور ضبط نفس سے ٹھیک کیا جاتا ہے۔ نہ کہ آزاد جنسی تعلق کو ہی عین فطرت قرار دے دیا جائے۔ جس کا نتیجہ بھی خاندان کی تباہی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ جرم فرد کے خلاف ہی نہیں ہوتا۔ معاشرے کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ خاندان کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ اقدار کے خلاف بھی ہوتا۔ مگر آزادی بھی تو ایک چیز ہوتی ہے نا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اقدار اور معاشرے کی بات کرتے کرتے فرد کی آزادی کو کچل دیں۔ بیشتر جابرانہ حکومتیں یہی عذر استعمال کر کے افراد کے حقوق سلب کر لیتی ہیں۔''

ناعمہ نے اب آزادی کے پہلو سے یہ مقدمہ سامنے رکھا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسانیت پر یہ کرم کیا ہے کہ اس کا فیصلہ خود کر دیا ہے کہ کون سی اقدار مقدس اور ابدی ہیں اور کون سی نہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ دونوں میں فرق کر لیں۔ ہر چیز کو اللہ کی طرف منسوب کر کے لوگوں پر پابندیاں لگانا نبیوں کا طریقہ نہیں۔ مگر کم از کم ہم جنس پرستی کوئی ایسی چیز نہیں جس کے جواز کی اجازت آزادی کی آڑ میں دی جائے۔ یہ معاشرے کی موت ہے۔ جس طرح کسی دو افراد کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ ان میں سے ایک دوسرے کو یہ حق دے دے کہ وہ پہلے شخص کی جان لے لے۔ آزادی کی آڑ میں انسانی جان کے تقدس کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح یہ اجتماعی طور پر معاشرے کا قتل ہے۔ اس کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی۔''

ناعمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پوسٹ ماڈرن ازم کے فلسفے کی ساری گرد عصر نے اپنی مدلل

گفتگو سے ہٹا دی تھی۔

....

دسواں باب

تین ناانصافیاں

''اب ہمیں کہاں جانا ہے؟''

ناعمہ نے ایک نئے سفر کی تمہید باندھتے ہوئے سوال کیا۔

ہم اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس میں ہم بنی اسرائیل اور فرعون اور ان کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جائیں گے۔

''اچھا تو کیا میں موسیٰ علیہ السلام سے ملوں گی۔''

ناعمہ جس نے ساری زندگی کسی پیغمبر کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام سن کر کسی قدر پر جوش انداز میں کہا۔ اس کا ایک بڑا سبب شاید یہ تھا کہ اس کے نانا بچپن سے اسے حضرت موسیٰ اور فرعون کی کہانی سنایا کرتے تھے۔

''نہیں تم ملو گی تو کسی سے نہیں البتہ انہیں دیکھ اور سن ضرور لو گی۔ بالکل ایسے ہی جیسے پچھلے پیغمبروں کو دیکھا ہے۔ یہ بھی کوئی کم اعزاز کی بات نہیں۔ ہاں جنت وہ جگہ ہے جہاں تم ہر نبی اور

رسول سے مل سکو گی۔ مگر تم تو جنت اور جہنم کو مانتی ہی نہیں۔ بلکہ خدا کو بھی نہیں مانتیں؟''

عصر نے ہنستے ہوئے ناعمہ سے پوچھا۔ ناعمہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر بولی۔

''اب میں خدا کو ماننے لگی ہوں۔''

''اسے ماننا کافی نہیں ہے۔ اس کا بندہ بننا بھی ضروری ہے۔ مگر بندگی کھیل نہیں ہے۔ بندگی زندگی کا سودا ہے۔ بن دیکھے کا سودا۔ اس میں مال دیکھے بغیر نقد قیمت دینا پڑتی ہے اور سودا ادھار ہوتا ہے۔ تم یہ کر سکتی ہو؟''

''کرلوں گی۔ اب تو ضرور کروں گی۔''

''سوچ لو! تمھارا امتحان بہت سخت لیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ آدھی حقیقت تم نے روحانی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔''

ناعمہ اس بات کے جواب میں خاموش رہی۔ اس نے دونوں ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے اور اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس کے ارادے الفاظ کے قالب میں تو نہیں ڈھلے تھے، مگر چہرے کے آئینے سے صاف ظاہر تھا کہ اس کے دل میں کیا آگ لگ چکی ہے۔

عصر اسے تولنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا:

''میرا خیال ہے تم یہ سودا کرلو گی۔ کیونکہ تم صاحب کردار ہو۔ صاحب کردار لوگ تو عقل کی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یہ سودا کر لیتے ہیں اور بے کردار لوگ سر کی آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں مانتے۔ مجھے امید ہے تم یہ کرلو گی، گرچہ تمھاری آزمائش بہت سخت ہوگی۔''

کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر ناعمہ کو کچھ خیال آیا تو وہ اس خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی:

''تم نے کچھ دیر پہلے یہ کہا تھا کہ ہمارا سفر ختم ہو رہا ہے۔ مگر میرا دوسرا سوال ابھی باقی ہے۔''

عصر دھیرے سے مسکرایا اور بولا:

''ہاں۔ تمھارا دوسرا سوال یہ تھا کہ خدا محروموں کو جنم کیوں دیتا ہے اور کیوں نیک لوگوں کے

ساتھ وہ برا ہونے دیتا ہے اور بروں کے ساتھ بھلائی ہونے دیتا ہے۔''

''بالکل یہی سوال تھا میرا۔''

''تمھارے اس سوال کا جواب بھی بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کے زمانے میں موجود ہے۔ ہم وہیں سے شروع کرتے ہیں۔ پہلے تمھارے سوال کا جواب لیں گے اور پھر اس خدائی سزا و جزا کو دیکھیں گے جس کے آثار ہی نہیں بلکہ جس کا زندہ ثبوت بن کر ایک قوم تمھارے زمانے تک موجود ہے۔ چلو میں تمھیں اس سفر کے آغاز پر اب خدا کے ایک برگزیدہ بندے سے ملواتا ہوں۔''

یہ کہہ کر عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ایک دفعہ پھر وہی ماہ و سال اور صدیوں کا سفر چند قدموں میں طے ہو گیا۔ منظر ذرا ٹھہرا تو ناعمہ نے دیکھا کہ وہ دونوں دور تک پھیلے ایک دریا کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ ناعمہ نے عصر سے پوچھا:

''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''یہ دریائے نیل ہے۔''، عصر نے جواب دیا اور پھر ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے بولا:

''دیکھو وہاں سے دریا کا ایک اور دھارا بہتا ہوا آ رہا ہے۔ جہاں ہم کھڑے ہیں اس جگہ یہ دونوں دھارے مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔''

ناعمہ جو دریا کی صرف ایک سمت دیکھ رہی تھی، عصر کے توجہ دلانے پر دوسری طرف بھی دیکھا۔ ایک بہت بڑا دریا تھا۔ اصل دریا کے اندر ایک اور سمت سے دریا بہتا چلا آ رہا تھا اور اس میں آ کر گر رہا تھا۔ اس دریا کے کنارے ایک دو کشتیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ کشتی والے زور زور سے آواز لگا کر یہاں آنے والے لوگوں کو بتا رہے تھے کہ یہ کشتی کن مقامات سے گزرے گی۔ جسے ان جگھوں تک جانا ہوتا وہ ان کی کشتی میں آ کر بیٹھ جاتا۔ کشتی ابھی کافی خالی تھی۔ لوگ بھی یہاں کم ہی تھے۔

ناعمہ اردگرد کا جائزہ لے کر فارغ ہوئی تو عصر نے کہا:

''موسیٰ علیہ السلام تھوڑی ہی دیر میں یہاں آنے والے ہیں۔ اس دوران میں میں تمھیں یہ

بتاتا ہوں کہ تمھارے دوسرے سوال کے جواب میں ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔ یہ دور فرعون کا ہے۔ وہ مصر کا انتہائی طاقتور اور جابر حکمران ہے۔تم مصر کو اپنے زمانے کی کوئی سپر پاور سمجھنا نہ فرعون کو کسی سپر پاور کا سربراہ۔اس کا کسی سے کوئی موازنہ ہی نہیں۔ یہ اتنا طاقتور حکمران ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ہم جس زمانے میں یہاں آئے ہیں یہ وہ دور ہے جب اللہ تعالیٰ نے مصر کے باسیوں پر کرم کرتے ہوئے اپنے جلیل القدر پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر یہاں بھیجا ہے۔ یہ ان کی بعثت کا ابتدائی زمانہ ہے۔انھوں نے فرعون کے دربار میں جا کر اسے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے جسے اس نے رد کردیا ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہ مطالبہ بھی کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ جانے دے۔"

"بنی اسرائیل حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسحاق اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب کی اولاد ہیں نا؟"، ناعمہ نے اپنی معلومات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہیں۔ جبکہ فرعون کا تعلق قبطیوں سے ہے جو یہاں کا اکثریتی گروہ ہے۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں یہاں آئے تھے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور مصر کے حکمران بن گئے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد اتنی بڑھی کہ وہ خود ایک بڑی قوم بن گئے۔جس کے بعد قبطیوں نے ان سے اندیشہ محسوس کیا اور پوری قوم کو غلام بنالیا ہے۔وہ ان سے محنت مزدوری کراتے ہیں اور انتہائی ظالمانہ سلوک کرتے ہیں۔"

"اور کوئی نہیں جو اس ظلم کو روکے؟"

عصر ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر ایک اداس سی مسکراہٹ کے درمیان بولا:

"تمھیں نہیں معلوم ناعمہ کہ تم کہاں کھڑی ہو۔ کچھ عرصہ پہلے فرعون یہ حکم جاری کر چکا ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں پیدا ہونے والے ہر بچے کو قتل کر دیا جائے۔صرف نومولود بچیوں کو زندہ چھوڑا جاتا ہے۔ایسا ہی حکم موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت دیا گیا تھا۔تمھیں اس کا

بھی اندازہ نہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ نے کتنا کرم کیا ہے اور تمھیں کتنے آسان اور عدل وانصاف کے دور میں پیدا کیا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ اگر تم اس وقت لوگوں کو نظر آ رہی ہوتیں اور کسی طاقتور پناہ میں نہیں ہوتیں تو تمھاری جیسی حسین لڑکی کو کوئی بھی زبردستی پکڑ کر اپنی لونڈی بنا لیتا۔ پھر عمر بھر تمھیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بیچا جاتا اور تمھارا مقدر یہی ہوتا کہ تم ایک لونڈی بن کر اپنے آقاؤں کو خوش کرتی رہو۔''

''تو کیا ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے؟''

''ہاں جب جب لوگوں نے پیغمبروں کی تعلیمات کو چھوڑ کر اللہ کی نافرمانی کی راہ اختیار کی تو نتیجتاً شیاطین انسانوں پر مسلط ہوتے رہے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ظلم و جبر کی ختم نہ ہونے والی سیاہ رات وجود میں آ جاتی ہے۔''

ناعمہ ایک جھرجھری لے کر رہ گئی۔ عصر نے سلسلہ کلام جاری رکھا:

''موسیٰ علیہ السلام کی قوم ظلم وستم کے ایسے ہی زمانے میں گھری ہوئی ہے۔ ان کی قوم کے نوجوان بھی تمھاری طرح سوچ رہے ہیں کہ کیوں اللہ تعالیٰ فرعون کا ہاتھ نہیں روک رہا۔ وہ نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہی سوالات کر رہے ہیں جو تم کرتی رہی ہو کہ کیوں معصوموں کو قتل کیا جا رہا ہے۔ کیوں پسے ہوئے بنی اسرائیل کو اور دبایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس میں کیا حکمت ہے۔''

''تو حضرت موسیٰ نے انہیں کیا جواب دیا؟''

''انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ وہ انہیں جواب عطا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس سفر پر بھیجا ہے۔ یہاں ان کی ملاقات اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خصوصی بندے حضرت خضر سے کرائی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کسی وقت بھی یہاں خضر کے ساتھ پہنچنے والے ہیں۔ اس سفر میں اللہ تعالیٰ خضر کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دکھائیں گے کہ بظاہر ظلم و ناانصافی نظر آنے والے ان معاملات میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی گہری

حکمت ہوتی ہے۔‘‘

....

عصر خاموش ہو چکا تھا۔ ناعمہ کشتی کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کم و بیش بھر چکی تھی۔ صرف چند لوگوں کی جگہ بچی تھی۔ وہ بظاہر اس منظر کو دیکھ رہی تھی، مگر اس کے ذہن میں عصر کی باتیں گھوم رہی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ وہ ایک بہت آسان دور میں پیدا ہوئی ہے۔ اس دور میں تو لوگ دور دراز بھی پیدل سفر کرتے تھے۔ سواریاں اگر تھیں تو جانوروں کی جن میں مشقت بہت زیادہ ہوتی تھی اور وہ اس کے زمانے کی تیز رفتار گاڑیوں، بسوں، ٹرینوں اور جہازوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔

ناعمہ نے اردگرد دیکھا اور سوچا:

’’اس دور میں لوگ ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کے بغیر کیسے جیتے ہوں گے۔ انتہائی سرد اور گرم موسم کا مقابلہ کیسے کرتے ہوں گے۔‘‘

پھر اسے خیال آیا۔

’’تب ہی انسانی آبادی ہر دور میں اتنی کم رہی تھی۔ یہ آبادی کبھی چند کروڑ سے زیادہ نہیں رہی۔ جبکہ آج انسان اربوں کی تعداد میں موجود ہیں۔‘‘

وہ اسی سوچ میں غرق تھی کہ عصر نے دور سے آنے والے دو لوگوں کی طرف اسے متوجہ کرتے ہوئے کہا:

’’یہ آ رہے ہیں ہمارے بزرگ۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام۔‘‘

....

ناعمہ کو دور سے دو افراد آتے ہوئے نظر آئے۔ عصر نے ان کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

’’یہ جو ایک بزرگ کی شکل میں نظر آ رہے ہیں وہ خضر علیہ السلام ہیں۔ وہ انسان نہیں ہیں۔

مگر جس طرح میں تمھارے سامنے انسانی شکل میں آیا ہوں وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کی سہولت کے لیے ان کے سامنے انسانی شکل میں آئے ہیں۔ جبکہ دوسرے درمیانی عمر کے جو صاحب ان کے ساتھ آ رہے ہیں وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔''

ناعمہ نے غور سے ان دونوں کو دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک انتہائی وجیہ اور دراز قد شخص تھے۔ جبکہ ان کے ساتھ چلنے والے خضر علیہ السلام جو ایک بزرگ کی صورت میں تھے، ان کے چہرے پر ایک خاص نوعیت کا نور تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے کشتی کے قریب پہنچے اور اس پر سوار ہو گئے۔ عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور خود بھی کشتی پر ان کے قریب جا بیٹھا۔ ان کے بیٹھتے ہی ملاحوں نے ساحل سے بندھی کشتی کو کھولا اور چپو چلانے کے لیے اپنی اپنی جگہ سنبھالی تھوڑی ہی دیر میں کشتی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئی۔

ناعمہ عصر سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی، مگر وہ لوگ ان دونوں بزرگوں کے اتنے قریب تھے کہ ناعمہ کو ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں حضرت موسیٰ یا حضرت خضر اس کی کوئی بات سن نہ لیں۔ وہ وقفے وقفے سے کبھی انہیں دیکھتی اور کبھی عصر کو۔ اس کی پریشانی کو بھانپ کر عصر نے کہا۔

''تم بے فکر رہو۔ ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے کہ ہم ماضی کے ایک واقعے میں موجود ہیں۔ اس میں نہ کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں اور نہ یہاں مادی طور پر موجود ہیں۔ اطمینان رکھو ہماری بات بھی کوئی نہیں سنے گا۔ تم یہ سمجھ لو کہ تمھارے زمانے کے حساب سے یہ ایک وڈیو فلم چل رہی ہے۔ مگر ہم اس فلم کو باہر سے دیکھنے کے بجائے اس کے اندر آ چکے ہیں اور اس کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔''

اسی اثنا میں خضر علیہ السلام نے اپنے قدموں کے نیچے لکڑی کے تختے پر ہاتھ رکھا۔ ان کا ہاتھ رکھنا تھا کہ کشتی کے اس حصے کے تختے نکل گئے اور نیچے تک شگاف ہو گیا۔ اس جگہ سے پانی کشتی کے اندر آنے لگا۔ یہ دیکھ کر پوری کشتی میں ہلچل مچ گئی۔ لوگ چیخنے چلانے لگے۔ ملاح بھی گھبرا گئے۔ وہ تیزی کے ساتھ کشتی ساحل کی طرف لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔ ناعمہ بھی

بری طرح گھبرا گئی۔اس نے عصر کا بازو زور سے پکڑ لیا۔اسے خوفزدہ دیکھ کر عصر نے کہا:

''ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔مطمئن رہو۔''

''ارے ہمیں کچھ نہیں ہوگا مگر باقی لوگ تو ڈوب جائیں گے۔کچھ کرو۔''

ناعمہ گھبراہٹ میں چلا کر بولی۔اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''بیوقوف لڑکی یہ دیکھو ہم اس وقت کس کے ساتھ ہیں۔''

عصر کی اس تنبیہ پر ناعمہ نے موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر کی سمت دیکھا۔باقی لوگوں کے برخلاف وہ دونوں اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔البتہ موسیٰ علیہ السلام بار بار ناپسندیدگی کے انداز میں حضرت خضر کو دیکھ رہے تھے۔صاف لگتا تھا کہ انہیں حضرت خضر کی یہ حرکت کچھ زیادہ پسند نہیں آئی ہے۔

کشتی میں پانی تیزی کے ساتھ بھر رہا تھا۔ملاح سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح کشتی ساحل سے جا لگے جبکہ کچھ لوگ اپنے پاس موجود سامان سے شگاف بھرنے کی کوشش کر رہے تھے۔کشتی ابھی ساحل سے بہت زیادہ دور نہیں آئی تھی۔اس لیے کچھ جدوجہد کے بعد وہ ساحل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

لوگ جان بچنے پر اظہار مسرت کرتے ہوئے تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگے۔آخر میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ بھی نیچے اتر گئے۔یہ دونوں بھی ان کے پیچھے ہی نیچے اترے۔نیچے اترتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے کہا:

''آپ نے کشتی میں شگاف ڈال دیا تا کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔یہ تو آپ نے بڑی سخت حرکت کر ڈالی۔''

حضرت خضر نے نرمی سے جواب دیا:

''موسیٰ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔''

انہوں نے جواب دیا:

''میری بھول چوک پر مجھے نہ پکڑیے۔ میرے معاملے میں آپ سختی سے کام نہ لیں۔''

یہ گفتگو کرتے ہوئے وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ ناعمہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کشتی کے مالک ملاح رو رہے تھے۔ ان کی نہ صرف آج کی روزی گئی بلکہ اگلے کئی دنوں تک جب تک کشتی کی مرمت نہ ہو جاتی ان کی کمائی ختم ہو چکی تھی۔ وہ دیکھنے میں ہی بہت غریب اور مسکین لگتے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر ناعمہ کو حضرت موسیٰ کی بات بالکل ٹھیک لگی۔

اس نے عصر سے مخاطب ہو کر کہا:

''حضرت موسیٰ کا اعتراض بالکل ٹھیک تھا۔ تم دیکھو تو سہی کتنے لوگوں کی جان خطرے میں پڑ گئی تھی۔ وہ تو خیر بچ گئے لیکن دیکھو ان غریبوں کا کیا ہوگا۔ ان کا تو روزگار گیا۔ کسی نے انہیں پیسے بھی نہیں دیے۔ اور کشتی کی مرمت الگ رہی۔''

''تم نے حضرت خضر کا جواب نہیں سنا۔''

''پتہ نہیں وہ کیا کہہ رہے تھے۔''

''دراصل جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تھی تو حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ آ تو رہے ہیں، مگر جو کچھ میں کروں گا آپ اسے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ اور برداشت بھی کیسے کریں گے کیونکہ آپ کو اس پورے معاملے کی خبر ہی نہیں ہوگی۔ اس پر انہوں نے کہا تھا کہ میں انشاء اللہ صبر کروں گا اور کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ حضرت خضر نے اس وقت یہ شرط لگا دی تھی کہ آپ مجھ سے کوئی بات اس وقت تک نہ پوچھیں جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کر دوں۔''

عصر کی زبانی یہ تفصیل سن کر ناعمہ بولی:

''اچھا تو اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرے معاملے میں سختی نہ کیجیے۔ ان کا

اعتراض تو ٹھیک تھا، مگر چونکہ انہیں پہلے ہی خاموش رہنے کا کہا جاچکا تھا اور اس کا وہ اقرار بھی کر چکے تھے، اسی لیے انہوں نے یہ کہا۔''

''ہاں تم ٹھیک سمجھی ہو۔''

....

جس دوران میں ناعمہ اور عصر یہ گفتگو کررہے تھے دونوں بزرگ کافی دور جاچکے تھے۔ عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا:

''چلو ہمیں ان کے پاس پہنچنا ہے۔ اب ایک بہت اہم واقعہ ہونے والا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھا۔ ناعمہ اس کے ساتھ ہی تھی۔ وہ دونوں بزرگ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کافی دور آ گئے تھے۔ جلد ہی انہوں نے ان دونوں کو جالیا۔ قریب پہنچنے پر انہوں نے دیکھا کہ ایک معصوم بچہ دریا کنارے کھیل رہا تھا۔ اردگرد کوئی بھی نہیں تھا۔ غالباً وہ کسی قریبی بستی کا رہائشی تھا۔ ابھی ناعمہ اس پورے منظر نامے کو سمجھ ہی رہی تھی کہ حضرت خضر آگے بڑھے اور بچے کو دھکا دے دیا۔ وہ لڑکھڑایا اور پانی میں جا گرا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ یہی کیفیت ناعمہ کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خیر پیغمبر تھے اور اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت خضر کون ہیں، مگر ناعمہ تو ایک عام لڑکی تھی۔ وہ بے اختیار چیخی اور بھاگ کر بچے کو بچانے کی کوشش کرنا چاہی۔ مگر عصر نے اسے بازو سے کھینچ کر روک دیا۔

''پاگل مت بنو تم کچھ نہیں کرسکتیں۔ تم صرف تماشائی ہو اور کچھ نہیں۔''

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر بھی ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ عملاً تو وہ بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ مگر انسانی قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ بھی ایک معصوم بچے کا۔ وہ تڑپ کر حضرت خضر سے مخاطب ہوئے:

''آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا۔ یہ کام تو

آپ نے بہت ہی برا کیا۔''

حضرت خضر نے انہیں پھر وہی جواب دیا:

''میں نے کہا نہ تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکتے۔''

حضرت موسیٰ کو احساس ہوگیا کہ معاملہ خضر کا نہیں اللہ تعالیٰ کا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

''اگر میں آپ سے اس کے بعد کچھ پوچھوں تو مجھے ساتھ نہیں رکھیے گا۔ اب تو میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا۔''

اس گفتگو کے بعد وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ مگر ناعمہ کی حالت اب تک خراب تھی۔ وہ عصر کا ہاتھ چھڑا کر دریا کنارے آگئی اور اس مقام کو دیکھنے لگی جہاں وہ بچہ ڈوب کر ہلاک ہوا تھا۔ اب وہاں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ناعمہ بے اختیار زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ ہوا کیا ہے۔ کشتی کا تختہ نکالنا اس کے مقابلے میں ایک بہت چھوٹی چیز تھی۔ اس واقعے سے بھی وہ بہت پریشان ہوگئی تھی، مگر یہاں تو ایک معصوم بچے کو بغیر کسی وجہ کے قتل کردیا گیا تھا۔ اور یہ کام کیا بھی اس ہستی نے تھا جس کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔

عصر اس کے ساتھ ہی آکر بیٹھ گیا۔ وہ خاموش رہا اور ناعمہ کو روتے ہوئے دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر میں ناعمہ کی سسکیاں کچھ کم ہوگئیں۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور عصر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

''اس معصوم کا کیا قصور تھا؟''

''میں تمھارا دکھ سمجھ سکتا ہوں، مگر ناعمہ تم بھول رہی ہو کہ تم پر کائنات کے بھید کھولے جارہے ہیں۔ دل بڑا رکھو۔ پیغمبر کی پیروی کرو۔ یہی ٹھیک راستہ ہے۔ یقین رکھو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے۔''

ناعمہ نے اعتراف میں گردن ہلائی مگر سچی بات یہ تھی کہ اس کا دل بالکل بھی مطمئن نہیں

تھا۔ مگر وہ کیا کرسکتی تھی۔ اس نے پوچھا:

''اب کہاں چلنا ہے؟''

''بستی میں۔ وہ دونوں بزرگ ایک بستی کی طرف گئے ہیں۔ آؤ ان کے پاس چلتے ہیں۔''

....

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام چلتے چلتے ایک بستی میں داخل ہوئے۔ ناعمہ اور عصران کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس وقت دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ بستی کے بازار سے گزرتے ہوئے انہوں نے دیکھا کہ لوگ دوپہر کا کھانا کھا رہے ہیں۔

حضرت خضر ایک نانبائی کے پاس گئے اور اسے بتایا کہ وہ دو مسافر ہیں۔ زادراہ ان کے پاس نہیں رہا۔ انہیں کھانا چاہیے۔ نانبائی نے انہیں جھڑک دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر حضرت خضر اور بھی کئی دکانوں پر گئے۔ ہر جگہ لوگوں نے انہیں کھانا کھلانے سے انکار کر دیا۔ بازار سے نکل کر کچھ مکان راستے میں ملے۔ انہوں نے وہاں بھی دروازہ کھٹکھٹا کر کھانا مانگا۔ مگر لگتا تھا کہ اس بستی کے لوگوں میں رحم، انسانی ہمدردی، مسافروں کا لحاظ اور مروت کا جذبہ، سب ختم ہو چکا ہے۔ ایک شخص نے بھی انہیں کھانا نہیں دیا۔

آخرکار چلتے چلتے بستی کا آخری حصہ آ گیا۔ یہاں ایک نیم پختہ مکان بنا ہوا تھا جس کی ایک دیوار منہدم ہونے کے قریب تھی۔ یہاں حضرت خضر رکے تو سہی مگر دروازہ کھٹکھٹا کر کھانا نہیں مانگا بلکہ اس دیوار پر ہاتھ رکھا۔ وہ دیوار جو ایک طرف جھکی ہوئی تھی اور گرنے کے قریب تھی حیرت انگیز طور پر دوبارہ سیدھی ہوگئی اور پہلے سے کہیں زیادہ مضبوطی سے قائم ہوگئی۔

ناعمہ حیرت سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی یہ سب دیکھ رہے تھے۔ دیوار سیدھی ہوتے دیکھ کر انہوں نے حضرت خضر سے کہا:

''آپ نے اتنے لوگوں سے کھانا مانگا۔ کسی نے نہیں دیا۔ آپ چاہتے تو اس گھر والوں سے

اجرت میں کھانا ہی لے لیتے۔‘‘

یہ سن کر حضرت خضر نے کہا:

’’بس میرا تمھارا ساتھ اب ختم ہوا۔اب میں تمھیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔وہ کشتی جس کا تختہ میں نے توڑا کچھ غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کر کے اپنا گزارا کرتے تھے۔وہ نہیں جانتے تھے کہ جس منزل کی طرف وہ جا رہے ہیں وہاں ایک بادشاہ اپنی فوج کے لیے کشتیاں جمع کر رہا تھا۔ یہ کشتی اگر وہاں پہنچتی تو بادشاہ ان غریبوں سے ان کے کمانے کا آسرا ہی چھین لیتا۔ یہ لوگ ایک دو دن میں کشتی ٹھیک کر لیں گے اور دوبارہ اپنا کام شروع کر دیں گے۔مگر آج کا حادثہ نہیں ہوتا تو یہ اپنی کشتی ہی سے محروم ہو جاتے۔

رہا وہ لڑکا تو اس کے والدین مومن تھے۔ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ لڑکا بڑا ہو کر والدین کو بہت تنگ کرے گا۔ یہ کفر و شرک میں مبتلا ہو گا۔ بری صحبت میں پڑے گا۔ برے اخلاق کا مظاہرہ کرے گا۔والدین کی زندگی جہنم بنا دے گا۔ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے انہیں ایسی اولاد عطا کرے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور صلہ رحمی کی توقع بھی اس سے زیادہ ہو۔

اور اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ مکان دو لڑکوں کی ملکیت ہے جو اصل میں ان کے باپ کا تھا۔ وہ ایک بہت نیک شخص تھا۔اس کے انتقال کے بعد وہ شہر میں کسی رشتہ دار کے ہاں منتقل ہو گئے۔انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کے باپ نے ان کے لیے اس گھر میں اس دیوار کے نیچے ایک خزانہ دفن کر رکھا ہے۔ یہ دیوار گر جاتی تو خزانہ سامنے آجاتا اور کسی اور کے ہاتھ لگ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ یہ دونوں بچے بڑے ہو جائیں۔اس مکان میں رہائش اختیار کریں۔اس کے بعد یہ خزانہ انہیں مل جائے گا۔

میں نے جو کچھ آج تمھارے سامنے کیا اپنی مرضی سے کچھ نہیں کیا۔ بظاہر جو ناانصافی تم نے دیکھی وہ دراصل تمھارے رب کی رحمت کا ظہور تھا۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر

تم صبر نہ کر سکے۔''

....

ناعمہ سر پکڑے ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی۔عصر اس کے ساتھ ہی تھا۔حضرت خضر کی گفتگو کے بعد اسے چپ لگ گئی تھی۔وہ دونوں بزرگ اس کے بعد وہاں سے رخصت ہو چکے تھے۔البتہ ناعمہ وہیں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی تھی۔اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب انہیں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جانا تھا۔وہ کافی دیر سے خاموش تھی۔آخر کار عصر نے اس خاموشی کو توڑا۔

''تمھیں تمھارے دوسرے سوال کا بھی جواب مل چکا ہے۔اس دنیا میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ اچھوں کے ساتھ بظاہر برائی اور بروں کے ساتھ بظاہر اچھائی ہو رہی ہوتی ہے۔اس کے پیچھے کوئی انسان نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی قدرت ہی سے یہ سب ہو رہا ہوتا ہے۔اس سے ذہنوں میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے،مگر ناعمہ یاد رکھنا! اللہ تعالیٰ کی ساری شفقت اپنے نیک بندوں کے لیے ہوتی ہے۔وہ ہمیشہ کمزوروں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ان واقعات میں تم نے یہ دیکھ ہی لیا ہے۔''

پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ بولا:

''درحقیقت وہ ایسے واقعات کے ذریعے لوگوں کی مدد کر رہے ہوتے ہیں،مگر لوگ ان سے شکایت کرتے ہیں۔ان سے بدگمان ہو جاتے ہیں۔کلمات کفر تک کہتے ہیں۔مگر آفرین ہے پروردگار کے ظرف پر کہ اس کے باوجود وہ بندوں کے ساتھ سراسر بھلائی کیے جاتا ہے۔''

''لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی آسان طریقہ اختیار کر لیا جائے۔مثلاً کشتی نہ توڑی جاتی۔یا بچے کو نہ مارا جاتا اسی کو نیک بنا دیا جاتا۔''

''دیکھو یہ تو حکمت الٰہی کا صرف ایک پہلو سامنے لایا گیا ہے۔اس جیسی نجانے کتنی حکمتیں اور ہوتی ہیں جو قیامت کے دن کھلیں گی۔پھر یہ سمجھ لو کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔یہ امتحان شکر کا ہے تو صبر کا بھی ہے۔کشتی والے اور بچے کے والدین دونوں کے لیے صبر کا امتحان بھی تیار کیا گیا تھا۔اس صبر

کے نتیجے میں آخرت میں ان کے کتنے درجات بلند ہوں گے اور ان کو کتنا اجر ملے گا تم سوچ نہیں سکتیں۔ دیکھو انسان اپنی محنت اور عبادت سے وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو صبر سے پالیتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کبھی کوئی ناگہانی مصیبت آئے تو صبر کرنا چاہیے۔ اس یقین کے ساتھ کہ اس میں کوئی بہتری ہوگی اور اس ایمان کے ساتھ کہ اسے بے حساب اجر ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جب کسی برے کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں تو اصل میں بھلائی وہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہی کر رہے ہوتے ہیں۔ ضمنی طور پر اس کا فائدہ برے لوگوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔''

ناعمہ بات تو سمجھ چکی تھی، مگر موقع غنیمت جان کر اس نے وہ سوال پوچھ ہی لیا جو بچپن سے کانٹے کی طرح اس کے دل میں کھٹک رہا تھا۔

''میرے والد کا میرے بچپن میں انتقال ہوا تو اس میں کیا حکمت تھی؟ میں باپ کی شفقت سے محروم رہی۔ میری ماں نے بیوگی کاٹی۔ ہم نے مالی تنگدستی دیکھی۔ اس میں ہماری کیا بھلائی تھی؟''

عصر کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا:

''تمھاری بھلائی بتانے کی مجھے اجازت مل گئی ہے۔ وہ بتا دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جس انسان کو پیدا کرتے ہیں اسے بہر حال اس دنیا سے رخصت ہو جانا ہوتا ہے۔ اسی اصول پر تمھارے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ تمھیں اس واقعے سے جتنا نقصان ہوا ہے اس سے کہیں زیادہ فائدہ ہوا ہے۔ تمھارے والد اگر زندہ رہتے تو ممکن تھا کہ بہت دولت کماتے اور گناہوں میں مبتلا ہو کر مرتے۔ سب سے بڑھ کر تم ایسی نہیں ہوتیں جیسی اس وقت ہو۔ مال کی کثرت انسان کو سخت دل بنا دیتی ہے۔ تم حسین بھی ہو اور تعلیم یافتہ باپ کی بنا پر دولتمند بھی ہو جاتیں۔ جس کے بعد تم پتھر دل بن جاتیں۔ تم کبھی غریبوں کی مدد نہیں کرتیں بلکہ اس بستی والوں کی طرح کھانا کھلانے جیسی معمولی خوبی سے بھی محروم ہو جاتیں۔ حساسیت سے محروم ہونے کے بعد کبھی تم سچائی کی تلاش نہیں کرتیں۔ آج تم یہاں میرے ساتھ نہیں بیٹھی ہوتیں۔ یہ حقائق اس طرح نہیں دیکھ رہی

ہوتیں۔ نتیجہ بہت صاف تھا۔ تم اپنے گناہوں کی بنا پر جہنم کی نذر ہو جاتیں۔''

ناعمہ نے عصر کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک باشعور لڑکی تھی اور اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ جو کچھ عصر کہہ رہا ہے وہ سو فیصد سچ ہے۔ مصائب کی آگ نہ ہوتی تو اس کا دل کبھی نرم نہ ہوتا۔ وہ محرومی کے تجربے سے نہ گزرتی تو اس کی شخصیت کی اٹھان بالکل مختلف ہوتی۔ وہ انھی سوچوں میں غلطاں تھی کہ عصر کی آواز اس کے کان سے ٹکرائی۔

''ہاں مصائب سے متعلق ایک بڑی اہم بات یہ ہے کہ ہر مصیبت ضروری نہیں کہ اللہ کی طرف سے ہو۔ کتنے مصائب ہیں جن کے ذمہ دار تم انسان ہوتے ہو لیکن اسے خدا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو۔''

''مثلاً؟'' ناعمہ نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

''مثلاً یہ کہ تم لوگ بیماری کو اللہ کی طرف سے سمجھتے ہو۔ لیکن غور کرو اکثر بیماریاں تمھاری نامناسب غذا، غلط طرز زندگی، غیر متوازن معمولات وغیرہ کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اب یہ دنیا اس لیے تو نہیں بنی کہ تم لوگ سارے الٹے کام کرو اور اللہ تعالیٰ تمھاری ہر غلطی اور کوتاہی کے باوجود بھی معاملات ٹھیک کرتے جائیں۔ اکثر و بیشتر وہ تمھارے علم میں لائے بغیر ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھار تمھیں ہوش میں لانے کے لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر تمھیں تمھاری غلطیوں کے نتائج کے حوالے کر دیتے ہیں۔''

''ہاں تمھاری یہ بات ٹھیک ہے اور بہت اہم بھی ہے۔ ہم لوگ شاید ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کے کھاتے میں ڈالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ خود اپنے انفرادی اور اجتماعی رویوں کی اصلاح نہیں کرتے۔ مگر یہ بتاؤ کہ اب کہاں چلنا ہے۔ فرعون کے پاس؟''

ناعمہ یہ بات کہتے ہوئے مسکرائی۔

''ہاں ہمارے سفر کے آخری مراحل ہیں۔ یہ سفر نہ تم سے پہلے کسی کو کرایا گیا ہے نہ تمھارے

بعد کسی کو کرایا جائے گا۔ یہ کائنات کی سب سے بڑی سچائی یعنی وجود باری تعالیٰ اور قیامت کے اثبات کا مشاہداتی سفر ہے۔اس سفر میں رسولوں کی اقوام کی سزا و جزا سے اللہ تعالیٰ تمھیں یہ حقیقت دکھا رہے ہیں کہ خدا اور قیامت ایک نا قابل تردید سچائی ہیں۔''

''مگر انسانیت کے لیے یہ پچھلوں کے قصے ہیں۔''

ناعمہ نے تبصرہ کیا تو عصر نے جواب دیا:

''یہ بظاہر پچھلوں کے قصے ہیں۔مگر درحقیقت یہ ایک عظیم سچائی کا تعارف بھی ہیں اور اس سچائی کا واضح ثبوت بھی۔تعارف سے ثبوت تک کا یہ مرحلہ ان اقوام کی داستان میں بتدریج واضح ہوگا۔دراصل اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے بڑی حکمت سے ان اقوام کا انتخاب کیا ہے۔ پہلے میں تمھیں قوم نوح علیہ السلام اور قوم عاد کے زمانے میں لے کر گیا۔ جہاں تم نے یہ دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نہ ماننے والوں کو دنیا میں سزا دیتے ہیں اور ماننے والوں کو بچا لیتے ہیں۔''

''مگر ہمارے زمانے میں تو ان اقوام کے بس نام ہی باقی رہے تھے۔ بلکہ بہت سے لوگ تو نام بھی نہیں جانتے۔''

''یہ اعتراض تم نے پہلے بھی کیا تھا کہ وقت کی گرد میں ان اقوام کی بس داستانیں ہی باقی بچیں۔اسی لیے اس کے بعد ہم قوم ثمود اور قوم لوط کے زمانے میں آئے۔ یہ تعارف سے ثبوت کی طرف دوسرا مرحلہ ہے۔اس مرحلے میں یہ وہ دو اقوام تھیں جن کے ساتھ نہ صرف سز و جزا کا معاملہ ہوا بلکہ ان کی داستانوں کے ساتھ ان کے علاقے اور ان کے آثار بھی دھرتی پر ان کا نشان بن کر موجود ہیں۔ یہ آثار پکار پکار کر یہ بتاتے ہیں کہ خدا ایک زندہ و جاوید ہستی ہے جو وقفے وقفے سے دنیا کے معاملات میں بالکل کھل کر مداخلت کرتا ہے اور اپنے وجود اور قیامت کی سزا و جزا کا واضح ثبوت انسانیت کے سامنے رکھ دیتا ہے۔''

''اور اب ہم فرعون کے زمانے میں ہیں؟''

”ہاں۔ یہ تعارف سے ثبوت کی طرف تیسرا مرحلہ ہے۔ اس مرحلے میں ہم اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں برپا ہونے والی سزا و جزا کو دیکھیں گے۔ اس قوم کی نہ صرف داستان اور آثار باقی ہیں بلکہ اس کے ساتھ اس قوم کی باقیات بھی تمھارے زمانے تک موجود ہیں۔ وہ قوم بھی باقی ہے اور اس کی مذہبی تاریخ اور کتابیں بھی موجود ہیں جس میں اس سزا و جزا کی پوری روداد بیان ہوئی ہے۔ گویا ثبوت کا معاملہ بیان سے آثار اور آثار سے ایک پوری قوم کی مذہبی روایت تک آ پہنچا ہے۔ تمھارے زمانے تک فرعون کی قوم یعنی مصری بھی باقی ہیں۔ حضرت موسیٰ کی قوم یہود بھی باقی ہیں۔ مصریوں کے آثار بھی ہیں اور یہودیوں کی تاریخ، مقدس کتابیں اور ان میں بیان کردہ وہ واقعہ بھی موجود ہے جو حضرت موسیٰ کے ساتھ پیش آیا۔“

”اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم۔ اس کا تفصیلی ذکر بھی تو قرآن میں آیا ہے۔ ہم وہاں کیوں نہیں گئے؟“، ناعمہ نے اس داستان کے ایک اور ورق کے حوالے سے سوال کیا۔

”یہ اسی داستان کے دوسرے مرحلے کا ایک حصہ ہے۔ یعنی قوم ثمود اور قوم لوط والا حصہ۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ شرک کے ساتھ ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی ان کا وطیرہ تھی۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں بہت سمجھایا مگر یہ باز نہیں آئے اور ہلاک کردیے گئے۔ میں اس قوم میں تمھیں لے کر اس لیے نہیں گیا کہ شرک، رسول کی نافرمانی اور اس کی سزا تم دیکھ ہی چکی ہو، رہی ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی تو اس میں تمھاری اپنی قوم ویسے ہی بہت آگے ہے۔ تمھارے ہاں نہ غذا خالص ملتی ہے نہ دوا۔ تمھیں قوم شعیب علیہ السلام کو دیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟“

اس عبرتناک تبصرے کا کوئی جواب ناعمہ کے پاس نہیں تھا۔

”تمھاری قوم کے حالات اس وقت تک نہیں بدلیں گے جب تک تم لوگ قوم شعیب کی روش نہیں چھوڑو گے۔ ان کے لینے اور دینے کے پیمانے بالکل جدا تھے۔ یہی تمھاری قوم کا اوپر سے نیچے تک مسئلہ ہے۔ خیر اب ہم حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بچے ہوئے حصے کی

طرف ہی جارہے ہیں۔حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر جب عذاب آیا تو ان پر ایمان لانے والے لوگ بچا لیے گئے۔لیکن وہی ہوا جو پہلے بھی ہوتا رہا ہے کہ بعد میں آنے والی نسلیں اخلاقی بگاڑ کا شکار ہوتی چلی گئیں۔یہ قوم شعیب کے نجات پانے والے گروہ کے ساتھ ہوا۔مدین میں ان کا ایک قبیلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آباد تھا۔ہم وہیں جارہے ہیں۔‘‘

....

گیارہواں باب

سچائی کی قیمت

ناعمہ اور عصر ایک صحرائی نخلستان کے پاس کھڑے تھے۔صحرا میں جہاں کنواں ہوتا ہے وہیں سبزہ، درخت، پرندے اور انسان سب آباد ہوجاتے ہیں۔یہاں بھی یہی صورتحال تھی۔پانی کا یہ کنواں زندگی کا مرکز تھا۔اس کنویں پر چرواہوں کا ہجوم اکٹھا تھا۔وہ آپس میں باتیں کرتے جاتے اور اپنے جانوروں کے لیے کنویں سے پانی نکال کر انہیں پلاتے جاتے۔

کچھ دور ہی دو لڑکیاں اپنے جانوروں کو لیے کھڑی تھیں۔جانور پیاس سے بلبلا رہے تھے، مگر وہ دونوں لڑکیاں انہیں آگے بڑھنے سے روک رہی تھیں۔وجہ صاف ظاہر تھی۔نہ وہ مردوں کی طرح طاقتور تھیں نہ ان کی حیا اس بات کی اجازت دیتی تھی کہ مردوں کے اس ہجوم میں گھس کر اپنی بکریوں کو پانی پلالیں۔مردوں میں اتنی حمیت اور شرافت نہیں تھی کہ وہ لڑکیوں کو پہلے پانی پلانے کی اجازت دے دیتے۔

’’دیکھا تم نے؟‘‘عصر نے ناعمہ سے مخاطب ہوکر کہا۔

''ہاں دیکھ رہی ہوں۔ طاقت ور ہر دور میں ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔''

''مگر یہ بھی دیکھ لو کہ ہر دور میں کچھ اور طرح کے لوگ بھی ہوتے ہیں۔''

عصر نے ایک سمت اشارہ کیا تو ناعمہ نے دیکھا کہ صحرا کی سمت سے ایک شخص چلا آ رہا ہے۔ اس کے سر اور ڈاڑھی کے بال خاک آلود اور گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ چہرے پر سفر کی مشقت کے تمام آثار ظاہر تھے۔ وہ ہلکا ہلکا لنگڑا کر بھی چل رہا تھا۔ قریب آنے پر ناعمہ کو اندازہ ہوا کہ اس کا سبب پاؤں میں پڑنے والے چھالے ہیں۔

''یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔''

عصر نے کہا تو ناعمہ نے غور سے ان کے چہرے کو دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی جس شخصیت کو ناعمہ نے کچھ دیر قبل دیکھا تھا اس کے مقابلے میں اس وقت وہ بہت نوجوان لگ رہے تھے۔ تاہم خدوخال ابھی ویسے ہی تھے۔ ناعمہ نے انہیں اس حال میں دیکھ کر کہا:

''یہ اس حال میں کیسے پہنچے۔ یہ تو ابتدائی زندگی میں مصر کے شہزادے تھے۔''

''ہاں مگر تھوڑا انتظار کرو۔ ان کی کہانی ابھی سناتا ہوں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام سیدھا چلتے ہوئے کنویں کی سمت آئے اور لوگوں کی بھیڑ کو چیرتے ہوئے پانی کے پاس پہنچے۔ کنویں پر ایک بہت بڑا ڈول لٹکا ہوا تھا جسے پورا بھر کر باہر نکالنے کے لیے دو تین آدمیوں کو زور لگانا پڑتا تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قریب آتا دیکھ کر یہ لوگ رک گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اطمینان کے ساتھ ڈول سنبھالا اور تن تنہا پورا ڈول پانی سے بھر کر باہر نکال لیا۔ پھر ڈول کا پانی انہوں نے اس حوض میں ڈالا جس سے جانور پانی پی رہے تھے۔ کچھ پانی بچا کر اس سے منہ ہاتھ اور پاؤں دھوئے۔ پیٹ بھر کر پانی پیا اور واپس مجمع سے نکل کر باہر آ گئے۔

یہ لوگ انہیں قدرے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اول تو انہوں نے جس طرح تن تنہا پانی کا

ڈول بھرا تو وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر منہ ہاتھ دھونے کے بعد ان کی باوقار شخصیت نکھر کر سامنے آ گئی تھی۔لباس ان کا ویسے ہی مصری تھا جو اس زمانے کی سپر پاور تھے۔ان سب چیزوں کی بنا پر لوگوں پر ان کا رعب بیٹھ گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع سے نکلے تو انہوں نے ان دو لڑکیوں اور ان کے جانوروں کو دیکھا جو پیاس سے بلبلا رہے تھے۔وہ سیدھا ان کی طرف گئے اور جا کر ان سے دریافت کیا۔

''آپ لوگ ان معصوم جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلا رہیں؟''

ان میں سے ایک لڑکی نے جو دوسری سے ذرا بڑی تھی افسردگی کے ساتھ کہا:

''جب تک یہ چرواہے نہ چلے جائیں ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے۔''

آپ کے گھر میں کوئی مرد نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چرواہوں کے ہجوم کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا تو اس دفعہ چھوٹی والی لڑکی نے جواب دیا۔

''ہمارے ابا جان بہت بوڑھے ہیں۔ ہمارا کوئی بھائی بھی نہیں ہے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے رحم طلب نظروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ نگاہوں سے یہ کہہ رہی تھی کہ آپ جیسا کوئی بھائی ہوتا تو ہمیں یہاں نہیں کھڑے ہونا پڑتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی بات سن کر خاموشی سے ان کے جانور ساتھ لیے اور کنویں کی طرف چلے۔انہیں دیکھ کر سارے چرواہے پیچھے ہٹ گئے۔انہوں نے اطمینان کے ساتھ جانوروں کو پانی پلایا اور واپس لا کر لڑکیوں کے حوالے کر دیا۔لڑکیاں خوشی خوشی گھر لوٹ گئیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سائے کے نیچے جا بیٹھے۔ ناعمہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ زیر لب کچھ بڑبڑا رہے تھے۔

ناعمہ نے عصر سے پوچھا:

''یہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''وہ اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے میرے رب جو بھلائی تو مجھ پر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔''

پھر وہ ہنستے ہوئے ایک سمت اشارہ کر کے بولا۔

''آقا نے بندے کی دعا کتنی جلدی سن لی۔ دیکھو وہ ساری بھلائیوں کا مجموعہ صفورہ ان کے پاس خود چلتی ہوئی آرہی ہے۔''

ناعمہ نے دیکھا کہ ان لڑکیوں میں سے بڑی والی جھجکتی ہوئی باحیا انداز میں ان کی سمت چلی آرہی ہے۔ ناعمہ کو عصر کی بات سے معلوم ہوگیا کہ اس لڑکی کا نام صفورہ ہے۔ تاہم وہ اس کی بات کی وضاحت چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے سوال کیا۔

''یہ صفورہ ساری بھلائیوں کا مجموعہ کیسے ہوگئیں؟''

''کھانا پینا، رہنے کی جگہ اور محبت کرنے والی بیوی۔ اللہ تعالیٰ یہ ساری بنیادی نعمتیں صفورہ کی شکل میں موسیٰ علیہ السلام کو دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''

''تو کیا ان کی شادی ہوجائے گی؟''، ناعمہ نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔ اس کی نسوانی حس بیدار ہوچکی تھی اور اسے اب صفورہ کی جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلہن نظر آرہی تھی۔

''ہاں۔ یہ باحیا اور شرمیلی لڑکی اپنے زمانے کے جلیل القدر رسول اور اپنی امت کے سردار کی بیوی بنے گی۔''

صفورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر ٹھہر گئیں۔ ان کے قدموں کی آہٹ سے حضرت موسیٰ نے بھی آنکھیں کھول دی تھیں۔ صفورہ کو دیکھ کر انھوں نے نظریں جھکا لیں۔ صفورہ نے جھجکتے ہوئے ان سے کہا۔

''وہ میرے ابا جان آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دے دیں۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک لمحے کو سوچا۔ وہ چاہتے تو ان لڑکیوں سے اسی وقت مدد کی درخواست کر سکتے تھے جب انہوں نے ان کی مدد کی تھی اور یقیناً وہ ان کی مدد کرتیں۔ لیکن ان کی شرافت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ احسان کر کے بدلہ مانگیں۔ انہوں نے انسانوں کے بجائے ان کے رب سے مانگا تھا۔ مگر اب ان پر یہ بات اچھی طرح واضح تھی کہ اس لڑکی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ اس وقت اسے منع کرنا ناشکری ہوگی۔ چنانچہ وہ خاموشی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

....

وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ ناعمہ وہاں عصر کے ساتھ کھڑی رہ گئی۔ اس نے عصر سے پوچھا:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں اس حال میں کیسے پہنچے؟''

''یہ تو تم جانتی ہو کہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اس زمانے کے فرعون نے حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو پیدائش کے بعد قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو ان کی والدہ بہت پریشان تھیں، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی رہنمائی کی۔ جس کے بعد ان کی والدہ نے انہیں ایک ٹوکری میں دریائے نیل میں بہا دیا۔ اللہ کی قدرت سے یہ ٹوکری فرعون کی ملکہ حضرت آسیہ تک جا پہنچی۔ انہوں نے انہیں دریا سے نکال کر اپنا بیٹا بنا لیا۔''

''یہ تو اللہ نے عجیب طریقے سے ان کی زندگی بچائی۔''، ناعمہ نے حیرت سے کہا۔

''ان کی زندگی ہی نہیں بچائی بلکہ ان کو ان کی والدہ کے پاس بھی لوٹا دیا۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دائیوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ کی بڑی بہن جو ٹوکری کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی آئی تھیں اور جانتی تھیں کہ ان کا بھائی ملکہ کے پاس ہے، انہوں نے محل والوں کو اپنی والدہ کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ جب موسیٰ کو ان کی ماں

کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اطمینان سے دودھ پی لیا۔ اس پر ملکہ نے حضرت موسیٰ کو رضاعت کے لیے ان کی والدہ ہی کے حوالہ کر دیا۔''

''پھر انہوں نے مصر کیوں چھوڑا؟''، ناعمہ نے دریافت کیا تو عصر نے اس واقعے کی تفصیل بھی بیان کرنی شروع کی۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام بیک وقت ایک مصری شہزادے بھی تھے اور اپنی ماں کے تعلق کے حوالے سے بنی اسرائیل کے بھی ایک فرد تھے۔ اس لیے وہ بنی اسرائیل کی مدد کرتے رہتے تھے۔ ان کے جوان ہونے کے بعد ایک دفعہ ایک یہودی کا مقامی مصری سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ مصری اسے پیٹنے لگا۔ اسی اثنا میں حضرت موسیٰ وہاں سے گزرے۔ اس یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لیے بلایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے بچانے آگے بڑھے تو مصری نے ان پر حملہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایک مکا مارا تو اس کا کام تمام ہو گیا۔''

''اچھا تو اس لیے مصری ان کے دشمن ہو گئے۔''، ناعمہ نے کہا۔

''ہاں، مگر اُس روز یہ بات چھپی رہ گئی کہ یہ قتل کس نے کیا۔ دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بہت معافی مانگی۔ اگلے دن وہ اسی جگہ سے گزرے تو دیکھا کہ وہی یہودی ایک دوسرے مصری سے لڑ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر اس نے پھر انہیں مدد کے لیے پکارا۔ اس دفعہ حضرت موسیٰ پر واضح تھا کہ یہ خود ہی شریر شخص ہے جو ہر روز کسی نہ کسی سے لڑتا ہے۔ مگر چونکہ وہ پٹ رہا تھا اس لیے وہ یہ کہہ کر اسے بچانے کے لیے آگے بڑھے کہ تو بڑا گمراہ شخص ہے۔

یہ سن کر وہ سمجھا کہ آج مجھے ایک مکا پڑے گا اور میرا بھی کام تمام ہو جائے گا۔ تھا تو وہ شریر ہی، اس لیے چلا کر بولا کہ موسیٰ جیسا تم نے کل ایک مصری کو مارا تھا آج تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ چنانچہ قتل کا راز فاش ہو گیا اور دربار مصر میں ان کے خلاف سازشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ محل میں ان کے ہمدردوں نے انہیں ان سازشوں کی اطلاع دی اور فوراً مصر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔

جس کے بعد وہ تن تنہا صحرائے سینا عبور کرتے ہوئے مدین آ پہنچے۔''

''اب میں سمجھی اتنا لمبا سفر انہوں نے اکیلے کیوں طے کیا تھا۔''

''ہاں اور ناعمہ اب یہ سمجھ لو کہ میں تمھیں یہ سب کچھ کیوں بتا رہا ہوں۔ یاد رکھنا اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو کبھی تنہا و بے آسرا نہیں چھوڑتے۔ تم نے حضرت موسیٰ کی سیرت کو دیکھا کہ کس طرح انہوں نے اجنبی لڑکیوں کی مدد کی۔ مگر ان لڑکیوں سے نہ بے تکلف ہونے کی کوشش کی نہ مدد مانگی۔ حالانکہ خود بہت سخت ضرورت مند تھے۔ اسی انسانی ہمدردی کے اصول پر انہوں نے اس یہودی کی جان بچائی تھی جس نے ان کا راز فاش کر کے انہیں اتنی مشکل میں ڈال دیا۔ مگر اس سے کوئی بدلہ لینے کے بجائے وہ ملک چھوڑ کر صحرا پار آ گئے۔''

''کیسی عظیم سیرت ہے۔''

''ناعمہ اسی سیرت و کردار کے لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانی دنیا کا یہ پورا نظام بنایا ہے۔ انہوں نے انسانوں کو اختیار و ارادہ دے کر پیدا کیا۔ پھر خود پردہ غیب میں مستور ہو گئے۔ اب ایک طرف انسانی مفادات اور خواہشات ہیں اور دوسری طرف انسان کی فطرت اور ضمیر کی رہنمائی۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ان چرواہوں کی طرح شرافت اور حمیت سے محروم ہوتے ہیں۔ کچھ فرعون اور اس کے حواریوں کی طرح ظلم کو اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں۔ مگر کچھ صفورہ کی طرح حیا اور صبر پر قائم رہنے والے ہوتے ہیں اور کچھ موسیٰ علیہ السلام کی طرح بدترین حالات میں بھی اعلیٰ ترین انسانی کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے محبوب ہیں جنھیں وہ جنت میں ہمیشہ کے لیے اپنے پڑوس میں جگہ دیں گے۔ جبکہ ظالموں کو جہنم کے قید خانے میں پھینک دیا جائے گا۔''

''مگر اس خدائی اسکیم کے نتیجے میں زندگی کتنی مشکل ہو جاتی ہے۔''

''مگر اس کے بغیر بہترین لوگوں کو نہیں چنا جا سکتا۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ اپنے علم کی بنیاد پر کر دیتے تو ہر جہنمی سخت احتجاج کرتا کہ اسے ناحق سزا دی جا رہی ہے۔ مگر اب جب قیامت قائم

ہوگی تو ہر جنتی اور ہر جہنمی میرٹ پر اپنے اپنے انجام کو پہنچیں گے۔‘‘

’’مگر عصر اللہ کا یہ منصوبہ تو اکثر انسانوں کے علم میں نہیں ہے۔‘‘

’’دیکھو یہ منصوبہ لوگوں کے علم میں آجائے تو اچھی بات ہے۔ معاملہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مگر نہ آئے تو عملاً اس سے انسانوں کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیے۔ انسانوں کا عمل خیر و شر اور سزا و جزا کے ان تصورات پر مبنی ہے جو ہر انسان کی فطرت میں ودیعت ہیں۔‘‘

عصر ایک لمحے کو رکا اور بولا:

’’یہ بات بہت اہم ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے بنیادی رہنمائی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ انسان خیر و شر اور اچھے برے سے خوب آگاہ ہیں۔ مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ سچ اچھی اور جھوٹ بری بات ہے۔ دوسروں کی جان مال آبرو محترم ہیں۔ اسی طرح انسان جانتے ہیں کہ اچھے برے پر سزا و جزا ہونی چاہیے۔ اسی اصول پر انھوں نے جرم و سزا، عدالت، قانون اور انعام و اکرام کا پورا سلسلہ بنا رکھا ہے۔ انسان اپنا پورا نظام اسی اصول پر چلاتے ہیں۔ ٹھیک اسی اصول پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی سزا و جزا برپا کر دیں گے۔‘‘

’’بات تو بالکل صحیح ہے۔ دراصل مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ تمام لوگوں تک پیغمبروں کی ہدایت پہنچنا ضروری ہے۔‘‘

’’نہیں یہ بالکل ضروری نہیں۔ لیکن پیغمبروں اور دیگر ذرائع سے ہدایت بھیج کر اللہ تعالیٰ اضافی طور پر انسانوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ جو لوگ اس رہنمائی کی قدر کرتے ہیں ان کا عمل بہتر اور جزا زیادہ ہو جاتی ہے اور جو اس رہنمائی کو ٹھکرا دیتے ہیں، ان کا دل مزید سخت کر دیا جاتا ہے۔‘‘

یہ کہہ کر عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور بولا:

’’اب آؤ میں تمھیں دکھاتا ہوں کہ کس طرح کے لوگ سچائی کو فوراً قبول کر لیتے ہیں اور ہر قیمت دے کر اس پر جم جاتے ہیں اور کس طرح کے لوگ ہر نشانی دیکھنے کے بعد بھی گمراہی پر قائم

رہتے ہیں۔''

....

ہر طرف جشن کا سماں تھا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میدان میں جمع تھی۔ صبح کا وقت تھا اور سورج پوری آب و تاب سے روشن تھا۔ مگر اس کی حدت ابھی اتنی نہ بڑھی تھی کہ میدان میں جمع لوگوں پر گراں گزرتی۔ میدان کے ایک کونے میں فرعون کا دربار سجا تھا۔ جس کے عقب میں دریائے نیل رواں دواں تھا۔ فرعون کے درباری اور لشکری اپنی جگہ پر موجود تھے۔ جبکہ اردگرد بڑی تعداد میں مقامی مصری یعنی قبطیوں کی ایک بڑی تعداد جمع تھی۔ میدان کے دوسری طرف بنی اسرائیل موجود تھے۔ ان کی تعداد کافی زیادہ تھی، مگر صدیوں کی غلامی اور حکمرانوں کے ظلم و ستم سہتے ہوئے ان لوگوں کی حالت بہت خستہ نظر آتی تھی۔

عصر کے ساتھ کھڑی ہوئی ناعمہ خاموشی سے پورے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔ یک بیک بنی اسرائیل کے گروہ میں کچھ ہلچل سی محسوس ہوئی۔ ایک طرف سے لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے دو افراد سامنے آ کر کھڑے ہوگئے۔ ان میں سے ایک ہستی کو پہچاننے میں ناعمہ کو کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام تھے۔ انہوں نے داہنے ہاتھ میں عصا تھام رکھا تھا۔ جبکہ ان کے برابر میں کھڑی ہوئی شخصیت کا تعارف عصر نے خود ہی کرا دیا۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر میں موجود شخصیت حضرت ہارون علیہ السلام کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو رسالت کے منصب پر فائز کیا تو انہوں نے حضرت ہارون کو اپنا مددگار بنانے کی درخواست کی۔ چنانچہ ان کو بھی نبوت کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔''

''ان کو رسول کب بنایا گیا؟'' ناعمہ نے سوال کیا۔

''حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال مدین میں رہے۔ پھر اپنی بیگم صفورہ کے ساتھ واپس مصر آ رہے تھے کہ راستے پڑنے والے کوہ طور کے دامن میں اللہ تعالیٰ نے انہیں

مخاطبت کا شرف بخشا اور پیغمبری عطا فرمائی۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''ان دونوں نے فرعون کے دربار میں جا کر اسے اللہ کا پیغام پہنچایا۔ مگر بھلا وہ کہاں ان کی بات سننے والا تھا۔ جس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کے ثبوت میں کہ وہ ایک سچے پیغمبر ہیں اپنے وہ معجزات دکھائے جو بطور نشانی انہیں عطا ہوئے تھے۔''

''عصا کا سانپ بن جانے والا معجزہ۔''

''ہاں ایک عصا کا سانپ بن جانے والا معجزہ اور دوسرا ہاتھ کا بالکل روشن ہو جانا۔ فرعون ان معجزات کو دیکھ کر ڈر تو گیا مگر ان کی سچائی تسلیم نہیں کی۔ بلکہ یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ ایک جادو ہے اور ایسا جادو تو اس کے ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے جادوگر با آسانی دکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ان کو یہ چیلنج دیا کہ آج کے دن یعنی جب مصریوں کے جشن کا دن ہوتا ہے وہ ملک بھر سے جادوگروں کو بلا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا مقابلہ کرے گا۔''

ابھی عصر کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ قبطیوں میں شور مچ گیا۔ دریائے نیل کی طرف سے فرعون اپنے محل سے نمودار ہوا اور اپنے محافظوں کے جلوس میں چلتا ہوا لاؤ لشکر سمیت دربار کی طرف بڑھنے لگا۔ فرعون چہرے ہی سے ایک ظالم اور سفاک شخص لگتا تھا جس کی گردن تنی ہوئی تھی اور نگاہوں میں رعونت تھی۔ وہ بڑی شان سے چلتا ہوا ایک بلند جگہ پر نصب تخت شاہی پر جا کر بیٹھ گیا۔

اپنی نشست سنبھالنے کے بعد اس نے اشارہ کیا۔ ملک بھر سے آئے ہوئے نمائندہ جادوگروں کا ایک گروہ اس کے سامنے پیش ہوا۔ فرعون نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''تم جانتے ہو کہ ہماری قوم کتنی عظیم ہے۔ ہم کتنی قوت اور طاقت کے لوگ ہیں۔ یہ بنی اسرائیل ہمارے غلام ہیں۔ ان کی زندگی اور موت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ مگر اب ان کے درمیان ایک شخص پیدا ہوا ہے جو ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے اس نے جادو کا

ہتھیار سیکھا ہے۔مگر جس طرح یہ لوگ ہم سے قوت وطاقت میں نہیں جیت سکتے ،اسی طرح جادو کی عظیم قوت میں بھی ہم ان کوشکست دینا چاہتے ہیں۔کیا تم ہمارے لیے یہ کام کرو گے؟''

جادوگروں میں ایک شخص آگے بڑھا اور اپنے گروہ کی نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا:

''کیوں نہیں اے عظیم فرعون! یہ کل کا بچہ ہمارے مقابلہ میں کیا کر سکتا ہے۔اسے ہرانا تو کوئی بات ہی نہیں۔مگر اس فتح کے بعد ہمارے لیے کیا انعام ہوگا؟''

جادوگر کو اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ اس کی زیادہ دلچسپی اس بات میں تھی کہ اس موقع پر جب فتح فرعون کی انا کا مسئلہ بنی ہوئی ہے،اس سے زیادہ سے زیادہ انعام واکرام کا وعدہ لے لے۔ فرعون نے جادوگر کی بات سن کر بڑی خوشی کے عالم میں کہا:

''ہم تمھیں اپنے مقربین میں شامل کرلیں گے۔شاہی دربار کی عزت،خزانے اور دولت اور قوم کی بہترین عورتیں تمھیں عطا کی جائیں گی۔''

یہ سن کر جادوگروں میں سرشاری کی لہر دوڑ گئی۔جبکہ فتح کا ذکر سن کر قبطیوں کے ہجوم میں جوش وخروش پیدا ہوگیا۔فرعون کی عظمت کے نعرے بلند ہونے لگے۔دوسری طرف بنی اسرائیل اپنی جگہ سہمے کھڑے ہوئے تھے۔

ناعمہ سمجھ رہی تھی کہ اب مقابلہ شروع ہوگا مگر وہاں ایک دوسرا تماشہ شروع ہوگیا۔فرعون نے جادوگروں کو اپنے قریب بٹھانے کا حکم دیا۔اس نے انہیں اپنے متوقع انعامات کی ایک جھلک دکھانے کے لیے ایک اور انتظام کر رکھا تھا۔اس کے اشارے پر جادوگروں کے سامنے مصر کی حسین ترین رقاصاؤں کا ایک گروہ اترا اور میدان میں بلند ہوتی دھنوں پر رقص کرنا شروع کردیا۔

یہ رقاصائیں اپنے فن کی معراج پر پہنچی ہوئی تھیں۔ان کے وجود میں بجلی بھری ہوئی تھی اور ان کے رقص میں ہیجان تھا۔موسیقی کے دوش پر ان کا بدن کبھی کسی لچکتی ڈالی کی طرح جھکتا اور کبھی کسی ساز کے کسے ہوئے تاروں کی طرح تن جاتا۔ان کے ہاتھ اور پیر،سر اور دھڑ اس خوبصورتی

اور ہمواری سے ساز کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ تھے کہ محسوس ہو رہا تھا کہ سازندے ان کے وجود کی حرکات کو ساز و آواز کے آہنگ میں ڈھال رہے ہیں۔ان حسین اور نوعمر رقاصاؤں نے عیش و عشرت کے دلدادہ اہل دربار اور ارد گرد موجود لوگوں کو سحر زدہ کر دیا تھا۔

ناعمہ کو اس رقص سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔وہ بے زاری میں عصر سے بولی:

''سمجھ میں نہیں آتا کہ فرعون نے یہ جادوگروں کے مقابلے کی کیوں ٹھانی۔کیا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی براہ راست اقدام نہیں اٹھا سکتا تھا۔''

''تم اس بات کو نہیں جانتیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کیا تھی۔میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ حضرت موسیٰ کی پیدائش کے وقت بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کے قتل کا حکم تھا۔لیکن اللہ کی شان دیکھو کہ اس نے ان کو بچالیا اور ان کی پرورش محل شاہی میں شہزادوں کی طرح کروائی۔شاہی گھرانے سے اس تعلق کی بنا پر قبطی قوم کے سب لوگ انہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ایک انتہائی بہادر، اعلیٰ سیرت کے بے مثل انسان ہیں۔وہ جھوٹ نہیں بول سکتے۔چنانچہ فرعون یہ چاہتا ہے کہ ان کو شکست دے کر ان کی اخلاقی حیثیت ختم کر دے اور پھر ان کے خلاف کوئی قدم اٹھائے۔

وگرنہ ایک طرف بنی اسرائیل کی بغاوت کا اندیشہ ہے اور دوسری طرف دربار اور محل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پسند کرنے والوں کا بڑا حلقہ موجود ہے جو بلا وجہ ان کے خلاف اٹھائے گئے کسی بھی قدم کی مخالفت کرے گا۔لیکن فرعون کو اقدام سے روک دینے والی سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی وہ خصوصی نصرت ہے جو ان کے ساتھ ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا معجزہ دیا ہے کہ جو اسے دیکھتا ہے اس کے دل میں ان کا خوف بیٹھ جاتا ہے۔''

عصر کی بات سنتے ہوئے ناعمہ نے فرعون کی سمت دیکھا۔اس کے سامنے وہی رقاصائیں دلبرانہ رقص کر رہی تھیں۔رقص اختتامی مراحل میں تھا اور تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔رقاصاؤں کا

سحر بڑھتا جارہا۔انہوں نے تیزی سے گھومنا شروع کردیا۔وہ تیزی سے گھومتی ہوئی بادشاہ کے سامنے پہنچیں ۔پھر یکلخت ان کے قدم ٹھہر گئے ۔موسیقی کی آواز تھم گئی۔ہر طرف خاموشی چھا گئی۔رقاصاؤں نے سر جھکا کر بادشاہ کو سلامی دی۔اس کے ساتھ اہل دربار نے دادو تحسین کی صدائے مسلسل بلند کرنا شروع کردی۔

ناعمہ نے اس رقص پر اپنا تبصرہ ایک دوسرے ہی انداز میں کیا۔علم نفسیات پر اپنے عبور کا اظہار کرتے ہوئے وہ عصر سے بولی:

''یہ حکمران کلاس کتنی چالاک ہوتی ہے۔انہیں معلوم ہے کہ انسانوں کی کمزوریاں کیا ہوتی ہیں۔''

''ہر دور میں یہی ہوا ہے۔عوام کو اصل حقائق سے غافل کرنے اور خواص کو خوش کرنے کے لیے یہی نسوانی ادائیں ،رقص وسرور اور عورت فروشی ایک بہت بڑا ذریعہ بنی ہے۔یہی تمھارے زمانے میں ہورہا ہے۔لیکن یہ لوگ ان چیزوں سے اوپر اٹھ کر کچھ سوچ ہی نہیں پاتے۔''

''سچ کہا تم نے''،ناعمہ عصر کی تائید کرتے ہوئے بولی۔

''کاش ہمارے پاس بھی کوئی عصائے موسوی ہو جو اس مادی سحر کا توڑ کرسکے۔''

عصر نے اس کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا:

''تمھارے پاس سب سے بڑا عصا ہے۔زیادہ دیر نہیں گزرے گی کہ یہی موسیٰ علیہ السلام تمھیں اس عصا سے بھی واقف کرادیں گے۔اب ان کے وہ الفاظ غور سے سننا جو وہ جادوگروں سے مخاطب ہو کر کہیں گے۔''

....

مقابلہ شروع ہونے والا تھا۔ایک طرف جادوگر کھڑے تھے اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیھما السلام۔جادوگروں کے ہاتھوں میں رسیاں اور لاٹھیاں تھیں۔اسی اثنا

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور بولے:

''تم نے فرعون کی قربت کا ذکر سن لیا۔ اب میں تمھیں خدائے رحمٰن کی قربت کی طرف بلاتا ہوں۔ میں تمھیں ایک اللہ خدائے ذوالجلال کی بندگی کی دعوت دیتا ہوں۔ وہی آسمان وزمین اور ان کے بیچ کی ہر چیز کا مالک ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ تو وہ تمھیں جنت کی بادشاہی میں جگہ دے گا۔ ہر وہ چیز جس کا وعدہ فرعون کر رہا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر تمھیں خدا کی جنت میں ملے گی۔ ان نعمتوں میں تم ہمیشہ جیو گے اور موت کا کوئی اندیشہ تمھیں کبھی لاحق نہ ہوگا۔ اور اگر تم اللہ پر جھوٹ باندھو گے تو یاد رکھو جہنم کے عذاب سے تمھارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔''

ناعمہ نے یہ الفاظ سنے اور اس کے دل میں اترتے چلے گئے۔ اسے احساس ہو گیا کہ آخرت کا یقین ہی وہ عصا ہے جو مادیت کے ہر سانپ کے زہر سے انسان کو بچا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جس گفتگو نے ناعمہ کے دل پر اثر ڈالا تھا اس میں اتنی تاثیر تھی کہ وہاں موجود ہر شخص نے ان کی بات دل میں اترتی محسوس کی۔ جادوگروں کا حوصلہ پست ہو گیا۔ ان میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ کچھ کہنے لگے کہ ہمیں موسیٰ کی بات مان لینی چاہیے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ انہیں مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ موسیٰ سچا ہے تو ہم کبھی نہیں جیت سکتے۔

درباری قریب بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اندیشہ ہو گیا کہ یہ جادوگر مقابلے سے دست بردار نہ ہو جائیں۔ انہی درباریوں نے جادوگروں کو جمع کیا تھا۔ چنانچہ وہ جادوگروں سے بولے:

''یہ پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ اپنے جادو کے زور پر تمھیں نکال کر مصر پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ تمھارے طریقوں کو ختم کر کے نئی تہذیب و ثقافت قائم کرنا چاہتا ہے۔ تمھیں فرعون کی قربت اور انعام کا ایسا موقع پھر نہیں مل سکتا۔ جو آج جیت گیا وہی زندگی بھر کے لیے پالا مار گیا۔''

خوف اور لالچ، تعصب اور مفاد کا جو جال سیاستدان ہمیشہ بنتے آئے ہیں وہی اس وقت ان درباریوں نے استعمال کیا۔ جادوگر اس جال میں آ گئے۔ انھوں نے مقابلے کے لیے کمر کس لی

اور پورے اعتماد سے صف بستہ ہو کر بولے۔

''اے موسیٰ! یہ باتیں چھوڑو۔ اصل بات کی طرف آؤ۔ یہ بتاؤ کہ پہلے ہم اپنی لاٹھی پھینکیں یا پہل تم کرو گے۔''

جواب آیا:

''تم ہی پہل کرو۔''

جادوگروں نے منہ ہی منہ کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پھر ایک بلند نعرہ لگایا۔

''فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب ہوں گے۔''

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر پھینک دیں۔

اس کے بعد جو ہوا وہ دیکھ کر ناعمہ دھک سے رہ گئی۔ اس نے زندگی میں کبھی یہ منظر نہیں دیکھا تھا۔ لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر گریں اور لمحہ بھر میں سانپوں اور اژدہوں میں بدل گئیں۔ پھر رینگتی ہوئی تیزی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سمت بڑھنے لگیں۔

ایک تو سانپ پھر وہ بھی اتنے سارے۔ ناعمہ پر خوف طاری ہو گیا اور اس نے عصر کا بازو زور سے پکڑ لیا۔ ناعمہ نے عصر کے چہرے پر نظر ڈالی۔ وہ اطمینان سے کھڑا ہوا تھا۔ پھر ناعمہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اس پر تشویش کے سائے نظر آرہے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ جو معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھایا تھا اس کا جواب آچکا تھا۔ ثابت ہو چکا تھا کہ اگر حضرت موسیٰ لاٹھی کو سانپ میں بدل سکتے ہیں تو یہی کام جادوگر بھی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کے لیے فیصلہ ہو چکا تھا...... دونوں طرف جادوگر ہی تھے۔ یہ بات دوسرے لوگوں نے بھی سمجھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی واضح ہو چکی تھی کہ معاملہ کیا بن چکا ہے۔

ہر طرف شور مچ گیا۔ قبطی زور زور سے نعرے لگانے لگے۔ درباری اپنی نشستوں سے کھڑے ہو چکے تھے۔ جبکہ فرعون پورے اعتماد کے ساتھ فاتحانہ انداز سے مسکرا رہا تھا۔ اسے

معلوم تھا کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے عصا کو سانپ بنا ڈالیں تب بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔فرعون نے بڑی چالاکی سے اپنا مقصد حاصل کرلیا تھا۔

بنی اسرائیل کے مجمع پر سکوت طاری تھا۔انہیں بھی صورتحال کا اندازہ ہو رہا تھا۔البتہ یہ دیکھ کر ناعمہ کو حیرت ہوئی کہ قبطیوں کے برعکس جادوگر خوش نہیں ہو رہے تھے۔وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنے سانپوں کو دیکھ رہے تھے جو رفتہ رفتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بنی اسرائیل کا مجمع خوف کے مارے پیچھے ہٹنے لگا تھا۔تاہم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام اپنی جگہ کھڑے ہوئے تھے۔جب سانپ ان کے بالکل نزدیک پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر پھینکتے ہوئے کہا:

''اے جادوگرو!تمھارا کام صرف جادو تھا۔یہ لاٹھی اللہ کا معجزہ ہے۔یہ تمھارے جادو کو ملیا میٹ کردے گا۔''

یک بیک ناعمہ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو بمشکل ڈیڑھ میٹر کی ہوگی۔ کئی گز لمبے اور انتہائی خوفناک اژدہے میں تبدیل ہوچکی ہے۔یہ اژدہا جسامت میں جتنا بڑا تھا حرکت میں اتنا ہی تیز رفتار تھا۔یہ بجلی کی طرح آگے بڑھا اور سامنے سے آنے والے سانپوں کو تیزی سے نگلنے لگا۔ایک ایک کرکے اس اژدہے نے سارے جھوٹے سانپوں کو ہڑپ کرڈالا۔ جادوگروں کے سانپ ختم ہوگئے اور ان کی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پڑی رہ گئیں۔

بنی اسرائیل کے چہرے پر خوشیاں رقصاں ہوگئیں۔جبکہ قبطیوں، درباریوں اور فرعون کا چہرہ تاریک ہوگیا۔ایسی بھرپور شکست کا انہوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔جادوگر تھوڑی دیر تک خاموش کھڑے رہے۔وہ اپنے فن کے ماہر تھے۔اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جادو کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ انہوں نے رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپوں میں نہیں بدلا تھا بلکہ لوگوں کی نگاہوں پر سحر کیا تھا۔انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس وقت جو سانپ ان کے سامنے موجود

ہے وہ حقیقت میں لاٹھی سے سانپ بن چکا ہے۔ وہ بلند آواز سے پکارے۔

''ہم رب العالمین پر، موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لے آئے۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اپنے ایمان کے اعتراف میں اللہ کے حضور سجدے میں گر گئے۔ فرعون کے لیے جادوگروں کی شکست کوئی کم نہیں تھی کہ اب یہ جادوگر ایمان بھی لے آئے۔ وہ غصے سے پاگل ہوکر کھڑا ہو گیا اور بولا:

''تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آئے۔''

لیکن وہ تھا ایک پکا اور شاطر سیاستدان۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگلی بات جو اس نے کہی وہ کوئی عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنی رسوائی کا سارا ملبہ ان جادوگروں پر گراتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ گیا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔ یہ موسیٰ تمھارا سردار ہے۔ اسی نے تم سب کو جادو سکھایا ہے۔ اور آج کے دن کے لیے تم نے یہ ملی بھگت کر لی کہ تم موسیٰ کے سامنے ہار جاؤ گے۔ اس طرح تم موسیٰ کو سچا ثابت کر دو گے۔''

پھر وہ درباریوں اور اپنے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

''ان سب کا اصل منصوبہ یہی ہے کہ اس ساز باز سے یہ اقتدار پر قبضہ کر لیں اور اس شہر کے اصل باشندوں کو نکال کر خود حکمران بن جائیں۔''

درباریوں نے زور و شور سے فرعون کی تائید کی۔ وہ بولتا رہا:

''مگر اب تم جان لو گے کہ تمھارا انجام کیا ہوگا۔ میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ کر کھجور کے تنوں پر تمھیں سولی دوں گا۔ پھر تم جان لو گے کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔''

مگر وہ جادوگر جو تھوڑی دیر قبل فرعون کے قرب کے خواہشمند اور اس کے اقبال کی قسمیں کھا رہے تھے، صاحب ایمان ہو چکے تھے۔ ایمان بھی اس سطح کا جس سے آگے کوئی مقام نہیں

ہوسکتا۔ وہ بڑے حوصلے سے بولے:

''اے فرعون جو روشن دلائل ہمارے سامنے آ گئے ہیں اور جس آقا نے ہمیں پیدا کیا ہے، اس سے منہ موڑ کر ہم تجھے ترجیح نہیں دے سکتے۔ تجھے جو کرنا ہے کر لے۔ تیرے ہاتھ میں تو بس دنیا ہی کی زندگی ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں کہ وہ ہمارے گناہ بخش دے اور موسیٰ کے مقابلے کے اس جرم کو معاف کر دے جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے۔ تو ہمیں مارنا چاہتا ہے تو مار دے۔ کوئی حرج نہیں۔ ہم مر کر اللہ کے حضور ہی پہنچیں گے۔ ہم قبطی قوم کے وہ پہلے لوگ ہونے کا اعزاز ضرور حاصل کریں گے جو موسیٰ کے رب پر علانیہ ایمان لائے ہیں۔ اب ہم اپنے رب کی مغفرت اور رحمت کے طلبگار ہیں۔''

فرعون کے اشارے پر سپاہی آگے بڑھے اور ان اہل ایمان کو گرفتار کر لیا۔ عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور آگے بڑھنے لگا۔

....

جگہ وہی تھی۔ وہی میدان...... وہی دریائے نیل کا بہتا ہوا پانی۔ دریا کے ساتھ دور تک کھڑی فصلیں۔ آج ہر چیز وہی تھی۔ صرف میدان خالی تھا۔ اس میدان کے وسط میں وقفے وقفے سے کھجور کے تنے زمین پر گڑے ہوئے تھے۔ ان تنوں پر خدا کے ان صالح بندوں کی لاشیں لٹک رہی تھیں جو ایک دن قبل تک جادوگر تھے، مگر اب شہادت کی موت پا کر خدا کے محبوب ہو چکے تھے۔ جنھوں نے جان دینا گوارا کیا مگر حق کو نہیں چھوڑا۔

ناعمہ نے یہ منظر دیکھا اور لرز اٹھی۔ ان تمام لاشوں کے دائیں طرف کے ہاتھ کاٹے گئے تھے اور بائیں طرف سے پاؤں کاٹ دیے گئے تھے۔ یہ بات اسے عصر بتا چکا تھا کہ ان کے یہ اعضا زندہ حالت میں کاٹے گئے۔ پھر ان کے باقی ماندہ دھڑ کو بڑی بڑی کیلوں سے کھجور کے تنوں میں ٹھونک کر ان تنوں کو زمین پر گاڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا گیا۔ کیلیں ٹھونکنے کا یہ عمل بھی زندہ

حالت میں کیا گیا تھا۔

ناعمہ اس سفر میں موت کی بہت سی اقسام دیکھ چکی تھی۔ مگر اتنی اذیت ناک موت اس نے پہلی دفعہ دیکھی تھی۔ وہ بھی صرف اس جرم میں کہ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ ناعمہ وہیں زمین پر بے دم ہوکر بیٹھ گئی۔ کل تک یہ لوگ اس کے سامنے زندہ کھڑے تھے۔ اور آج؟ اس نے دل میں سوچا۔ اس میں کوئی سوال پوچھنے کا حوصلہ بھی نہیں رہا تھا۔ عصر اس کی حالت سمجھ رہا تھا۔ وہ اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولا:

''مجھے معلوم ہے تم کیا سوچ رہی ہو۔ تم سوچ رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کیوں نہیں بچایا؟''

''نہیں تم مجھے یہاں لانے سے قبل حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعے میں سب کچھ سمجھا چکے ہو۔ اب میں جان چکی ہوں کہ اللہ کے ہر کام میں بہت حکمت ہوتی ہے۔ اس کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ تم مجھے یہ بھی سمجھا چکے ہو کہ فرعون جیسے ظالموں کا انجام جہنم ہے اور ان بے گناہوں کا بدلہ جنت ہے جنہیں صرف ایمان لانے کے جرم میں سولی دی گئی۔ مگر بات یہ ہے کہ جنت مستقبل کا ایک واقعہ ہے۔ ایک عام آدمی تو یہی سوچے گا کہ مستقبل کس نے دیکھا ہے۔ ہم انسان تو صرف حال میں جیتے ہیں۔ ہمارا حال یہ دنیا ہے اور دنیا میں تو بہرحال ان سولی پانے والوں کا نقصان ہو چکا ہے نا۔ اس کا ازالہ تو ممکن نہیں۔''

''عصر مسکرایا۔'' وہ ناعمہ کا مسئلہ سمجھ چکا تھا۔ یہ ہر انسان کا مسئلہ تھا۔ اس لیے اس نے تفصیل سے جواب دینے کا فیصلہ کیا۔

''تم انسانوں کے لیے یہ دنیا بہت اہم ہے، مگر یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ تم نے خود اس سفر میں دیکھا کہ کس طرح ایک کے بعد دوسری نسل اس دنیا کو آباد کرتی ہے اور جب نئی نسل آتی ہے تو پچھلی نسلوں کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔ خود کو زمین کا بادشاہ سمجھنے والے چند برسوں اور صدیوں میں بے نام ونشان ہوجاتے ہیں۔ سو اس دنیا کا نفع ونقصان اللہ کے

نزدیک بالکل بے حیثیت ہے۔''

''دنیا کی بے وقعتی کی یہ باتیں کیا انسان کو بے عمل نہیں کردیتیں؟''، ناعمہ نے وہ اعتراض اٹھادیا جو آخرت کے ذکر پر دنیا پرست لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

''نہیں! اللہ تعالیٰ کی بات سمجھ لو تو یہ اعتراض نہیں ہوسکتا۔''

عصر نے ناعمہ کو سمجھاتے ہوئے کہا:

''دراصل دنیا کو سب کچھ سمجھ کر آخرت کو بھول جانے والے لوگوں کے پس منظر میں دنیا کی بے وقعتی واضح کی جاتی ہے۔ وگرنہ یہ دنیا اسباب کے جس اصول پر بنائی گئی ہے، اس کی رعایت کرنا تو لازمی فریضہ ہے۔ یہاں جو بے عمل ہوگا وہ فوراً نقصان اٹھائے گا۔ رہا آخرت کا تصور تو وہ بے عملی کے بجائے انسان کو اس دنیا میں سب سے بڑھ کر باعمل بناتا ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''اچھا یہی بتاؤ ایک طالب علم سب سے بڑھ کر زمانہ طالب علمی میں کب فعال ہوتا ہے؟''

ناعمہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر مسکرا کر بولی:

''امتحان کے زمانے میں۔''

''بس یہی بات ہے۔ آخرت کا تصور دنیا سے بے عمل نہیں کرتا بلکہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا امتحان کی جگہ ہے۔ اس لیے کوئی مومن تو یہاں بے عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر دین یہ بتاتا ہے کہ یہاں امتحان اس بات کا نہیں کہ دنیا سے کٹ کر بیٹھ جاؤ بلکہ امتحان اس بات کا ہے کہ دنیا کے سارے معمولات اختیار کرو مگر اس میں ظلم و زیادتی پر مبنی کوئی رویہ اور سرکشی و معصیت کی کوئی روش اختیار نہ کرو۔ چنانچہ ایک مومن دنیا تو تعمیر کرتا ہی ہے، مگر اس کے ساتھ وہ جنت کی کامیابی بھی حاصل کرتا ہے۔ وہ جنت جو ہمیشہ رہے گی۔ جس کی نعمتیں ابدی ہوں گی۔ انسان نہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے نہ کوئی انہیں نکالے گا۔''

''مگر لوگوں کے لیے جنت بس الفاظ کا نام ہے۔ ان کے لیے اہم صرف دنیا کی زندگی اور اس کا نفع ونقصان ہے۔''

ناعمہ نے اپنا اصل سوال پھر دہرا دیا۔

''ہاں ایسا ہی ہے۔ مگر یہ اس لیے ہے کہ وہ یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ وہ حالت امتحان میں ہیں۔ اس امتحان میں اللہ تعالیٰ پردہ غیب میں مستور ہیں، مگر ہر طرف انھوں نے اپنی نشانیاں بکھیر دی ہیں۔ ایک طرف فطرت انسانی میں وجود باری تعالیٰ اور خیر و شر کا شعور ہے دوسری طرف کائنات میں ربوبیت اور قدرت الٰہی کی ان گنت نشانیاں ہیں۔ پیغمبروں کی رہنمائی ہے۔''

''مگر اس کے ساتھ طرح طرح کے فرعون بھی تو ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے ناعمہ کی نگاہ سولی پر لٹکی لاشوں کی طرف تھی۔

''ہاں حق سے روکنے والے فرعون بھی ہیں۔ اس کے ساتھ یہاں داعیات شر بھی ہیں۔ نفس کے تقاضے ہیں۔ انانیت ہے۔ مفاد وتعصّبات ہیں۔ شیطانی طاقتیں اور ان کی ترغیبات ہیں۔ مگر یہی وہ رکاوٹیں ہیں جنہیں اگر کوئی عبور کر لے تو وہ ختم نہ ہونے والی دنیا میں ابدی عیش میں بسا دیا جائے گا۔ جبکہ غافل، سرکش اور ظالم ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ تاہم اتنی بڑی سزا و جزا کے لیے ضروری ہے کہ امتحان بھی مکمل ہو۔ یہ مکمل امتحان ہو نہیں سکتا اگر انسانوں کو مکمل آزادی نہ دی جائے۔ چنانچہ اسی کے نتیجے میں فرعون وجود میں آتے ہیں اور اسی کی بنا پر ان اہل ایمان کو اس طرح سولی پر لٹکنا پڑتا ہے۔''

''مگر پھر بھی یہ آزمائش بہت سخت ہے۔''، ناعمہ نے سولی پر لٹکی ہوئی اہل حق کی لاشوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی:

''اللہ تعالیٰ سب کچھ سہی مگر نظر نہیں آتے۔ ہر چیز اسباب کے پردے میں ہوتی ہے۔ جنت جہنم فرشتے غیب میں ہیں۔ ایسے میں بن دیکھے ماننے کی آزمائش بہت بڑی ہے۔ سزا و جزا بھی

بہت سخت ہے۔ اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ایسی آزمائش میں کبھی نہ کودتی۔''

ناعمہ یہ تمھاری غلط فہمی ہے۔ عصر نے مسکرا کر کہا:

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں اور کسی انسان کو زبردستی اس آزمائش میں نہیں اتارا۔ ہر شخص کو اس کی مرضی کے ساتھ اور اس سے پوچھ کر اس امتحان میں بھیجا گیا ہے۔''

''یہ کب ہوا تھا؟''، ناعمہ تفصیل جاننا چاہتی تھی۔

عصر نے آسمان کی سمت دیکھتے ہوئے جواب دینا شروع کیا:

''یہ میری پیدائش سے بھی پہلے ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کو ایک ساتھ پیدا کر کے ان کے سامنے اپنا پورا تخلیقی منصوبہ رکھا تھا۔ جنت جہنم، سزا جزا، کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے، حالات کیسے ہوں گے، ہر چیز واضح کر دی تھی۔ تم انسانوں نے ان ساری شرائط کو قبول کر لیا۔''

''مگر کیوں؟''

''جنت......ناعمہ...... جنت۔''

عصر نے ایک لفظ میں جواب دیا اور پھر خود ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے بولا:

''جنت بہت حسین جگہ ہے ناعمہ۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں وہ کیسا مقام ہے۔ انسانوں کو اس آزمائش میں اترنے سے قبل جنت کی تمثیل دکھا دی گئی تھی۔ اس کے بعد یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ انسانوں کی اکثریت اس آزمائش میں نہیں اترتی۔''

پھر اس نے مزید سمجھاتے ہوئے کہا:

''تمھیں یاد ہوگا کہ جادوگروں نے فرعون سے کس طرح انعام طلب کیا تھا۔ تمھیں یہ بھی یاد ہوگا کہ رقاصاؤں کے رقص اور ان کے حسن نے کس طرح لوگوں کو مسحور کر دیا تھا۔ دنیا کی یہ نعمتیں آخرت میں ہزاروں لاکھوں گنا بڑھا کر دی جائیں گی۔ یہی معاملہ آخرت کی سزا کا ہے۔ اس دنیا میں تو ایک دفعہ سولی دی جا سکتی ہے۔ مگر آخرت میں تو ہر طرف سے عذاب آئے گا اور انسان کبھی

نہیں مرے گا بلکہ ان عذابوں کو جھیلنے کے لیے ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر انسان کو جنت و جہنم کی ساری لذت اور عذاب دکھا دیے تھے۔ اس لیے اس وقت ہر شخص یکسو تھا کہ اسے جنت میں جانا اور جہنم سے بھاگنا ہے۔''

''مگر یہ جو واقعہ ہے یہ تو کسی انسان کو یاد نہیں۔''

''یاد ہوتا تو امتحان ختم ہو جاتا۔ لیکن سارے قرائن یہ بتاتے ہیں کہ انسان فطری طور پر سب کچھ جانتا ہے۔ وہ آج بھی اپنی جنت اس دنیا میں تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ وہ ختم نہ ہونے والی زندگی، ماند نہ پڑنے والی لذت، ہمیشہ رہنے والی جوانی کی تلاش میں رہتا ہے۔ وہ آنے والی کل کا تصور رکھتا ہے اور اس کے لیے بھرپور تیاری کرتا ہے۔ وہ پہلے انویسٹمنٹ اور پھر بدلے کا قانون جانتا ہے۔ وہ فائدہ کے لیے خطرہ مول لینے کے اصول کو سمجھتا ہے۔''

''No risk No gain''

''ناعمہ زیرلب بڑبڑائی''، عصر نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

''جو سودا اُس دن انسانوں نے اپنے رب سے کیا تھا آج بھی یہ سودا انسان صبح و شام کرتے ہیں۔ سارے کاروبار حیات اسی اصول پر چل رہے ہیں۔ بس ہوتا یہ ہے کہ یہ سودا کرنے کے بعد انسان سنجیدہ رہتے ہیں۔ نفع و نقصان کے معاملے کو حقیقی سمجھ کر درست رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جبکہ آخرت کا معاملہ چونکہ حسی نہیں بلکہ عقلی ہے، اس لیے وہ بھول کا شکار ہو جاتے ہیں۔''

''تم سچ کہتے ہو عصر۔ انسان کا اصلی شرف یہ ہے کہ وہ عقل کی آنکھوں سے نظر نہ آنے والے غیبی حقائق کو پہچانے۔ صرف محسوسات کی بنیاد پر فیصلہ کرنا تو جانوروں کا رویہ ہے۔''

''انسان کو غفلت میں ڈال دینے والی ایک اور چیز بھی ہے۔''

عصر نے آزمائش کی اصل سنگینی کو واضح کرتے ہوئے کہا:

''انسان اس مادی دنیا میں بھی بہرحال عقلی اصول پر معاملات کرتے ہیں کیونکہ مادی نفع و

ضررانہیں سامنے نظر آرہا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں اصل معاملہ یہ ہے کہ یہاں لوگوں کی سزا و جزا فوری طور پر نہیں ہوتی۔ انسان جو مادی نفع نقصان پر جیتے ہیں سزا و جزا نہ ہوتی دیکھ کر سرکش ہو جاتے ہیں۔ اسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے ہیں جن کے ذریعے سے دنیا ہی میں ان کی قوموں کی سزا و جزا قائم کر کے اللہ تعالیٰ اپنی موجودگی کا آخری ثبوت دے دیتے ہیں۔ اس سزا و جزا کو دیکھ کر بھی کوئی نہ مانے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے جنت کی ابدی بادشاہی سے محروم کر کے ہمیشہ کے لیے جہنم کے قید خانے میں پھینک دیا جائے۔‘‘

یہ کہہ کر عصر کھڑا ہوا اور ناعمہ سے بولا:

’’آؤ اب میں تمھیں اس سزا و جزا کا ایک اور منظر دکھاؤں۔‘‘

....

ناعمہ اور عصر سمندر کے کنارے کھڑے تھے۔ وہ واضح طور پر دیکھ سکتے تھے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل ان کی قیادت میں سمندر کی سمت بڑھی آ رہی ہے۔ ناعمہ نے اندازہ لگایا کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کے پیچھے آ رہی ہے۔ یہ کوئی فوج نہ تھی بلکہ مہاجرین کا ایک قافلہ تھا جس میں عورتیں بوڑھے بچے بمعہ ساز و سامان شامل تھے۔ عصر ناعمہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور پھر ان کی ہجرت کی تفصیلات بتا رہا تھا:

’’اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس دوہرے مشن پر بھیجا تھا۔ ایک یہ کہ وہ فرعون اور اس کے حواریوں کو توحید کی دعوت دیں۔ دوسرے یہ کہ وہ فرعون سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے نجات دے تاکہ وہ ان کو فلسطین میں لے جا کر آباد کریں۔‘‘

’’ایک منٹ ایک منٹ۔ تمھاری اس بات سے جو چیز نکلتی ہے وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت پچھلے رسولوں کی طرح ساری مصری قوم کی طرف نہیں تھی۔ بلکہ صرف فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف تھی۔‘‘

’’تم نے بالکل ٹھیک سمجھا۔قرآن نے دیگر رسولوں کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معاملے کو آل فرعون یعنی فرعون کے درباریوں اور حمایتیوں کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ پوری مصری قوم کے حوالے سے نہیں۔اسی لیے تم ابھی دیکھ لو گی کہ عذاب کی زد میں صرف فرعون، اس کی فوج، اس کے درباری اور حواری آئیں گے۔مصری قوم اپنی جگہ باقی رہے گی۔‘‘

ناعمہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔اس نے دوسرا سوال اٹھایا:

’’دوسری چیز جو تمھاری بات سے نکلتی ہے وہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شروع دن سے یہ ارادہ نہیں تھا کہ بنی اسرائیل مصر میں رہیں۔تو فرعون اور اس کے درباری بار بار یہ کیوں کہتے تھے کہ یہ لوگ مصر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’یہ سیاست ہے ناعمہ۔ دراصل بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں یہاں کے حکمران طبقے میں شامل تھے۔ بعد کے زمانے میں مقامی قبطیوں نے اقتدار پر قبضہ تو کر لیا، مگر بنی اسرائیل کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی۔گرچہ انھوں نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا اور وہ پوری طرح ان کے زیر دست تھے، مگر ان میں یہی خوف تھا کہ کہیں بنی اسرائیل کوئی بغاوت نہ کر دیں اور مصر کی حکومت پر قبضہ نہ کر لیں۔فرعون اسی خوف کی نفسیات کو استعمال کر کے مصریوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کر رہا تھا۔‘‘

ناعمہ نے ایک اور سوال کیا۔

’’مگر فرعون تو جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے جانا چاہتے ہیں۔اس نے انھیں جانے کی اجازت کیوں نہ دی تاکہ اس خوف سے مصریوں کی جان چھوٹ جاتی؟‘‘

’’وہ ایسا کرتا تو پھر مصریوں کو مفت کے اتنے غلام کہاں سے میسر آتے۔ زمانہ قدیم میں قوموں کی پوری معیشت غلامی پر استوار ہوتی تھی۔آج تو تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔‘‘

’’لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو کیوں فلسطین لے جانا چاہتے تھے؟‘‘

ناعمہ کے سوالات ختم نہیں ہو رہے تھے۔

''دراصل مصر میں رہ کر ان میں مصر کی مشرکانہ تہذیب کے سارے رنگ ڈھنگ آ چکے تھے۔ ایک طرف صدیوں کی اخلاقی پستی اور دوسری طرف مشرکانہ تہذیب کا اثر۔ اس دوطرفہ کنڈیشنگ سے نجات دلانے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا جاتا اور ایک نئے علاقے میں نئے نظم کے تحت رکھ کر ان کی تربیت کی جاتی۔''

''تو کیا یہ تربیت مصر میں نہیں ہو سکتی تھی؟''

''نہیں اس لیے کہ تم دورِ فتنہ میں کھڑی ہو۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ بنی اسرائیل اگر علانیہ ایک رب کی عبادت کرتے تو ان پر زبردست ظلم کیا جاتا۔ اس لیے ان کو گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ تم صورتحال کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے کر سکتی ہو کہ فرعون نے کتنی آسانی سے ان کے بچوں کے قتل کا حکم دے دیا۔''

''مگر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو نکیل ڈالنے کے لیے کچھ نہیں کیا؟''

''کیوں نہیں کیا۔ فرعون اور مصریوں پر وقفے وقفے سے عذاب بھیجے گئے۔''

''کیسے عذاب؟''

''ان پر قحط مسلط ہوئے۔ طوفان آئے۔ بادوباراں سے ان کی فصلیں خراب ہوئیں۔ کبھی جوؤں کی اور کبھی مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ ان کی زندگی عذاب ہوگئی۔ ٹڈی دل کا حملہ ہوا۔ پھر ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کنوؤں اور پینے کے پانی کا ہر ذخیرہ خون میں بدل گیا۔''

''تو کیا کسی عذاب کے بعد انھوں نے توبہ نہیں کی؟''

''فرعون بہت دھوکے باز تھا۔ وہ ہر دفعہ حضرت موسیٰ سے کہتا کہ اپنے رب سے دعا کرو کہ یہ عذاب ٹال دے تو وہ بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دے دے گا، مگر عذاب ختم ہونے پر ہر دفعہ وہ

اپنے وعدے سے مکر جاتا۔“

”یہ تو بے وقوف بنانے والی بات ہوئی۔“

”انہوں نے بے وقوف بنایا نہیں بلکہ خود بنے ہیں۔ اللہ کا یہ قانون ہے کہ انسان کی ہدایت انہوں نے اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ وہ ہر طرح سے انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ جو لوگ سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہیں ان پر قبول حق کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور راہ حق پر استقامت سے چلنے کا حوصلہ بھی دیا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ ہدایت کو دیکھ کر بھی آنکھیں بند کرلیں ان کے دل سخت کر دیے جاتے ہیں۔ ان پر امہال کا قانون جاری ہو جاتا ہے۔“

امہال کا قانون؟ ناعمہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

”مطلب یہ کہ ان کو ڈھیل دے دی جاتی ہے۔ اس ڈھیل کا مطلب نجات نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو مہلت دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بچ گیا۔ ان کا کوئی مجرم کبھی ان سے نہیں بھاگ سکتا۔ صرف ہوتا یہ ہے کہ ہر انکار اور دھوکہ دہی کے بعد قبول ہدایت کے امکانات تاریک تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر ایک فیصلہ کن عذاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم اور ہلاکت کے وہ دروازے کھول دیتا ہے جو کبھی بند نہیں ہوتے۔ جیسا کہ اب فرعون پر کھلنے والے ہیں۔ سو انہوں نے بے وقوف نہیں بنایا بلکہ خود بے وقوف بنے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے عصر نے دور سے آتے ہوئے فرعون کے لشکر کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے توجہ دلانے پر ناعمہ نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے پر آ کر بنی اسرائیل رک چکے ہیں۔ ان کے آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا۔

عصر نے ناعمہ کو صورتحال سمجھاتے ہوئے کہا:

”کل رات اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر ہجرت کر جاؤ۔ یہ لوگ مصر کے مقام جشن میں مصریوں سے الگ آباد تھے۔ ان کی منزل فلسطین تھی مگر اللہ تعالیٰ نے

خشکی کا قریبی راستہ اختیار کرنے کے بجائے انہیں اِس راستے کی طرف آنے کا حکم دیا جہاں بیچ میں سمندر کی ایک پٹی پڑتی ہے۔''

''ایسا کیوں کیا گیا؟'' ناعمہ نے دریافت کیا۔

''تا کہ یہ لوگ فرعون اور اس لشکر کی تباہی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔''

عصر نے جواب دیا اور پھر بنی اسرائیل کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے بولا:

''اس وقت ان کے پاس کشتیاں تو ہیں نہیں کہ ان پر بیٹھ کر سمندر کو عبور کر لیں۔ اس لیے اب یہ خوفزدہ ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم فرعون کے لشکر کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہے کہ سمندر پر اپنا عصا ماریں۔ تم دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔''

ناعمہ نے دیکھا کہ موسیٰ آگے بڑھے اور پانی پر اپنا عصا مارا۔ ناعمہ نے بلندی سے صاف دیکھا کہ سمندر پھٹنا شروع ہوا اور بیچ میں خشکی نمودار ہوگئی۔ دوسرے کنارے تک ایک خشک راستہ بن گیا جس کے دونوں کناروں پر سمندر پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا۔ ناعمہ کو یقین ہی نہیں آیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ پہاڑوں کے بیچ کا کوئی راستہ ہو۔

بنی اسرائیل اطمینان کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں اس راستے سے گزرنے لگے۔ دوسری طرف فرعون کا لشکر تیزی سے قریب آ رہا تھا۔ تاہم جب تک وہ لوگ کنارے تک آئے تو بنی اسرائیل یہاں سے جا چکے تھے۔ فرعون نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ان کے پیچھے اس راستے میں اتر گیا۔ اسے صاف نظر آ رہا تھا کہ بنی اسرائیل کے آخری حصے نے ابھی راستہ عبور نہیں کیا ہے۔

چنانچہ اب صورتحال یہ تھی کہ سمندری راستے میں ایک طرف بنی اسرائیل تھے جو دوسرے کنارے سے باہر خشکی پر نکل رہے تھے اور دوسری طرف فرعون کے لشکری تیزی اس راستے میں داخل ہو رہے تھے۔ رفتہ رفتہ فرعون کا پورا لشکر سمندری راستے میں داخل ہو گیا۔ اس کے لشکر کا

اگلا حصہ اب بنی اسرائیل کے قریب پہنچ رہا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ فرعون کے سپاہی ان تک جا پہنچتے وہ سب کے سب سمندری راستے سے باہر آ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی سمندری پانی ایک طوفانی ریلے کی شکل میں فرعون کے لشکر پر ٹوٹ پڑا اور پورا لشکر تیز لہروں کی زد میں آ گیا۔

عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھام کر ایک طرف اشارہ کیا۔ یہاں فرعون ڈوب رہا تھا۔ ناعمہ نے واضح طور پر اس کی آواز سنی۔

''میں بنی اسرائیل کے اس رب پر ایمان لے آیا جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اب میں اسی کا فرمانبردار ہوں۔''

عصر زیرلب بڑبڑایا۔

''اب ایمان لایا ہے تو۔ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا۔ تو بڑا مفسد تھا۔''

ناعمہ نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا:

''تم نے بالکل ٹھیک کہا۔''

''یہ میں نے نہیں کہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تبصرہ ہے۔ اور مجھے یقین ہے زمانے کی یہ گواہی کُل عالم تک پہنچے گی کہ یہ لوگ خسارے میں پڑ کر رہے ہے، سوائے ان کے جو ایمان لائے، عمل صالح کرتے رہے، حق کی تلقین اور اس پر صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

....

بارہواں باب

آخری معجزہ

فرعون کے لشکر کے ڈوبنے کا منظر بڑا عبرت ناک تھا۔ ناعمہ نے فرعون کے لشکر کو ڈوبتے اور بنی اسرائیل کو نجات پاتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اس کا ایمان یقین کی ایک نئی بلندی کو چھو رہا تھا۔ وہ عصر سے مخاطب ہو کر بولی:

''میرے ذہن کی ہر گرہ کھل چکی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ جب قیامت آئے گی تو ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنے ہر ماننے والے کو بچا لیں گے۔ اور ان کا ہر نافرمان اپنے جرائم کی سزا بھگتے گا......البتہ ایک مسئلہ ہے۔''

پھر ناعمہ مسئلہ بیان کرنے کے بجائے زیرِ لب بڑبڑائی۔

''یہ زیادہ جاننا بھی بہت بری چیز ہوتی ہے۔''

عصر مسکرایا اور بولا۔

''زیادہ علم بری نہیں اچھی چیز ہوتی ہے۔ زیادہ علم والے لوگ ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ مگر علم وہ مفید ہوتا ہے جس کے ساتھ حکمت اور بصیرت ہو۔ بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟''

’’بات یہ ہے عصر کہ میں نے مصر کی تاریخ کو پڑھا ہے۔ وہاں کہیں بھی اس پورے واقعے کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ یہ واقعہ میرے لیے ایک مشاہدہ ہے۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں یہ موجود ہے۔ مگر اُس زمانے کی مصر کی تاریخ میں اس کو اس طرح ریکارڈ ہی نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ تاریخ کی بنیاد پر آج تک کوئی ایک حتمی رائے سامنے نہیں آسکی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا اصل نام کیا ہے۔ حالانکہ مصر کے تمام فراعین اور ان کے زمانے کی تاریخ موجود ہے۔ تو باقی واقعات، سزا و جزا وغیرہ کو جانے دو۔‘‘

’’تم ٹھیک کہتی ہو۔ بلکہ میں تمھاری معلومات میں اضافہ کر دوں کہ خود بنی اسرائیل نے اس واقعے کو سزا و جزا کے ایک واقعے کے طور پر اس طرح یاد نہیں رکھا جس طرح یہ پیش آیا ہے۔‘‘

’’تم نے تو میری بات کی تائید کر دی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک غیر جانبدار شخص کے لیے یہ واقعہ مکمل طور پر سچائی کا ثبوت نہیں کہلایا جا سکتا۔ جب تک کہ وہ شخص میری طرح یہ واقعات اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے یا پھر وہ مسلمانوں کی طرح قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہو جس میں یہ واقعات ایسے ہی بیان ہوئے ہیں۔‘‘

عصر نے سر ہلا کر ناعمہ کی بات کی تائید کی اور کہا:

’’اسی لیے ہم سفر کی اگلی منزل اور آخری منزل میں ایک ایسے دور میں جائیں گے جب اللہ تعالیٰ نے اپنی سچائی کے سارے ثبوت آخری سطح پر جا کر جمع کر دیے۔ سزا و جزا بھی ہوئی۔ سزا و جزا کے سارے مقامات آج بھی آباد ہیں۔ وہ کتاب بھی بعینہ موجود ہے جس میں اس سزا و جزا کی داستان بیان ہوئی ہے۔ وہ قوم بھی موجود ہے جس پر یہ احوال گزرے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اس سزا و جزا کو اُس وقت کی تاریخ نے تمام تر جزئیات کے ساتھ ریکارڈ کر لیا ہے۔ یہ دور آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔‘‘

’’اچھا تو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جائیں گے؟‘‘

ناعمہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں! ہم انھی کے دور میں جائیں گے۔ سچا تو ہر رسول تھا، مگر آخری نبی اور رسول کی سچائی کو دنیا پر ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ اہتمام کر دیا ہے کہ رہتی دنیا تک کوئی معقول شخص خدا کا انکار نہیں کر سکتا۔ ان کے ذریعے سے حقیقت اس طرح کھول دی گئی ہے کہ قیامت کے دن کوئی خدا سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تو سچائی کا طلبگار تھا، مگر اسے دکھانے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ آپ عقیدے ہی نہیں بلکہ تاریخ کی بھی مکمل روشنی میں کھڑے ہوئے رسول ہیں۔ دنیا میں صرف ایک ہی ہستی ہے جسے تاریخ نے نبی اور رسول کی حیثیت سے محفوظ رکھا ہے اور جس کے ذریعے سے برپا ہونے والی سزا و جزا کو جو قیامت اور وجود باری تعالیٰ کا سب سے بڑا ثبوت ہے، معاصر تاریخ نے مکمل طور پر ریکارڈ کیا ہے۔ انسانیت پر یہ اتمام حجت اس قدر قطعی ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ ہی ختم کر دیا۔ اب یہی سزا و جزا قیامت تک سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔''

عصر بول رہا تھا اور ناعمہ پوری یکسوئی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''اب ہم مکہ جائیں گے۔ اس سرزمین پر جہاں انسانی تاریخ کا آخری اور سب سے بڑا معجزہ رونما ہوا اور اس معجزے کو تاقیامت محفوظ کر دیا گیا تاکہ کوئی خدائے قدوس کی ذات اور اس کی ملاقات کا انکار نہ کر سکے۔ کوئی سچا انسان یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے سچ کی طرف بلایا ہی نہیں گیا۔ آؤ میں تمھیں سچائی دکھاتا ہوں۔''

....

ناعمہ اور عصر خاموشی سے کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ یہ دونوں اس وقت ساتویں صدی عیسوی کے آغاز پر مکہ کے سیاسی مرکز دارالندوہ میں کھڑے تھے۔ ان کے سامنے مکہ کے سارے رؤسا اور سردار سر جوڑے بیٹھے تھے۔ انھیں جس مسئلے کا سامنا تھا اس نے آج سب کو اکٹھا ہو کر کسی ایک فیصلے تک پہنچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کا دین شرک، ان کی سرداری، ان کی مشرکانہ تہذیب،

حرم کعبہ میں رکھے بتوں سے وابستہ ان کی معیشت، عرب کے مشرکوں کی نظر میں ان کا مقام سب خطرے میں تھے۔ اس مسئلے کا کوئی آسان حل ان کے سامنے نہ تھا۔ ایک خدا کی عبادت کر کے جنت میں اس کی رحمت حاصل کرنے کی دعوت اتنی موثر اور فطری تھی کہ ہر شخص اسے اپنے دل کی آواز سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔

یہی صورتحال رہتی تو تھوڑے عرصہ میں ان ہٹ دھرم سرداروں کے سوا تمام لوگ مسلمان ہو جاتے۔ اس مسئلے نے ان سب کو یہاں جمع ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر کسی کی سمجھ میں کوئی آسان حل نہیں آ رہا تھا۔ اسی حل کی تلاش میں سب سوچ و بچار میں مشغول تھے اور ایک گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس گہری خاموشی کو ابو جہل کی بلند آواز نے توڑا۔

''یہ سب تمھارے بھتیجے کا کیا دھرا ہے، ابولہب۔ تم اسے سمجھاتے کیوں نہیں۔''

''میں کچھ نہیں کر سکتا۔ خاندان بنو ہاشم کا سربراہ میں نہیں ہوں، ابوطالب ہے۔ وہ پوری طرح عبداللہ کے بیٹے کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ تم میں سے کسی نے میرے بھتیجے کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو بنی ہاشم اور تمھارے درمیان جنگ چھڑ جائے گی۔''

''تو کیا کریں؟ لڑائی کے خوف سے بیٹھے رہیں اور ان بد دینوں کو پھیلتے ہوئے دیکھتے رہیں۔ اپنے معبودوں کے بجائے ایک اللہ کی عبادت ہوتی دیکھتے رہیں۔''

امیہ بن خلف نے جھلا کر کہا۔

''نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ میں تمھیں معاملے کی سنگینی بتا رہا تھا۔''

''مگر کیا اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ سوچو ابولہب تمھارا دماغ بہت تیز ہے۔''

عقبہ بن ابی معیط نامی سردار نے امید بھری نظروں سے ابولہب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں ایک حل ہے۔''

ابولہب سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں بولا۔

''محمد پر ایمان لانے والوں پر تشدد شروع کر دو۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے متعلقین کو مار پیٹ کر اس نئی دعوت پر ایمان لانے سے روکے۔ اس دعوت پر ابھی تک زیادہ تر نوجوان اور غلام ایمان لا رہے ہیں۔ باقی لوگ تو اکا دکا ہیں۔ ہم سب مل کر ان نوجوانوں اور غلاموں پر تشدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ پٹیں گے اور مریں گے تو خود ہی اس نئے دین کو چھوڑ دیں گے۔ یا کم از کم کوئی اور شخص بتوں کو چھوڑ کر اس نئے دین میں نہیں جائے گا اور آہستہ آہستہ ان کا زور ٹوٹ جائے گا۔''

سب لوگوں کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ ابوجہل اٹھا اور ابولہب کو گلے لگا کر بولا۔

''لات ومنات کی قسم ابولہب! تم نے تو اس مسئلے کو حل کر دیا۔''

پھر وہ اردگرد بیٹھے سرداروں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''چلو ساتھیو اس نئے دین کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیں۔''

مجلس برخواست ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد ناعمہ نے عصر کی طرف دیکھ کر پوچھا:

''اب کیا ہو گا؟''

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ابتدائی زمانہ ہے۔ ابھی آپ کی دعوت پر کم ہی لوگ ایمان لائے ہیں۔ ایسے میں یہ لوگ اب ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دیں گے۔ بربریت کی نئی داستانیں لکھی جائیں گی۔ مگر آسمان یہ منظر اب آخری دفعہ دیکھے گا۔ اس کے بعد ایسا نہیں ہو گا۔''

عصر یہ کہہ رہا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت تھی۔ آؤ اس ستم کی رات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ آج تمھارے لیے اللہ کا نام لینا کتنا آسان ہے اور ایک دور میں یہ کتنا مشکل کام تھا۔

....

مکہ کی سرزمین جس کی حرمت نے ہمیشہ سے انسانوں کو امن بخشا تھا، اہل ایمان پر تنگ ہونے لگی۔ وحشت و بربریت کے مناظر ہر جگہ نظر آنے لگے۔ کہیں صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انگاروں پر لٹایا جا رہا تھا جس سے ان کے جسم کی کھال جل جاتی۔ کہیں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تپتی دوپہر میں گرم ریت پر لٹا کر اوپر پتھر رکھ دیے جاتے۔ پھر ان کے گلے میں رسی ڈال کر مکہ کے گلی کوچوں میں گھسیٹا جاتا۔ وہ اس حال میں بھی خدائے واحد کو پکارتے رہتے۔ یہ مجبور و بیکس غلاموں کا حال تھا۔ لیکن شرفائے قریش میں سے ایمان لانے والے بھی عافیت سے نہ تھے۔ قریش کے نوجوان اپنے بزرگوں سے پٹ رہے تھے اور خواتین خاندان والوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ تھیں۔

قریش کے سرداروں کے بدترین مظالم کے باوجود ابھی تک ایک شخص نے بھی اپنا دین نہیں چھوڑا تھا۔ ابوجہل اس صورتحال پر سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس کے اپنے غلام حضرت یاسر، ان کی بیوی حضرت سمیہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عمار بھی اس کے ظلم و ستم کے باوجود نئے دین پر پوری استقامت سے ڈٹے ہوئے تھے۔ آج اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی اس ناکامی کو ختم کر کے دم لے گا۔ آل یاسر نئے دین کو چھوڑیں گے یا پھر وہ ان کو ختم کر کے دم لے گا۔

یہی وہ وقت تھا جب عصر ناعمہ کا ہاتھ تھامے اسے یہاں لے آیا۔ وہ دونوں یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے پاس کھڑے ابوجہل کو قریب آتا دیکھ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اسی دوران میں یاسر نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور انہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ آج ابوجہل کے ارادے نیک نہیں، مگر انہوں نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ ابوجہل نے قریب پہنچ کر ان سے کہا:

''تو خدائے واحد کی عبادت نہیں چھوڑے گا؟''

حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا خوف جواب دیا:

''اگر میں ایک اللہ کو چھوڑ دوں گا تو اس کی پکڑ سے مجھے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔''

یہ جواب سن کر ابو جہل آگ بگولہ ہو گیا۔اس نے انھیں بڑی بے دردی سے مارنا شروع کر دیا۔ ان کی چیخیں سن کر ان کی بیوی حضرت سمیہ بھی باہر آ گئیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کو بچانے کی کوشش کی۔اس پر ابو جہل نے یاسر کے ساتھ انھیں بھی پیٹنا شروع کر دیا۔

حضرت یاسر جو ابھی تک خاموشی سے پٹ رہے تھے، معصوم بیوی کو مار کھاتا دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ وہ اپنے آقا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ کیونکہ اس معاشرے میں غلام کی آقا کے ہاتھوں میں کوئی حیثیت نہ تھی۔انہوں نے بیوی کو حوصلہ دینے کے لیے بلند آواز سے کہا۔

''لا الہ الا اللہ۔''

حضرت سمیہ نے بھی خدا کی توحید کا یہی اعلان دہرا دیا۔مگر یہ اعلان ایک تیشہ بن کر بت پرست ابو جہل کے سینے میں گڑ گیا۔اس نے غضب میں آ کر اپنا نیزہ اٹھایا اور حضرت سمیہ کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ان کے منہ سے ایک آہ نکلی۔وہ یہ کہتے ہوئے زمین پر گر گئیں۔

''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گئی۔''

بیوی کے پیٹ سے خون کا فوارہ پھوٹتا دیکھ کر حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلبلا کر آگے بڑھے اور ابو جہل کو دھکا دے کر حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دور کیا۔دم توڑتی ہوئی اپنی سمیہ کو انہوں نے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ایک کمزور غلام اس کے سوا کیا کر سکتا تھا۔ان کے خون آلود چہرے پر آنسو بہنے لگے۔مگر لب پر کوئی حرف شکایت نہ تھا۔غلامی اور غموں کی زنجیروں سے جکڑی ان کی زندگی میں سمیہ واحد خوشی تھی۔یہ خوشی بھی آج توحید پر قربان ہو گئی۔

اسی اثنا میں ابو جہل سنبھل گیا۔وہ غصے میں کسی ناگ کی طرح پھنپھناتا ہوا آگے بڑھا اور نیام سے اپنی تلوار نکال کر یاسر کی کمر میں گھونپ دی۔یاسر سمیہ کو لیے ہوئے زمین پر گر گئے۔

ان کی کھلی ہوئی آنکھیں آسمان کو تک رہی تھیں۔

ناعمہ خاموشی سے کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اس

نے بہتی آنکھوں کے ساتھ کہا:

''صرف لا الہ الا اللہ کہنے کی یہ سزا ہے۔''

''نہیں اب نہیں۔ یہ اب اور نہیں ہوگا۔ کم از کم ایک اللہ کا نام لینے کی وجہ سے نہیں ہوگا۔''

عصر بڑبڑایا۔

''آسمان والے نے یہ فیصلہ کرلیا ہے۔ سمیہ اور یاسر کے صدقے اب خدا کا نام لینے پر کسی خدا پرست کو مارا نہیں جائے گا۔ ایک خدا کی عبادت کرنے پر کسی کا خون نہیں بہایا جائے گا۔ خدا کا نام لینے والے چاہے خدا کو بھول جائیں، مگر اسلام کی بنیاد پر کسی کو ان پر ظلم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہی قیامت تک کے لیے خدا کا فیصلہ ہے۔ مذہب کی بنیاد پر ظلم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس لیے اب امتحان بھی ختم ہو رہا ہے۔ یہ امتحان کامل حالات میں لیا جائے گا۔ اب آخری دور شروع ہو رہا ہے۔ انسانیت کی سب سے بڑی تعداد اسی آخری دور میں پیدا کی جائے گی۔ انہیں اللہ کا نام لینے کی آزادی ہوگی۔ کوئی ان پر ظلم نہیں کرے گا۔ وہ چاہیں تو خدا کا انکار کردیں۔ کوئی انہیں نہیں روکے گا۔ وہ چاہیں تو اس کے ساتھ شریک ٹھہرائیں۔ کوئی انہیں منع نہیں کرے گا۔''

''لیکن یہ معجزہ کیسے ہوگا؟ ہزاروں سال کی جبر کی تاریخ کیسے بدل جائے گی؟''

ناعمہ کے چہرے پر سوالیہ نشان تھا۔

''چلو میرے ساتھ میں بتاتا ہوں یہ تاریخ کیسے بدلی۔''

ایک دفعہ پھر وقت میں ان کا سفر شروع ہوگیا۔

....

خانہ کعبہ کی چورس عمارت تو وہی تھی جیسی ناعمہ اپنے دور میں دیکھتی رہی تھی۔ البتہ اس کے اردگرد کا ماحول بالکل مختلف تھا۔ چاروں طرف پہاڑوں میں گھری جگہ میں خانہ کعبہ استادہ تھا۔ اردگرد بہت سارے گھر بنے ہوئے تھے۔ ناعمہ نے کچھ عرصہ قبل ہی عمرہ کیا تھا۔ مگر اس کے

سامنے موجود حرم مکہ اور نئی مسجد الحرام میں سوائے خانہ کعبہ کے کچھ بھی مشترک نہیں تھا۔

عصر اور ناعمہ حرم کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔عصر ناعمہ کو مختلف گھروں کے بارے میں بتا رہا تھا کہ کون سا گھر کس ہستی کا ہے۔اس نے ناعمہ کو ایک دلچسپ بات بتائی۔

''تم دیکھو کہ ان لوگوں میں بلکہ اسلام کی ابتدائی تاریخ کے تمام لوگوں میں سے سوائے ابولہب اور صحابی رسول حضرت زید بن حارثہ کے کسی کا نام قرآن میں نہیں آیا۔لیکن تاریخ میں ہر شخص کا نام اور اس کے پورے حالات زندگی موجود ہیں۔ یہ ہے اس آخری سزا و جزا کی خصوصیت کہ اس کا مکمل ریکارڈ تاریخ میں موجود ہے۔''

''اور قرآن میں؟''

ناعمہ نے پوچھا۔

''قرآن تو ہے ہی اسی داستان کا ریکارڈ ،مگر اس میں یہ داستان بھی ہے اور پچھلے رسولوں کی داستان اور سزا و جزا کی روداد بھی بیان ہوئی ہے۔حق کی دعوت بھی ہے اور اس کے دلائل بھی ہیں۔ساتھ میں نئے ایمان لانے والوں کے لیے شریعت بھی ہے۔مگر بد قسمتی سے اس کا وہ معجزہ پوری طرح انسانیت کے سامنے نہیں ہے جس نے اسے ہمیشہ کے لیے ایک معجزہ بنا دیا ہے۔''

''وہ معجزہ کیا ہے؟''

''یہی کہ قرآن مجید اس آخری سزا و جزا کے برپا ہونے کا نہ صرف مکمل ریکارڈ ہے بلکہ اس سزا و جزا کے ظہور سے پہلے ہی اس نے بتا دیا تھا کہ یہ کب اور کیسے ہوگی۔''

عصر یہاں تک پہنچا ہی تھا کہ ناعمہ کو ایک انتہائی دل آویز صدا آنی شروع ہوئی۔ ناعمہ کو معلوم تھا یہ قرآن مجید پڑھے جانے کی آواز تھی۔مگر اس میں جو سوز ،ترنم اور آہنگ تھا وہ اس نے زندگی میں نہیں سنا تھا۔

''آج تم قرآن کو خود صاحب قرآن کی آواز میں سن لو۔اور یہ بھی دیکھو کہ سزا و جزا کے ظہور

سے پہلے اس کی پیش گوئی کیسے کر دی گئی تھی۔''

عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور حرم کے اس رخ پر لے گیا جو حطیم کے بالکل مخالف سمت تھا۔ وہاں پہنچ کر ناعمہ نے دیکھا کہ ایک ہستی نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہی ہے۔ ان کی آواز نے وہاں موجود ہر شخص کو دم بخود کر دیا تھا۔لوگ سحر زدہ سے محسوس ہوتے تھے۔لگتا تھا کہ کسی نے انہیں مجبور کر دیا ہے کہ وہ اسی کلام کو سنیں۔

ناعمہ کو یہ سمجھنے میں دقت نہیں ہوئی کہ یہ کون ہستی ہے اور کیا پڑھ رہی ہے۔تاہم ناعمہ کو عربی نہیں آتی تھی۔اس نے بے بسی سے عصر کی طرف دیکھا۔عصر اس کا مطلب سمجھتے ہوئے مسکرایا اور بولا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی سورہ قمر کی تلاوت فرمارہے ہیں۔''

اس کے ہاتھ کی گرفت ناعمہ کے ہاتھ پر مضبوط ہوگئی۔ ناعمہ کو محسوس ہوا کہ وہ قرآن کو سمجھنے لگی ہے۔سورہ قمر میں ایک ایک کر کے ان تمام اقوام کی داستان مختصراً بیان ہو رہی تھی جن کا منظر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی......قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور آل فرعون ۔قرآن پڑھا جارہا تھا اور ناعمہ کی نظروں کے سامنے سارے مناظر گھوم رہے تھے۔کس طرح رسولوں نے اپنی قوم کو دعوت دی۔کس طرح ان کی دعوت کو ٹھکرایا گیا اور پھر کیسے اللہ کا عذاب آیا۔شاید کسی اور نے قرآن کو زندگی میں اس طرح نہیں سمجھا ہوگا جیسا اس وقت ناعمہ کو سمجھ میں آرہا تھا۔پھر کہا گیا:

''کیا تمھاری قوم کے کفار ان قوموں کے کفار سے کچھ بہتر ہیں یا تمھارے لیے آسمانی صحیفوں میں براءت نامہ لکھا ہوا ہے؟ کیا ان کا زعم ہے کہ ہم مقابلہ کی قوت رکھنے والی جمعیت ہیں؟ (یاد رکھیں کہ ان کی) جمعیت عنقریب شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ ان سے جو وعدہ ہے اس کے پورے ہونے کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے، اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور بڑا ہی کڑوا ہوگا!'' (القمر 54:43-46)

یہ جملے جیسے ہی پورے ہوئے۔عصر نے ناعمہ کو لیا اور گردش ایام کے ساتھ ساتھ سفر کرتے

ہوئے وہ ایک کھلے میدان میں پہنچ گئے ۔ یہ ایک میدان جنگ تھا۔ایسا لگتا تھا کہ جنگ ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔کچھ لوگ بھاگے جارہے تھے۔کچھ کو رسیوں سے باندھ کر گرفتار کیا جارہا تھا اور کچھ لاشیں عبرت کی تصویر بنی ہوئی زمین پر مختلف جگہوں پر بکھری ہوئی تھیں۔

عصر نے ناعمہ کو اس منظر نامے کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا:

''ہم سن دو ہجری میں کھڑے ہیں۔بدر کے مقام پر لڑی گئی جنگ جو حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ تھی ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔تم دیکھ سکتی ہو کہ کفار مکہ کس طرح گاجر مولی کی طرح کاٹ دیے گئے ہیں۔ان کا طاقتور جتھا شکست کھا کر بھاگ گیا۔ستر سردار مارے گئے۔ اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ یہ انسانی تاریخ کی واحد جنگ ہے جس میں کسی قوم کے تمام بڑے سردار مار دیے گئے۔ یہ سب کے سب کافر اور رسول خدا کے دشمن تھے۔تم نے جو آیات سنی تھیں وہ دس برس قبل مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور ان میں بعینہ اس واقعہ کی پیش گوئی کی گئی تھی۔''

ناعمہ آنکھیں پھاڑے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔عصر بولتا رہا:

''ناعمہ تم نے دیکھا تھا کہ عرب کے سرداروں کی جمعیت کو اپنی طاقت کا کتنا زعم تھا۔اور تم نے یہ بھی دیکھا کہ جب مسلمان بدترین ظلم کا شکار ہو رہے تھے اور کوئی امکان ہی نہیں تھا کہ وہ اس ظلم سے نجات پائیں گے، اللہ نے اپنے محبوب پیغمبر کو وحی کر کے بتا دیا تھا کہ ان مجرموں کے ساتھ کیا ہوگا۔سورہ قمر میں اس پیش گوئی سے انہوں نے یہ بتایا تھا کہ پچھلی اقوام کے ساتھ ہم نے کیا کیا۔ پھر ٹھیک یہ بتا دیا کہ ان نئے مجرموں کو بھی اس انجام سے کوئی استثنا نہیں بلکہ یہ شکست کھا کر بھاگیں گے۔اس کے بعد یہ بتا دیا کہ شکست کی یہ پیش گوئی پہلی قسط ہے۔ان سے اصل وعدہ آخرت کی سزا اور عذاب کا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ماضی کی داستان سنا کر اگر مستقبل قریب کی بالکل صحیح پیش گوئی کی جارہی ہے تو آگے آخرت کی پیش گوئی بھی بالکل ٹھیک ثابت ہوگی۔اور اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ چند برس کے اندر اندر کفار کی شکست کی یہ پیش گوئی

کیسے سچ ثابت ہوگئی۔''

ناعمہ جو یہ منظر دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی اوراس کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ افراد کی زندگیوں کے حوالے سے کی گئی کوئی پیش گوئی تو کبھی کبھار ٹھیک ثابت ہوسکتی ہے، مگر پوری قوم سے متعلق اتنی صحیح خبر اللہ کے سوا اور کون دے سکتا ہے۔

عصر نے اس کا ذہن پڑھتے ہوئے کہا:

''یہ پیش گوئی صرف ایک قوم کے حوالے ہی سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مزید یہ اہتمام کیا کہ اس کو ایک بین الاقوامی واقعے سے متعلق کر کے یہ بتا دیا کہ یہ واقعہ کب پیش آئے گا۔ پھر اس خلاف توقع واقعے کی بھی بالکل ٹھیک پیش گوئی کر دی۔''

''وہ کیا واقعہ ہے؟''

''عرب کے پڑوس میں دو سپر پاورز میں ایک جنگ جاری تھی۔ اس جنگ میں ایک طرف سلطنت روم کے مسیحی تھے اور دوسری طرف ایران کے آتش پرست مجوسی۔ عین اس وقت جب رومی یہ جنگ مکمل طور پر ہار چکے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ پیش گوئی فرما دی کہ رومی جو آج مغلوب ہیں، عنقریب اس جنگ میں غالب ہوں گے اور اسی وقت مسلمانوں کو بھی اللہ کی نصرت حاصل ہوگی اور وہ خوشیاں منائیں گے۔''

یہ کہتے ہوئے عصر نے ناعمہ کو لیا اور ایک دفعہ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہوئے تھے۔ منظر ذرا مختلف تھا۔ مگر وہی صادق و امین ہستی قرآن مجید کو دلنشین آواز میں پڑھ رہی تھی۔

عصر نے نے ناعمہ کو توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

''خود اپنے کانوں سے سنو کہ اس واقعے کے رونما ہونے سے نو برس قبل کس طرح اس کی پیش گوئی کی جا رہی ہے۔''

''رومی پاس کے علاقے میں مغلوب ہوئے اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد عنقریب...... چند

سالوں میں غالب آجائیں گے۔ اللہ ہی کے حکم سے ہوا جو پہلے ہوا اور اللہ ہی کے حکم سے ہوگا جو بعد میں ہوگا اور اسی وقت اہل ایمان مسرور ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور غالب و مہربان تو وہی ہے یہ اللہ کا حتمی وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے وہ اس دنیا کی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ بالکل ہی بے خبر ہیں''۔ (الروم 30:7-1)

یہ الفاظ ختم ہوئے تو عصر نے ناعمہ کو مخاطب کیا:

''سن لیا تم نے۔ رسول اللہ قرآن کی یہ خبر اس وقت دے رہے ہیں جب اس طرح کی پیش گوئی کا سوچنا بھی ناممکن تھا۔''

''ہاں میں نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہے۔ ابتدا میں ایرانی بادشاہ خسرو پرویز نے کم و بیش پوری رومی سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ رومیوں کو مکمل شکست ہو چکی تھی۔ اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اس جنگ میں ایرانیوں کو شکست دے سکیں۔''

''بالکل صحیح۔ لیکن غور کرو یہ ایک نہیں دو پیش گوئیاں ہیں۔ رومیوں کی فتح کی اور مسلمانوں کے لیے نصرت الٰہی کی۔ چنانچہ جس وقت رومیوں کو فتح حاصل ہوئی کم و بیش اسی زمانے میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا جب مسلمانوں نے نصرت الٰہی سے اپنے سے تین گنا زیادہ بڑے لشکر کو عبرتناک شکست دی۔''

ناعمہ خاموش رہی۔ اسے بے اختیار عبداللہ یاد آ گیا۔ اس نے بھی اسے اس پیش گوئی کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ آہستہ سے بولی:

''مجھے کسی نے یہ بات بتائی تھی۔ مگر اس وقت میں یہ بات سمجھ نہیں سکی تھی۔''

''انسان جب کچھ سمجھنا نہ چاہے تو کوئی اسے کچھ نہیں سمجھا سکتا۔ مخالفت اور عناد میں مبتلا کوئی شخص کبھی سچائی نہیں سمجھ سکتا۔ چاہے حقیقت کتنی ہی کھول کر بیان کر دی جائے۔ دیکھو اسی عناد کا شکار یہ مکہ

کے سردار ہیں۔اوراب دیکھو کس طرح سرزمین عرب سے ان کی بے دخلی کا اعلان ہورہا ہے۔“

عصر نے ناعمہ کو ساتھ لیا۔اس دفعہ صاحب قرآن ایک دوسری جگہ سے قرآن پڑھ رہے تھے۔

”اور بیشک یہ اس سرزمین میں تمھارے قدم اکھاڑ دینے کے درپے ہیں تاکہ یہ تم کو یہاں سے نکال چھوڑیں۔اور اگر ایسا ہوا تو تمھارے بعد یہ بھی ٹکنے نہ پائیں گے۔ہم نے تم سے پہلے اپنے جو رسول بھیجے،ان کے باب میں ہماری سنت کو یاد رکھو۔اور تم ہماری سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے......اور دعا کرو کہ اے میرے رب! مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور مجھے نکال عزت کا نکالنا اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت نصیب کر! اور اعلان کردو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور باطل نابود ہونے والی چیز ہے!“،(بنی اسرائیل 17:81-76)

تلاوت ختم ہوئی تو عصر نے اس پر تبصرہ کیا:

”تم نے سن لیا کہ کیا کہا جارہا ہے؟ یہ مکہ ہے جہاں مسلمان بدترین حالات میں گھرے ہوئے ہیں۔ان کے لیے جان بچانا مشکل ہو چکا ہے۔کفار ان کو مکہ سے نکالنے اور ان کے قتل کے درپے ہیں۔کوئی انسان زیادہ سے زیادہ حوصلہ کر کے یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ کسی طرح یہ جان بچا کر یہاں سے نکل جائیں گے۔لیکن اس قدر یقین کے ساتھ یہ بات کہنا کہ رسول کے نکالنے کے بعد یہ لوگ اس سرزمین میں نہ رہ پائیں گے اور اس بات کو رسولوں کے باب میں ایک مستقل سنت اور طریقہ کے طور پر پیش کرنا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے۔اس پر مستزاد یہ کہ ان حالات میں حق کے آنے اور باطل کے مٹائے جانے کی پیش گوئی تو کوئی انسان کر ہی نہیں سکتا۔آؤ اب دیکھو کہ ہجرت مدینہ کے صرف آٹھ برس کے اندر کس شان سے مکہ اور پورے عرب میں رسول اللہ کا اقتدار قائم ہو گیا اور مشرکین عرب سے یہ سرزمین خالی ہوگئی۔“

یہ کہتے ہوئے عصر نے ناعمہ کو ساتھ لیا۔ایک دفعہ پھر ایام و پہر بدلے۔اس مرتبہ وہ دونوں مکہ سے باہر ایک بلند پہاڑ پر کھڑے تھے۔اس پہاڑ سے ایک طرف شہر مکہ کے اندر کا منظر نظر آرہا

تھا اور دوسری طرف شہر سے باہر کا۔

ناعمہ نے دیکھا کہ ہزاروں صحابہ کرام کا لشکر مکہ کے اندر داخل ہورہا ہے۔ مکہ کے مکین جو کل تک مکہ کے بلکہ پورے عرب کے سردار تھے آج خوفزدہ ہو کر اپنے گھروں میں چھپے ہوئے تھے۔ ظلم سہتے ہوئے، مار کھانے والے مسلمان اپنے اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہورہے تھے۔ مکہ فتح ہو چکا تھا۔ کفار میدان جنگ میں ہی نہیں عقیدے کے میدان میں بھی ہمیشہ کے لیے ہار چکے تھے۔

عصر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''دیکھو دنیا کا سردار آرہا ہے۔ مگر ان کی شان تو دیکھو سر بلند ہونے کے بجائے جھکا ہوا ہے۔''

ناعمہ نے اس سمت دیکھا ایک اونٹنی پر عرب وعجم کے سردار آرہے ہیں۔ ان کا سر اللہ کی شکر گزاری اور اپنی عاجزی کے احساس سے اتنا جھکا ہوا ہے کہ پیشانی اونٹنی کی گردن کو چھورہی تھی۔

''ان کی عظمت دیکھو کہ آج انھوں نے اپنے ہر دشمن کو معاف کر دیا ہے۔ کسی سے انتقام نہیں لیا، سوائے اللہ کے دشمنوں کے۔''

عصر کا اشارہ ان بتوں کی طرف تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاٹھی سے گرا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ جملے ارشاد فرمارہے تھے جو تھوڑی دیر قبل ناعمہ نے سنے تھے۔

''حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل ہے ہی مٹ جانے والا۔''

ناعمہ کی زبان سے بے اختیار نکلا:

''بے شک باطل مٹنے کے لیے ہی ہے۔''

....

ناعمہ بے خودی کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ پھر اسے یکا یک کوئی خیال آیا اور وہ بولی:

''میں نے اس دور کا مدینہ نہیں دیکھا۔ مجھے وہ تو دکھادو۔''

''ہاں وہاں بھی چلنا ہے۔ وہاں کی دو پیش گوئیاں تمھیں دکھانی ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے عصر نے ناعمہ کو لیا اور وہ دونوں چند قدم چلے۔ اب ناعمہ کے سامنے کھجور کے تنوں پر قائم اور مٹی اور گارے سے تعمیر شدہ چھوٹی سی مسجد نبوی آچکی تھی۔ ناعمہ نے عمرہ کے وقت جس مسجد نبوی کو دیکھا تھا اس کی عظمت کے مقابلے میں یہ بظاہر کچھ نہیں تھی، مگر اس مسجد کی عظمت ان لوگوں سے تھی جو مسجد میں موجود فجر کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔

جب ناعمہ عصر کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئی تو نمازیوں کے امام، انسانیت کے پیشوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سورہ فتح کے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔

''وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ تاکہ اس کو غالب کرے سارے دینوں پر اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد، اللہ کے رسول، اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت، آپس میں رحم دل ہیں۔ تم ان کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع سجود میں سرگرم پاؤ گے۔ ان کا امتیاز ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان سے ہے۔ ان کی یہ تمثیل تورات میں ہے۔ اور انجیل میں ان کی تمثیل یوں ہے کہ جیسے کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اس کو سہارا دیا، پھر وہ سخت ہوئی، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی کسانوں کے دلوں کو موہتی ہوئی تاکہ کافروں کے دل ان سے جلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے مغفرت اور ایک اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔'' (الفتح 48:28-29)

تلاوت ختم ہوئی۔ اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی۔ سب لوگ رکوع میں چلے گئے۔ عصر نے ان لوگوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

''دیکھا تم نے ناعمہ! جب یہ الفاظ نازل ہو رہے تھے تو پورے عرب کے مشرکین مسلمانوں

کے دشمن تھے۔ مسلمانوں نے بمشکل تمام ایک دس سالہ جنگ نہ کرنے کے معاہدے کو جو انہیں ذلت آمیز لگ رہا تھا، قبول کر کے امن حاصل کیا تھا۔''

''تم صلح حدیبیہ کی بات کر رہے ہو۔''

''ہاں! مگر اس کے بعد یہ سورہ فتح نازل ہوئی جس میں فتح مبین کی خوش خبری ملی۔ اور یہ خبر کہ دین اسلام اس سرزمین کے ہر دین پر غالب آجائے گا۔ یہاں کوئی اور دین باقی نہیں رہے گا۔''

''اور یہ بات فتح مکہ کے وقت پوری ہوگئی جسے ہم نے ابھی دیکھا۔''

''بالکل۔ اور جن صحابہ کرام کا ان آیات میں ذکر تھا اب تم ان کے حوالے سے ایک بہت بڑی اور ناقابل یقین پیش گوئی سنو گی۔ یہ بڑی پیش گوئی مدینہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب پورا عرب بھوکے بھیڑیوں کی طرح مدینہ پر حملہ آور تھا۔''

یہ کہتے ہوئے عصر ناعمہ کو ماضی میں ذرا پیچھے لے گیا۔ یہ بے پناہ سرد موسم تھا۔ اہل ایمان یخ بستہ پانی سے وضو کر کے عشا کے لیے مسجد نبوی آرہے تھے۔ ناعمہ نے دیکھا کہ نمازیوں کی اکثریت کے چہرے پر غربت اور فقر و فاقہ کے آثار ہیں۔ بہت سے لوگوں کے پاس اس شدید سردی سے بچنے کے لیے لباس بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر میں نماز شروع ہوئی۔ سورہ فاتحہ کے بعد مخبر صادق نے سورہ نور کا ایک حصہ پڑھنا شروع کیا۔ یہ انسانی تاریخ کی سب سے بڑی اور معرکۃ آرا پیش گوئی تھی۔

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک میں اقتدار بخشے گا، جیسا کہ ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے گزرے، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو متمکن کرے گا جس کو ان کے لیے پسندیدہ ٹھہرایا، اور ان کی اس خوف کی حالت کے بعد اس کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کریں گے تو درحقیقت وہی لوگ نافرمان ہیں''۔ (النور 24:55)

الفاظ ختم ہوئے تو عصر نے ناعمہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''سنا تم نے۔ ان لوگوں سے جن کا سرمایہ ایمان و عمل صالح کے سوا کچھ نہیں، کیا وعدہ کیا جا رہا ہے؟ مگر تم دیکھو گی کہ آنے والے چند برسوں کے اندر انسانی تاریخ کا سب سے حیرتناک واقعہ رونما ہو گا۔''

اس کے ساتھ عصر نے ناعمہ کو لیا اور آگے بڑھا۔ وقت کی گردش کے ساتھ وہ چند برس آگے پہنچ گئے۔ وہ دونوں مدینے ہی میں موجود تھے۔ مگر مدینہ کچھ بدل چکا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے مسجد نبوی کے اندر داخل ہوئے جو اب قدرے بڑی ہو چکی ہے۔ اس کے صحن میں سونے چاندی اور دیگر قیمتی اموال کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ اردگرد بیٹھے ہوئے تھے۔

عصر نے تعارف کراتے ہوئے کہا:

''یہ جو سامنے پیوند لگے کپڑے پہنے ہوئے شخص ہیں، یہ عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کے ساتھ ہی عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیٹھے ہیں۔''

''اور حضرت ابوبکر صدیق؟'' ناعمہ نے پوچھا۔

''ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔''

عصر نے مسجد کے ایک گوشے میں موجود روضہ اطہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''یہ عمر ابن خطاب کا دور خلافت ہے۔ وہ عمر جو ایک زمانے میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور یہ ان کے ساتھی جو مکہ میں ظلم و ستم کا شکار تھے۔ یہ سب اسی مسجد میں رسول اللہ کے پیچھے قرآن سن رہے تھے جس میں ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ انہیں زمین کا اقتدار دے دیا جائے گا۔ سو دیکھو اس وقت بیشتر متمدن دنیا پر ان لوگوں کا اقتدار قائم ہو چکا ہے۔ ایران کی عظیم ساسانی سلطنت کے پرخچے اڑ چکے ہیں اور اس کا پورا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آ چکا ہے۔ جبکہ رومی سلطنت کے سارے افریقی اور ایشیائی علاقے ان کے قبضے میں آ چکے تھے۔''

''فرعون کا مصر بھی؟''

ناعمہ نے حیرت سے کہا تو عصر بولا:

''مصر تو اس عظیم سلطنت کا بس ایک صوبہ ہے۔ تم سوچ نہیں سکتیں کہ کتنے مختصر وقت میں زمین کا اقتدار اللہ نے اپنے بندوں کے قدموں میں لا ڈالا ہے۔ وہ بندے جنھیں مکہ میں مارا پیٹا جارہا تھا اور مدینہ میں جنھیں ہر وقت حملوں اور جنگوں کا خوف رہتا تھا۔''

''ناقابل یقین مگر ناقابل انکار؟''

''شاید اس سے زیادہ بلیغ، جامع اور خوبصورت تبصرہ اس صورتحال پر نہیں کیا جاسکتا جو تم نے کیا ہے۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کی یہ سزا و جزا خدا کی سچائی کا سب سے بڑا ثبوت ہی نہیں، قیامت کے دن ہونے والی سزا و جزا کا مکمل نمونہ بھی ہے۔ یہ قیامت کی آخری فل ڈریس ریہرسل ہے۔ یہ انسانیت پر اتمام حجت ہے۔ جس کے بعد انسانیت فلسفیانہ مباحث سے نکل کر خدا کی سچائی کی مسلمہ دلیل کے دور میں داخل ہوچکی ہے۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ اس دلیل کو دنیا تک پہنچائیں۔''

اسی اثنا میں فضا میں اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ناعمہ کو لگا کہ ہر لفظ اس کے کانوں سے اس کے دل میں اترتا چلا جارہا ہے۔

"اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشھد ان لاالہ الااللہ۔اشھد ان لاالہ الااللہ۔اشھد ان محمداً رسول اللہ ۔اشھد ان محمد رسول اللہ ۔حی علی الصلوۃ۔حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔اللہ اکبر اللہ اکبر ۔ لاالہ الااللہ۔"

یہ الفاظ سن کر ناعمہ کی عجیب کیفیت ہوچکی تھی۔ مغرب کا وقت ہوگیا تھا۔ دن ختم ہو چکا تھا۔ ناعمہ کو معلوم تھا کہ اس کا سفر بھی ختم ہورہا ہے۔ وہ بے اختیار مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی

ہی دیر میں نمازیوں سے مسجد بھر گئی۔اقامت بلند ہوئی۔صحابہ کرام اٹھے اور جماعت شروع ہوگئی۔امامت امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب کررہے تھے۔

انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی اوراس کے بعد سورہ والعصر کی تلاوت شروع کی۔

''زمانے کی قسم۔بے شک انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔سوائے ان کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے اور حق کی تلقین اوراس پر صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

اللہ اکبر کے ساتھ سب لوگ رب کی بڑائی کے اعتراف میں جھک گئے۔عصر نے ناعمہ کا ہاتھ تھاما اور خاموشی سے چلتا ہوا مسجد نبوی سے باہر آ گیا۔سورج ڈوب چکا تھا اوراپنے پیچھے شفق کی لالی آسمان کے دامن پر بطور نشانی چھوڑ گیا تھا۔ہوا میں خنکی تھی۔شاید سردیوں کی آمد آمد تھی۔ناعمہ کی کیفیت بہت عجیب تھی۔اس نے سچائی جاننا چاہی تھی۔سچائی آج اس پر مکمل طور پر کھول دی گئی تھی۔اتنے واضح ثبوتوں کے ساتھ کہ اس کا انکار ممکن ہی نہ تھا۔اسے ایک طرف سچائی تک پہنچنے کی خوشی تھی تو دوسری طرف احساس ذمہ داری سے اس کا وجود لرز رہا تھا۔وہ بھاری قدموں کے ساتھ عصر کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔وہ دونوں خاموش تھے۔عصر اسے مسجد کے قریب موجود بقیع کے قبرستان کی طرف لے آیا۔یہ اس کے سفر کا پہلا موقع تھا جب وہ عصر کے ساتھ چلی اور زمانے کے اندر سفر کرنے کے بجائے زمین پر سفر طے کیا تھا۔اس نے بقیع کی طرف دیکھا۔ابھی اتنی روشنی باقی تھی کہ ناعمہ وہاں موجود قبروں کو با آسانی دیکھ سکتی تھی۔

''ہم جنت البقیع کے قبرستان میں آچکے ہیں۔''

ناعمہ نے کہا جو اپنے عمرے کے سفر کی بنا پر جانتی تھی کہ یہ بقیع کا قبرستان ہے۔عصر نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا:

''تم سچائی جاننا چاہتی تھیں۔تم جاننا چاہتی تھیں کہ کیوں خدا سچائی کو آخری صورت میں کھول کر بیان نہیں کرتا۔تمھارے اس سوال اور ہر سوال کا جواب بالکل کھول کر تمھیں دکھا دیا گیا ہے۔

تم میرے بارے میں جاننا چاہتی تھیں۔ العصر کے بارے میں۔ اب تمھیں میرا مطلب بھی سمجھ میں آچکا ہوگا۔ میں رسولوں کا زمانہ ہوں۔ جو ہزاروں برس سے تاریخ میں یہ گواہی دیتا رہا ہے کہ انسان خسارے میں پڑ کر رہیں گے۔''

''ابوجہل کی طرح، فرعون کی طرح۔ عاد وثمود کی طرح۔''

ناعمہ نے عصر کی بات میں اپنی بات ملائی۔

''ہاں سوائے ان کے......''

یہ کہتے ہوئے عصر نے دونوں ہاتھ دائیں اور بائیں پھیلا دیے۔ اس کے ایک ہاتھ کا اشارہ مسجد نبوی کی طرف تھا اور دوسرے کا اشارہ اصحاب بقیع کی طرف تھا۔

''جو ایمان لائے عمل صالح کرتے رہے۔ اور حق کی تلقین اور اس پر صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

''بے شک۔''، ناعمہ نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔ عصر بغیر رکے بولتا رہا:

''میری گواہی قوم نوح علیہ السلام اور قوم عاد کی داستان میں ہے۔ قوم ثمود اور قوم لوط علیہ السلام کے آثار میں ہے۔ آل فرعون اور بنی اسرائیل کے واقعات میں ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی جزا اور ان کے دشمنوں کی سزا میں ہے جس کے آثار اور جس کی داستان تمھارے زمانے تک موجود ہے۔ جس کے واقعات قرآن کے صفحات ہی میں نہیں تاریخ کے واقعات میں بھی ثبت ہیں۔''

عصر کی آواز ناعمہ کی روح کے اندر تک اترتی چلی جارہی تھی۔

''یہ سزا و جزا بتا رہی ہے کہ اس دنیا کا ایک زندہ خدا ہے جو غیب میں ضرور ہے، مگر بے خبر نہیں...... جو اس دنیا میں سزا و جزا کر سکتا ہے...... جس نے یہ سزا و جزا رسولوں کے زمانے میں بار بار برپا کی ہے، وہ نگہبان اور عادل رب آنے والی دنیا میں یقیناً مجرموں کو پکڑے گا اور صالحین کو

بہترین بدلہ دے گا...... کیونکہ دنیا امتحان ہے......اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔''

یہ کہتے ہوئے عصر نے اپنے بازو گرا دیے اور ساکنانِ بقیع کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر وہ ناعمہ کو مخاطب کر کے بولا:

''ناعمہ اب کیا تم دنیا کے سامنے خدا اور آخرت کی یہ گواہی دو گی۔ کیا تم رسولوں کے مشن کو جاری رکھو گی۔''

''میں ضرور یہ شہادت دوں گی۔''

ناعمہ نے پورے عزم سے جواب دیا۔ پھر ایک خاموشی چھا گئی۔ ایک گہرا سناٹا فضا میں ہر طرف طاری تھا۔ دھیمی دھیمی ہلکورے لیتی ہوا ناعمہ کے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ وہ اپنے ماحول سے مکمل بے خبر ہو چکی تھی۔ نجانے کتنی دیر وہ اسی حال میں رہی۔ پھر اچانک اس کے کانوں میں عصر کی آواز آئی۔

''ناعمہ اب میں تم سے رخصت چاہوں گا۔''

عصر کی بات سن کر ناعمہ چونکی۔ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر اس کی کیفیت عجیب سی ہو گئی۔ اس نے دوسری دفعہ اس دیومالائی شخصیت کو غور سے دیکھا۔ پہلی دفعہ اس نے عصر کو اس وقت غور سے دیکھا تھا جب وہ ہیولے سے انسان بن کر سامنے آیا تھا۔ عصر کی شخصیت اس کا وجود اس قدر غیر معمولی تھا کہ ناعمہ کو دوبارہ اسے نظر بھر کے دیکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کی روانگی کا سن کر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے اسے نگاہ بھر کے دیکھا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ وہ اس قالب کی اسیر ہو چکی ہے۔

''کیا ہم......کبھی دوبارہ مل سکیں گے؟''

ناعمہ نے اٹکتے ہوئے سوال کیا۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''تم نے اگر جنت کی کامیابی حاصل کر لی تو مجھ سے مل سکو گی۔ اس لیے کہ اہل جنت کی ہر

خواہش اللہ پوری کریں گے مگر......‘‘

’’مگر کیا......‘‘

’’مگر یہ کہ میں اس قالب میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔‘‘

’’کیوں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتنا حسین قالب ختم کرنے کے لیے نہیں بنا سکتے۔‘‘

’’یہ تم سے کس نے کہا کہ یہ قالب فنا کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ لیکن یہ میرا قالب نہیں ہے۔ میرا کوئی قالب نہیں۔ میرا کوئی بھی مجسم وجود نہیں۔ مجسم وجود تو تم انسانوں کا ہوتا ہے۔‘‘

’’تو پھر یہ قالب کس کا ہے۔ کون خوش نصیب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اتنا حسین اور بے مثل بنایا ہے؟‘‘، ناعمہ کا پورا وجود سراپا سوال تھا۔

عصر ایک لمحے کے لیے ٹھہرا اور بولا:

’’مجھے نہیں معلوم۔ مجھے صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ یہ قالب خدا کے ایک محبوب بندے کا ہے۔ وہ خدا کا سچا غلام ہے اسی لیے وہ سردار ہے۔ وہ اپنے مالک کا ایک حقیر خادم ہے لیکن اپنے زمانے کا رہنما ہے۔‘‘

’’کیا میں خدا کے اس محبوب بندے سے مل سکتی ہوں؟‘‘

ناعمہ کے لہجے میں فریاد تھی۔ وہ نہ نہیں سننا چاہتی تھی۔

’’تم اس سے ملوگی۔ یہی میرے پاس تمھارے لیے آخری پیغام ہے۔‘‘

’’مگر میں اس کو کیسے پہچانوں گی؟ کیا وہ شخص ایسا ہی ہوگا جیسے اس وقت تم مجھے نظر آ رہے ہو؟‘‘

ناعمہ نے پریشان ذہن کے ساتھ سوال کیا۔

’’نہیں۔ یہ قالب تو جنت کے لیے بنایا گیا ہے۔ ایسے وجود اگر دنیا میں بنا دیے جائیں تو لوگ ان کی پرستش شروع کر دیں گے۔‘‘

یہ کہتے ہوئے عصر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ناعمہ کے ہاتھوں میں اس کا اپنا لاکٹ رکھ

دیا۔ یہ وہی لاکٹ تھا جسے بیچ کر ناعمہ نے اس غریب عورت اور بیمار بچے کی مدد کی تھی۔ اسے دیکھ کر ناعمہ حیران رہ گئی۔ وہ سوالیہ نظروں سے عصر کو دیکھنے لگی۔

''جس وقت یہ لاکٹ تمھیں ملے گا، اسی وقت تمھاری ملاقات اُس شخص سے ہو جائے گی۔ تم بغیر کسی شک کے اسے پہچان لوگی۔ مگر ناعمہ! اس وقت ایک دوسری بات کو سمجھنا تمھارے لیے زیادہ اہم ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ حقائق اس سطح پر آ کر دیکھتے ہیں جس پر تم آ چکی ہو، ان کی آزمائش بہت سخت ہو جاتی ہے۔ تم نے سچائی کو آخری سطح پر جا کر دیکھا ہے۔ اس لیے تمھارا راستہ اب اتنا ہی مشکل ہو چکا ہے۔''

''میں بہت کمزور ہوں۔'' ناعمہ نے روہانسے انداز میں کہا۔

اس سے قبل کہ عصر کوئی جواب دیتا مسجد نبوی سے عشا کی اذان کی صدا بلند ہوئی۔ ناعمہ آنکھیں بند کر کے اذان سنتی رہی۔ اذان ختم ہوئی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ عصر کا وجود تحلیل ہو کر دوبارہ ایک ہیولے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ یہ کمزور ہوتی ناعمہ کے لیے ایک اور صدمہ تھا۔ وہ اپنی جگہ بیٹھ گئی۔ اب اس کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ آنے والی زندگی میں اس کے لیے کیا کچھ سخت مراحل آ سکتے ہیں۔ عصر جو اس کی کیفیت سے واقف تھا اسے مخاطب کر کے بولا:

''میرے ساتھ واپس مسجد نبوی چلو۔''

ناعمہ ہمت کر کے اٹھی اور کچھ کہے بغیر آہستگی سے واپس مسجد کی سمت بڑھنے لگی۔ تاریکی ماحول پر پوری طرح چھا چکی تھی۔ البتہ جگمگ جگمگ کرتے تاروں سے پورا آسمان جھلملا رہا تھا۔ وہ دونوں مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ دوسری رکعت جاری تھی جس میں امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب نے سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ کی آخری آیات کی تلاوت شروع کی۔

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس پر اس کے رب کی جانب سے اتاری گئی اور مومنین ایمان

لائے۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ (ان کا اقرار ہے کہ) ہم خدا کے رسولوں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں ہم نے مانا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری مغفرت کے طلبگار ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر ایک پائے گا جو کمائے گا اور بھرے گا جو کرے گا۔ اے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے اوپر اس طرح کا کوئی بار نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے ہو گزرے۔ اے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ لاد جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف کر، ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولا ہے، پس کافروں کے مقابل میں ہماری مدد کر!''۔ (البقرہ 2:286-285)

ناعمہ یہ سنتی رہی اور ان صاحبان ایمان کو نماز ادا کرتے دیکھتی رہی جو پیغمبروں کے بعد انسانیت کا سب سے زیادہ صاحب عظمت گروہ تھا۔ نماز ختم ہوئی تو عصر نے ناعمہ سے کہا:

''تم نے سنا کہ قرآن میں ابھی کیا کہا گیا ہے؟''

''ہاں ایمان لانے کا ذکر تھا۔''

''مگر ایمان کے بعد ایک درخواست بھی کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالیں جو ہم سے پہلوں پر ڈالا گیا جو ہماری استعداد سے زیادہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بوجھ پچھلی امتوں پر ڈالے گئے وہ صحابہ کرام پر نہیں ڈالے گئے اور جو قربانیاں ان صحابہ نے دے دیں اگلی نسلوں سے وہ قربانیاں بھی نہیں لی جائیں گی۔ تمھارے لیے خوش خبری ہے کہ تم پر اور تمھارے زمانے میں اللہ کا سچا دین بے آمیز طریقے پر دنیا تک پہنچانے والوں پر اللہ تعالیٰ سخت بوجھ نہیں ڈالیں گے۔ یہ ان کا فیصلہ ہے۔ تمھارا واسطہ کسی فرعون، کسی ابوجہل سے نہیں پڑے گا۔ تمھیں صرف اپنے حالات، اپنے نفس اور شیطانی ترغیبات سے لڑنا ہوگا۔''

''مگر امتحان تو پھر بھی ہوں گے نا؟''

ناعمہ کے لہجے میں سارے اندیشے جمع تھے۔

''ہاں! امتحان تو ضرور ہوگا۔ لیکن یاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی تو ہے، مگر اکثر وہ صرف حوصلے کا امتحان لیتے ہیں، انسان کا نہیں۔''

ناعمہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ اس کے سامنے سزا و جزا کے سارے مناظر آ رہے تھے۔ پھر اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا:

''میں نے ہر امتحان میں اترنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب مجھے فرق نہیں پڑتا کہ امتحان حوصلے کا ہو یا زندگی کا۔''

''اللہ تمھارا حافظ و ناصر ہو۔ میری دعا تمھارے ساتھ ہے۔ امید ہے کہ تم سے اب جنت الفردوس میں ملاقات ہوگی۔''

اس کے ساتھ ہی عصر کا وجود فضا میں تحلیل ہوتا ہوا غائب ہوگیا۔ ناعمہ نے اپنے اردگرد دیکھا۔ اس کے اردگرد ہر طرف اندھیرا چھا چکا تھا۔ مگر ناعمہ کے اندر کوئی خوف نہیں تھا۔ اس نے پورے حوصلے سے نامعلوم منزل کی طرف قدم اٹھا دیے۔

....

تیرھواں باب

تیرے جیسا کون ہے؟

ناعمہ کی آنکھ کھل گئی۔ وہ انتہائی پر سکون تھی۔ ہر اضطراب، ہر الجھن، ہر پریشانی دور ہو چکی تھی۔ طمانیت، سکون اور راحت کی ایک ایسی کیفیت تھی جس سے وہ نکلنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ ایک رات میں اس کی زندگی بدل چکی تھی۔ اسے دنیا کی ہر حقیقت سمجھ میں آ چکی تھی۔ ہر گرہ کھل چکی تھی۔ جس کے بعد ناعمہ کا فیصلہ بالکل واضح تھا۔ اسے اب خدا کے لیے جینا تھا۔ آخرت کی کامیابی اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن چکا تھا۔ اب اس کی زندگی سے گاڑی، بنگلے اور اس تمام دنیوی عیش کی خواہش نکل گئی تھی جس کے وہ خواب دیکھا کرتی تھی۔ اس کے دل سے ہر محرومی کا خوف بھی جا چکا تھا۔ اب خواہش تھی تو جنت کی اور خوف تھا تو خدا کی ناراضی اور اس کی جہنم کا۔ اسے اپنی منزل واضح طور پر معلوم ہو چکی تھی۔

مگر اب اس کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ وہ اس منزل تک کیسے پہنچے؟ اب یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ اس خواب کو بس ایک خواب سمجھ کر بھلا دے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ

خواب نہیں اس کی پکار کا جواب تھا۔اس واضح جواب کے بعد پہلا راستہ یہ تھا کہ وہ حالات کی رو میں بہتی رہتی۔مگر اس کے نتائج سے وہ اچھی طرح آگاہ تھی۔اس شادی کے بعد اسے ایک ایسی سسرال میں جانا تھا جہاں مذہب اور خدا کا کوئی گذر نہیں تھا۔اسے ایک ایسے شخص کے ساتھ جینا پڑتا جس کی جنت یہی دنیا تھی۔اس شادی کے بعد تو دین کے فرائض پر عمل کرنا بھی اس کے لیے مشکل کام تھا۔اللہ کے دین کی مدد اور رسولوں کے مشن میں حصہ ڈالنا تو دور کی بات ہے نماز، روزہ تک کا اہتمام ایک مسئلہ تھا۔وہ اپنی نندوں اور سسرال کی دیگر خواتین کے رنگ ڈھنگ دیکھ چکی تھی۔ان کے ذریعے سے اپنے ہونے والے شوہر کے معمولات زندگی سے واقف تھی۔ان لوگوں کی زندگی میں خدا ایک ناقابل تذکرہ وجود تھا......وہی رب کائنات، بادشاہ ذوالجلال جس کی عظمت اور قدرت کو ناعمہ نے اپنی روحانی آنکھوں سے دیکھا۔جس کی نظر کرم کو اپنی زندگی میں اس نے جلوہ گر دیکھا۔وہی خدا جواب ناعمہ کے لیے زندگی کی سب سے بڑی متاع بن چکا تھا۔وہ کچھ بھی کر لیتی موجودہ رشتے میں اس کے ہاتھ سے اپنے اس خدا کا وہ ہاتھ رفتہ رفتہ چھوٹ ہی جانا تھا جو بڑی مشکل سے اس نے تھاما تھا۔

اس کے سامنے دوسرا راستہ بہت مشکل بھی تھا اور بہت تلخ بھی۔وہ شادی سے انکار کر دیتی۔ مگر کس چیز کو جواز بنا کر؟ پھر کیا ضروری ہے کہ کوئی دوسرا رشتہ ایسا آجائے جو واقعتاً اسے خدا کی طرف بڑھنے میں مدد دے۔پھر دفعتاً اس کے ذہن میں ایک چھناکا ہوا۔

''عبداللہ......یقیناً یہی وہ شخص ہے جو خدا کی سمت بڑھنے میں اس کی مدد کر سکتا ہے۔''

ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا، مگر اس کے ساتھ ہی اس کی پوری شخصیت عبداللہ کے خلاف کھڑی ہوگئی۔اسے عبداللہ سے شدید نفرت تھی۔پہلے یہ نفرت اس کے خیالات سے تھی۔پھر اس کی شخصیت سے ہوگئی۔اس نفرت کے ساتھ اس کی نفسیات یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی کہ اس کی شادی عبداللہ سے ہو۔

وہ دیر تک سر پکڑ کر بستر پر بیٹھی رہی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔پھر وہ بستر سے اٹھی۔ اس نے کمرے کی روشنی کھولی۔ رات کے چار بج رہے تھے۔اس نے اپنی والدہ آمنہ بیگم کو دیکھا۔ وہ کروٹ لیے سو رہی تھیں۔ناعمہ بستر سے اٹھی۔واش روم جا کر وضو کیا۔زندگی میں پہلی دفعہ وہ تہجد کی نماز کے لیے کھڑی ہو چکی تھی۔فجر کی اذان تک وہ نماز میں کھڑی رہی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہی کہ وہ اس کی رہنمائی کر دے۔جب اس نے نماز ختم کی تو اس پر یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔خدا کی محبت میں وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ جینے کے لیے تیار ہو چکی تھی جس سے وہ شدید نفرت کرتی تھی۔

....

صبح سے دوپہر ہو چکی تھی اور دوپہر سے شام۔ناعمہ مستقل سوچوں میں گم تھی۔ناعمہ نے خود پر جبر کر کے عبداللہ کا انتخاب کر تو لیا تھا،مگر اب ایک دوسرا پہاڑ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔وہ کس طرح اس رشتے سے انکار کرے اور کس طرح اس شادی کا رخ عبداللہ کی طرف پھیرے؟

اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی شادی میں صرف دو چار دن باقی رہ گئے تھے۔کل اسے مایوں بیٹھ جانا تھا۔اسے پتہ تھا کہ اس کے سامنے کس قدر مشکلات آ چکی ہیں۔سب سے پہلے اپنی والدہ اور نانا سے بات کرنا تھی۔اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ کر اس شادی سے انکار کرے گی۔خواب کی اس بات پر کون یقین کرے گا اور کون عقلمند اس بنیاد پر آخری وقت پر رشتہ ختم کرے گا۔پھر یہ شادی اول دن سے اس کی مرضی سے ہو رہی تھی۔ ہر قدم پر اس کی خوشی شامل تھی۔اب منع کرنے کا کیا جواز وہ پیش کرے گی؟

پھر کسی نہ کسی طرح ماں اور نانا کو وہ منا لیتی کہ وہ بہر حال اس کے اپنے تھے۔مگر انہیں آگے جواب دینا تھا۔آخری وقت پر انکار کے بعد ان کی کیا عزت باقی رہ جاتی۔پھر عبداللہ کیا اس سے شادی کرنے پر راضی ہو جاتا۔ایک دفعہ ٹھکرائے جانے کی ذلت کے بعد کیسے ممکن تھا کہ وہ راضی ہو جاتا اور اگر راضی

ہو بھی جاتا تو شاید زندگی بھر وہ ناعمہ سے اپنے ٹھکرائے جانے کی ذلت کا بدلہ لیتا رہتا۔

اس کی راہ میں کوئی ایک پہاڑ یا ایک کھائی حائل نہیں تھی۔ آگ کے سات سمندر تھے جنہیں اسے عبور کرنا تھا۔ آخر کار وہ جائے نماز بچھا کر اللہ کے سامنے بیٹھ گئی۔

''یا اللہ میں نے تجھے راضی کرنے اور تجھے پانے کے لیے ایک مشکل فیصلہ کرلیا ہے۔ اس کے نتیجے میں سو فیصد امکان یہی ہے کے ساری ذلتوں اور مصیبتوں کے دروازے مجھ پر کھل جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو میں سمجھوں گی مجھے میرے گناہوں کی دنیا میں سزا مل رہی ہے۔ مگر اب تُو مجھے اتنا محبوب ہو چکا ہے کہ تیری دی ہوئی سزا بھی میرے سر آنکھوں پر ہے...... لیکن تُو مجھے معاف کر دے اور اس ناممکن کو ممکن بنا دے۔ تیری طاقت اور قدرت کے کرشمے میں کل رات دیکھ چکی ہوں۔ تیرے لیے سب کچھ ممکن اور سب کچھ آسان ہے۔ میں اپنے کمزور حقیر وجود کے لیے اسی آسانی کی بھیک مانگتی ہوں۔ پروردگار میں تیری سمت آ رہی ہوں۔ اب تو میری کشتی کو ڈبو دے یا منزل پر پہنچا دے یہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں جس سچ کو جان چکی ہوں، مر کر بھی اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی۔ میرے رب میری مدد فرما!''

ناعمہ دیر تک روتی رہی اور دعا کرتی رہی۔ پھر ایک عزم کے ساتھ وہ جائے نماز سے اٹھی اور اپنے نانا کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

....

اسماعیل صاحب پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ آمنہ بیگم منہ سر جھکائے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نواسی کی خوشی انہیں اتنی مہنگی پڑے گی۔ ان کی ساری جمع پونجی شادی کی تیاریوں پر خرچ ہو چکی تھی۔ قرض لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ جہیز بنوالیا تھا۔ حتیٰ کہ مکان کے کاغذات گروی رکھوا کر فائیو اسٹار ہوٹل اور سیکڑوں مہمانوں کی دعوت کا انتظام کرلیا تھا۔ یہ سب کر کے وہ مطمئن تھے کہ نواسی کو بہت عزت سے وہ بیاہ دیں گے۔

مگراس وقت آمنہ بیگم نے کمرے میں آ کر جو بات انہیں بتائی تھی اس سے ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔

شادی عین سر پر آ چکی تھی۔دعوتی کارڈ تقسیم ہو چکے تھے۔بات ہر جگہ پھیل گئی تھی کہ اچانک رشتے کرانے والی خاتون کا تھوڑی دیر پہلے فون آیا کہ لڑکے والے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے خاندان میں طریقہ ہے کہ لڑکے کو سلامی میں گاڑی دی جاتی ہے۔ہمارا اور کوئی مطالبہ نہیں مگر نئی گاڑی دینا ایک خاندانی رسم ہے۔وہ چاہتے ہیں کہ یہ رسم ضرور پوری ہو۔ورنہ لڑکے کی بھابیاں اعتراض کریں گی جن کے والدین نے ان کی شادیوں کے موقع پر ان کے شوہروں کو نئی گاڑیاں سلامی میں دی تھیں۔

یہ سن کر آمنہ بیگم حواس باختہ ہو چکی تھیں۔انہوں نے پہلے تو رشتے والی خاتون کو بہت سنائیں کہ یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔مگر ان کا کہنا تھا کہ مجھے خود ابھی یہ بتایا گیا ہے۔پھر کہنے لگیں کہ ایک ہی تو بیٹی ہے۔اور اتنا زبردست رشتہ ہے۔جہاں اور کیا ہے یہ بھی کر دیں۔بیٹی ہمیشہ عیش کرے گی۔پھر مزید اپنے موقف کو مضبوط کرنے کے لیے کہنے لگیں کہ اتنے امیر لوگ لالچی نہیں ہوتے۔دراصل ان کے خاندان کا دستور یہی ہے۔یہ زبردستی نہیں ہے۔چاہے تو نہ کریں مگر ایسا نہ ہو کہ بعد میں بچی کو کچھ باتیں سننا پڑیں۔آمنہ کو اپنے اور اپنے والد کے حالات مکمل طور پر معلوم تھے۔گھر تک گروی رکھا جا چکا تھا۔کئی لوگوں سے قرضے لے لیے تھے۔تب کہیں جا کر لڑکے والوں کی حیثیت کو پہنچتے ہوئے کچھ انتظامات ہوئے تھے۔ایسے میں یہ مطالبہ کمر توڑ تھا۔

اب دونوں پریشان تھے کہ کیا کریں۔یہ بات پہلے سامنے آ جاتی تو شاید کچھ ہاتھ پاؤں بھی مارتے۔مگر اب تو کچھ بھی ممکن نہیں تھا۔سوائے اس کے کہ ان کی بیٹی ناعمہ اتنے اہتمام اور کوشش کے باوجود بھی سسرال میں کمتر حیثیت میں جاتی اور سلامی میں گاڑی نہ لانے کا طعنہ سنتی۔انہوں نے ابھی تک ناعمہ سے کسی مسئلے کا ذکر نہیں کیا تھا۔مگر اب اسماعیل صاحب کا اصرار تھا کہ ناعمہ کو یہ بات

بتائی جائے تا کہ وہ ذہنی طور پر ہر طرح کی صورتحال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہے۔ جبکہ آمنہ کا اصرار تھا کہ خاموش رہا جائے۔ وہ کوشش کر کے شادی کے بعد گاڑی کہیں سے دینے کی کوشش کریں گے۔ اسماعیل صاحب کا کہنا تھا کہ بات موقع کی ہوتی ہے۔ بعد میں دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ابھی وہ دونوں اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ ناعمہ کمرے میں داخل ہوئی۔

اسے اندر آتا دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے۔ ناعمہ کا چہرہ بھی کچھ بجھا ہوا سا تھا۔ مگر وہ اپنی پریشانی میں ایسے الجھے ہوئے تھے کہ غور سے نہیں دیکھ سکے کہ ان کی نواسی کی کیفیت کیا ہے۔ اس نے اندر آ کر کہا:

''نانا ابو مجھے آپ دونوں سے کچھ بات کرنی تھی۔ اچھا ہوا امی بھی یہیں موجود ہیں۔''

''بیٹا! ہمیں بھی تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''، اسماعیل صاحب نے کہا تو آمنہ بیگم گھبرا کر بولیں:

''ابو پہلے اس کی بات سن لیں۔''، آمنہ بیگم کو اندازہ تھا کہ اس کے والد کیا کہیں گے اور اس کا اثر ان کی بیٹی پر کیا ہوگا۔ مگر اسماعیل صاحب اس وقت جس پریشانی میں تھے اس میں انہوں نے آمنہ کی بات سنی ان سنی کر دی اور بولے:

''ناعمہ تمھیں معلوم ہے کہ ہم نے پہلے دن سے اس رشتے میں تمھاری خوشی کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کے لیے ہم سے جو بن پڑا ہم نے کیا ہے۔ اپنی ساری جمع پونجی یہ سوچے بغیر کے ہمارا کیا ہوگا تمھاری شادی کی تیاریوں پر خرچ کر ڈالی۔ اپنا گھر تک گروی رکھ دیا ہے۔''

نانا ابو بول رہے تھے اور ناعمہ کے کان میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے لیے اس کی ماں اور نانا کیا کر رہے ہیں۔ وہ تڑپ کر بولی:

''آپ لوگوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''ایسا کرنا ضروری تھا بیٹی۔ جب ہاتھی والوں سے تعلق رکھا جاتا ہے تو گھر کے دروازے بھی

اونچے بنانے پڑتے ہیں۔"

آمنہ بیگم نے بیٹی کو جواب دیا۔اسماعیل صاحب نے اپنی بات جاری رکھی:

"بیٹا جو ہوا سو ہوا۔اس کا ہمیں کوئی غم نہیں اور انشاءاللہ تمھاری شادی ایسی شان وشوکت سے ہوگی کہ سسرال میں تمھاری گردن بلند رہے گی۔مگر اب ایک مسئلہ ایسا آ گیا ہے جس میں ہم کو تمھیں اعتماد میں لینا ہوگا۔"

وہ ایک لمحے کو رکے اور پھر بولنے لگے:

"تمھارے سسرال والوں کا دستور ہے کہ لڑکے کو سلامی میں نئ گاڑی دی جاتی ہے۔وہ لوگ لالچی نہیں ہیں۔مگر یہ ان کے ہاں کا دستور ہے۔ہم اپنے محدود وسائل کی بنا پر سر دست یہ نہیں کر سکتے۔یہ مطالبہ آج ہی سامنے آیا ہے۔پہلے آتا تو کچھ نہ کچھ انتظام کرنے کی کوشش کرتے، مگر اتنے مختصر وقت میں یہ بہت مشکل ہے۔پھر بھی میں کوشش کروں گا۔لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تمھیں یہ بات معلوم ہوتا کہ کوئی بات ہو تو تم پریشان نہ ہو جانا۔تحمل سے برداشت کرنا۔اللہ سب ٹھیک کرے گا۔"

ناعمہ جو اپنی ماں کے برابر میں کھڑی ہوئی تھی یہ سن کر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر ان کے برابر بیٹھ گئی۔اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل اس طرح آسان کریں گے۔وہ تو اپنی ماں اور نانا کو ایک انتہائی تکلیف دہ صورتحال میں ڈالنے آئی تھی۔اللہ نے ایسا کرم کر دیا اب وہ انھیں اس تکلیف سے نکالنے والی بن چکی تھی۔شکر گزاری کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔وہ میرے اللہ میرے اللہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس کا تڑپنا دیکھ کر اس کے نانا اور ماں دونوں پریشان ہو گئے۔انھیں معلوم تو تھا کہ ان کی بچی حساس ہے،مگر اسے اتنا صدمہ ہوگا اس کا انھیں اندازہ نہ تھا۔انھیں نہیں معلوم تھا کہ ناعمہ کے آنسو صدمے کے نہیں خوشی کے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد وہاں سے کی تھی جہاں سے وہ

سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اسے روتا دیکھ کر اسماعیل صاحب کو بہت افسوس ہوا کہ انہوں نے خوامخواہ اپنی بچی کو یہ بات بتا دی۔ وہ اس کے دل کو بڑا کرنے کے لیے بولے:

''میری بچی تو ہرگز پریشان نہ ہو۔ میں کہیں نہ کہیں سے انتظام کر کے شادی سے پہلے گاڑی کا بندوبست کرتا ہوں۔ ابھی بھی کچھ وقت ہے۔''

والدہ نے بھی اس کے سر پر پیار کر کے اس کا حوصلہ بلند کرنا چاہا۔ مگر اب ناعمہ کے بولنے کی باری تھی۔ اس نے گردن اٹھائی۔ اپنے آنسو پونچھے اور کھڑی ہو کر نانا کے پاس آئی اور پورے اعتماد سے بولی:

''نانا ابو آپ نے ساری زندگی میرا اور میری ماں کا بوجھ اٹھایا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں آپ کو بڑھاپے میں بھی اتنی اذیت دینے کا سبب بن رہی ہوں۔ خدا کی قسم مجھے یہ بات معلوم ہو جاتی تو میں اپنی خوشی کے لیے آپ دونوں کو تکلیف نہیں دیتی۔ مگر اب تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے رب نے چاہا تو اب میری ذات سے کبھی آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''

نانا حیرت سے اپنی نواسی کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں اس کے اعتماد اور الفاظ سے زیادہ 'خدا کی قسم'' اور ''میرے رب'' کے الفاظ پر حیرت تھی۔

''مشکل میں ہر شخص کو اللہ یاد آ جاتا ہے۔ یہی ان کی نواسی کے ساتھ ہوا ہے۔''

انہوں نے دل میں سوچا۔ انہیں احساس تھا کہ ناعمہ اس وقت جذبات میں ہے۔ وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولے:

''نہیں بیٹی! تو نے ہمیں کوئی تکلیف نہیں دی۔ ہم بھی تجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔''

ناعمہ نے ان کی بات ان سنی کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی، مگر اس دفعہ اس کی مخاطب اس کی والدہ تھیں:

''امی یہ رشتہ ابھی اور اسی وقت ختم ہو رہا ہے۔ آپ یہ انگوٹھی واپس کر دیجیے۔''
یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پڑی ہوئی منگنی کی انگوٹھی اتاری اور ماں کے ہاتھ میں رکھ دی۔
آمنہ بیگم ہکا بکا رہ گئیں۔ اسماعیل صاحب بھی پریشان ہو گئے۔
''بیٹا یہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟''، آمنہ بیگم نے شدید پریشانی کے عالم میں کہا:
''جانتی ہو بیٹا دو دن بعد شادی ہے۔ یہ تو بڑی بدنامی کی بات ہو گی۔''
''بدنامی ہوتی ہے تو ہوا کرے۔ ویسے یہ بدنامی ان کی ہونی چاہیے جنھوں نے گاڑی کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ اگر ان کا دستور ہے تو پہلے دن بتانا چاہیے تھا۔ انھیں شروع دن سے ہماری حیثیت معلوم تھی۔ آخری وقت میں یہ بات کرنا بلیک میلنگ ہوتا ہے۔ میں مر جاؤں گی مگر یہ شادی نہیں کروں گی۔''
ناعمہ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔
''ناعمہ! تم بچی ہو۔ تمھیں اندازہ نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ لوگ دس باتیں بنائیں گے۔ تمھاری شادی کہیں اور کرنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور ہو جائے گا۔ جو نیا رشتہ آئے گا وہ ضرور پوچھے گا کہ پچھلا رشتہ کیوں ختم ہوا''، اسماعیل صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''کیا عبداللہ بھی یہ پوچھے گا؟''
ناعمہ نے پوری روانی اور اعتماد سے کہا تو اسماعیل صاحب اور آمنہ بیگم دونوں سناٹے میں آ گئے۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اسماعیل صاحب نے کہا:
''مگر بیٹا اس سے شادی سے تو تم انکار کر چکی تھیں۔''
''اب اقرار کر رہی ہوں۔''
''مگر بیٹا اس نے اپنی جاب وغیرہ سب چھوڑ دی ہے تمھیں شاید معلوم نہیں اس کا اب کوئی کیریر نہیں رہا۔ اب اس کے پاس نہ پہلے جیسی جاب ہے نہ گاڑی ہے نہ اپنا کوئی گھر ہے۔ تم کیسے اس کے ساتھ رہو گی؟ پھر جانتی ہو مستقبل میں اس کا ارادہ کیا کرنے کا ہے؟''

ماں جو اپنی بچی کی رگ رگ سے واقف تھی، ایک ہی سانس میں یہ بیان کرتی چلی گئی کہ عبداللہ کن وجوہات کی بنا پر اس کے لیے مس فٹ ہے۔

”مجھے سب معلوم ہے۔لیکن میں فیصلہ کر چکی ہوں۔آپ لوگوں نے پہلے میرے غلط فیصلے میں میرا ساتھ دیا تھا۔اب میں ایک ٹھیک فیصلہ کر رہی ہوں۔نانا ابو اللہ کے واسطے میرا ساتھ دیجیے۔“

ناعمہ نے جان بوجھ کر آخری بات اپنے نانا سے مخاطب ہو کر کہی۔جن کے لیے اللہ کا واسطہ اور عبداللہ کا نام دونوں بہت اہم تھے۔

”ٹھیک ہے بیٹا۔جو ہو گا دیکھا جائے گا۔میں عبداللہ کو ابھی بلاتا ہوں۔“

....

اسماعیل صاحب نے پوری بات عبداللہ کے سامنے رکھ دی۔وہ گردن جھکائے ان کی بات سنتا رہا۔اسے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ تھا۔وہ سمجھ چکا تھا کہ اسماعیل صاحب کا خاندان ایک بہت بڑی مشکل میں پھنس چکا ہے۔ شاید اللہ کی مرضی یہ ہے کہ وہ انہیں اس مشکل سے نکالے۔وہ اپنے بارے میں ناعمہ کے خیالات سے واقف تھا۔فاریہ نے کچھ دنوں قبل اسے فون کر کے ساری بات بتائی تھی اور اس سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ ناعمہ کی شادی تک اس کے گھر نہ جائے۔اس لیے کافی دنوں سے وہ اسماعیل صاحب کے گھر نہیں آیا تھا اور بہانا یہ بنایا تھا کہ پڑھائی میں مصروف ہے۔مگر آج انھوں نے اسے فوراً اس انتہائی اہم مسئلے پر بات کرنے کے لیے بلا لیا تھا۔

اسے معلوم تھا کہ اسے یہ کڑوا گھونٹ پینا تھا۔اسماعیل صاحب کے خاندان کی مدد کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری تھی۔گرچہ اسماعیل صاحب نے کہا تھا کہ ناعمہ نے شادی کے لیے عبداللہ کا نام خود تجویز کیا ہے، مگر اسے اندازہ تھا کہ یہ ناممکن ہے۔ناعمہ کو اپنے گھرانے کی عزت برقرار رکھنی تھی۔اس کے لیے اس نے ایک ایسے شخص سے شادی کا فیصلہ کر لیا جس سے وہ نفرت کرتی ہے۔

ناعمہ نے اپنے حصے کا زہر پی لیا تھا۔اب عبداللہ کو اپنے حصے کا زہر پینا تھا۔

''بیٹا میں تمھارے جواب کا منتظر ہوں۔''

اسماعیل صاحب جو کافی دیر سے اس کے جواب کا انتظار کر رہے تھے اسے گہری سوچوں میں غرق دیکھ کر اس سے پوچھا۔ عبداللہ نے سر اٹھایا اور آہستہ آواز میں بولا:

''شادی کے لیے میری ایک شرط ہے۔''

''بولو بیٹا! تمھاری ہر شرط مجھے منظور ہے۔''

''ناعمہ کی شادی کے لیے آپ نے جو قرض لیا ہے اور جس کے لیے یہ گھر گروی رکھوایا ہے۔ اسے شادی سے قبل میں ادا کروں گا۔ جاب کے ابتدائی دنوں میں مجھے گھر بنانے کی خواہش تھی۔ اس کے لیے میں نے پیسے جمع کیے تھے۔ وہ ابھی تک میرے پاس ہیں۔ آپ یہ پیسے لے کر مکان کے کاغذات واپس لے لیجیے۔''

اسماعیل صاحب نے یہ سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بولے:

''میری زندگی کی سب سے بڑی محرومی ہوتی اگر ناعمہ کی شادی تم سے نہ ہوتی۔ خدا کا شکر ہے اس نے میری یہ محرومی دور کر دی۔ میں تمھاری یہ شرط ضرور مانوں گا۔ میں اب یہ مکان تمھارے نام کر رہا ہوں۔ اس مکان میں تم اور ناعمہ رہو گے۔ لیکن یہ بات میں ناعمہ کو نہیں بتاؤں گا۔ تم اسے شادی کے بعد بتاؤ گے۔''

''آپ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو پھر میرا ایک کام اور کیجیے۔ یہ مکان میرے نہیں ناعمہ کے نام کر دیجیے۔ میں اسے مہر میں یہ مکان دے دوں گا۔''

''اللہ تمھیں خوش رکھے بیٹا! اللہ تم دونوں کو سدا خوش اور آباد رکھے۔''

عبداللہ جواب میں خاموش رہا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس شادی میں ناعمہ کی خوشی نہیں مجبوری شامل ہے۔ کسی کمزور لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا عبداللہ جیسے شخص کو کبھی گوارا نہ تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اسماعیل صاحب کی عزت رکھنے کے لیے دنیا

دکھاوے کو ناعمہ سے رسمی شادی کرلے گا۔ پھر ناعمہ کو بھلے طریقے سے آزاد کردے گا۔ عبداللہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ناعمہ کی خوشی اس کے ساتھ آباد رہنے میں نہیں، اس سے آزاد رہنے ہی میں ممکن تھی۔ عبداللہ سے جان چھوٹنے کے بعد ناعمہ جیسی شکل وصورت کی لڑکی کے لیے مناسب رشتہ ملنا مشکل نہ تھا۔ رہا عبداللہ تو جب اس نے اپنی زندگی اپنے رب کے لیے وقف کی تھی تو جان لیا تھا کہ اسے اپنے سینے میں دو قبرستان بنانے ہوں گے۔ ایک میں اسے اپنی خواہشیں دفن کرنی ہوں گی اور دوسرے میں شکایتیں۔ سو اس کا سینہ تو پہلے ہی دوسروں کی شکایتوں اور اپنی خواہشوں کا ایک قبرستان تھا۔ اس قبرستان میں آج ایک اور لاش دفن کرنے کا وقت آ گیا تھا...... کسی قبرستان میں ایک قبر کے اور بڑھ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

عبداللہ اسماعیل صاحب کے پاس سے اٹھا تو اس کا دل بہت پرسکون تھا...... اس لیے کہ قبرستانوں میں ہمیشہ بہت سکون ہوا کرتا ہے۔

....

ناعمہ کی شادی اسی تاریخ کو ہوئی جو طے ہوئی تھی۔ سب کچھ ویسے ہی ہوا۔ صرف اس فرق کے ساتھ کہ دولہا عبداللہ تھا۔ نانا ابو نے مکان ناعمہ کے نام کر کے کاغذات نکاح کے وقت عبداللہ کو دے دیے تھے۔ شادی کے بعد رخصتی ہو کر دولہا دلہن کہیں اور نہیں گئے اسی مکان میں آ گئے۔ اور اب شادی کے سارے ہنگاموں سے گزر کر دلہن بنی ہوئی ناعمہ حجلہ عروسی میں عبداللہ کی...... اپنی قسمت کی منتظر تھی۔

وہ سیج پر بنی سنوری بیٹھی تھی۔ وہ حسین تو ہمیشہ سے تھی۔ مگر اس پر دلہن کا لباس، زیور اور میک اپ۔ ان سب نے مل کر ناعمہ کو وہ روپ دیا تھا کہ گویا کوہ قاف کی کوئی پری زمین پر اتر آئی ہے۔ آج جس نے اسے دیکھا تھا وہ عبداللہ کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔ سوائے عبداللہ کے۔ اس کے لیے یہ زندگی کے ان گنت امتحانوں میں سے ایک اور امتحان تھا۔ جس سے اسے کامیابی کے

ساتھ گزرنا تھا۔شادی کی پوری تقریب میں اس کے چہرے پر مسکراہٹ رہی اور دل میں یہ دعا کہ پروردگار ہمیشہ کی طرح اب بھی میری مدد کیجیے اور اس پل صراط سے مجھے کامیابی سے گزار دیجیے۔

ناعمہ اس سب سے بے نیاز گہری سوچ میں ڈوبی عبداللہ کا انتظار کر رہی تھی۔اس کا ایک بوجھ تو اتر چکا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ زندگی اب اس کے لیے بس ایک آزمائش ہی بن چکی ہے۔مالی تنگی تو خیر وہ جھیلنے کے لیے تیار تھی لیکن عبداللہ کے ساتھ جینا اس کے لیے ایک سزا تھی۔مگر وہ کس کو الزام دیتی......اس نے اپنے لیے یہ سزا خود چنی تھی۔

ناعمہ کو اپنا خواب یاد آ گیا۔اسے وہ جادوگر یاد آئے جنھوں نے سچائی کو پا کر سولی پر چڑھنا گوارا کر لیا تھا،مگر سچ کو نہیں چھوڑا تھا۔اپنا ایمان بچانے کے لیے انہوں نے ایک اذیت ناک موت گوارا کر لی تھی۔

''کیا میں اللہ کے لیے ایک اذیت ناک زندگی بھی گوارا نہیں کر سکتی؟''

ناعمہ نے خود سے سوال کیا۔پھر خود ہی جواب دیا۔

''مجھے یہ زندگی گوارا کرنا ہوگی۔پوری خوش دلی کے ساتھ۔''

پھر ایک اور وسوسے کا زہر اس کے رگ و پے میں اترنے لگا۔اس نے عبداللہ سے شادی سے انکار کیا تھا۔فاریہ کے ذریعے سے اسے گھر آنے سے منع کیا تھا۔عبداللہ ایک مذہبی شخص ہے۔مذہبی لوگوں کے متعلق اس کا تجربہ یہ تھا کہ وہ دین کی ظاہری باتیں اور علمی گفتگو تو اچھی کر لیتے ہیں۔نماز روزہ بھی کر لیتے ہیں،مگر جب انہیں کسی سے اختلاف ہو جائے اور عناد پیدا ہو جائے تو ان میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ان کا اخلاقی رویہ عام لوگوں سے مختلف نہیں ہوتا۔عبداللہ نے کچھ نہ کیا ساری زندگی اگر اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا رہا تو......؟ عبداللہ سے نفرت کرتے کرتے وہ خود اگر اس کی نفرت کا نشانہ بن گئی تو......؟

یہ ساری باتیں پہلے ناعمہ نے نہیں سوچی تھیں۔کم از کم اس گہرائی میں جا کر نہیں سوچی تھیں۔

ہر طرف سے وسوسے کے سیاہ ناگ اسے ڈسنے لگے۔ پھر ایک دم اس کے سامنے عصر کا چہرہ آیا۔
اسے عصر کے الفاظ یاد آ گئے۔

''امتحان ضرور ہوگا۔ مگر یاد رکھنا اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا امتحان کے لیے بنائی ضرور ہے، مگر اکثر وہ حوصلے کا امتحان لیتے ہیں، انسان کا نہیں۔''

''میں پورے حوصلے کے ساتھ امتحان دوں گی۔ ہر قیمت پر اللہ تعالیٰ سے وفاداری اور صبر پر قائم رہوں گی۔ عبداللہ میرے ساتھ جو بھی زیادتی کرے، کم از کم بندگی کی زندگی گزارنے سے تو نہیں روکے گا۔ میرے لیے بس یہی کافی ہے۔''

ناعمہ انہی سوچوں میں غرق تھی کہ کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر وہ تھوڑا سا جھجکی اور پھر سر اٹھا کر عبداللہ کو دیکھا۔

....

عبداللہ نے کمرہ کا دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ مگر وہ دروازہ نہیں کھول سکا۔ اسے لگا کہ اس کا دایاں ہاتھ شل ہو گیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی دلہن کے کمرے کا دروازہ نہیں کھول رہا۔ اپنی بربادی کا دروازہ آپ کھولنے جارہا ہے۔

اس کے شل وجود کے اندر سے ایک آواز آئی:

''عبداللہ حماقت مت کرو! کیوں اپنی زندگی سے کھیل رہے ہو؟ کیوں اپنا سب کچھ ایک ایسی لڑکی پر لٹانے جارہے ہو جس نے تمھیں سوائے دکھ کے کچھ نہیں دینا۔ جو تم سے نفرت کرتی ہے اور اِس نفرت کے سوا اُس کے پاس تمھارے لیے کچھ نہیں۔''

عبداللہ کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلا:

''لا الہ الا اللہ۔''

ان الفاظ نے اس میں کچھ طاقت پیدا کی۔ کم از کم اتنی طاقت کہ وہ اپنی آنکھیں بند کرنے

کے قابل ہو گیا۔اس کی آنکھیں پہلے ہی آنسوؤں سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ بند ہوتی آنکھیں یہ بوجھ نہ اٹھا سکیں۔ دو قطرے اس کی آنکھوں سے نکلے اور رخساروں پر پھیل گئے۔عبداللہ کو یوں لگا کہ بہتے قطروں نے دل کے بوجھ کو کچھ کم کر دیا ہے۔اس نے رخسار سے نمی صاف کی۔ پھر ایک گہرا سانس لے کر آخر کار اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔دروازہ دھیرے سے کھلا اور وہ آہستگی سے چلتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ ناعمہ جو سر جھکائے بیٹھی تھی دروازہ کھلنے کی کی آواز سن کر تھوڑا سا جھجکی اور پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اسے دیکھ کر ایک لمحے کو عبداللہ کو یوں لگا جیسے کمرہ عجیب سی روشنی سے جگمگا اٹھا ہے۔اس نے ناعمہ کو کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا تھا۔اور جتنا دیکھا وہ بھی بہت سادہ دیکھا تھا۔مگر اس وقت دلہن کے سنگھار میں ناعمہ کے حسن نے کائنات کی ہر دلکشی کو ماند کر دیا تھا۔سرخ جوڑے میں سجی ناعمہ اپنے دلربا حسن کے لیے رنگ و روپ کی محتاج تو کبھی نہ تھی، مگر آج جب اس کے وجود نے سج دھج کا احسان اٹھایا تو دلکشی و رعنائی کو ایسے معنی عطا کر دیے تھے جن سے کم ہی لوگ واقف ہوں گے۔ لمحہ بھر کے لیے عبداللہ اس سحر انگیز چہرے کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔اس ایک لمحے میں اسے یوں لگا کہ اس نے جو کچھ ارادے باندھے اور فیصلے کیے تھے وہ ہوا میں کہیں تحلیل ہو چکے ہیں۔ اسے کہیں سے آواز آئی:

”عبداللہ! بے وقوف مت بنو۔قسمت نے ایک انتہائی حسین لڑکی کو جو تمھیں دل سے پسند ہے، تمھاری بیوی بنا دیا ہے۔ قانون، شریعت اور سماج سب تمھارے ساتھ ہیں۔قربانی اور ایثار کے اعلیٰ جذبات کو ایک کونے میں رکھو اور سب کچھ بھول کر خواہش کے سمندر میں ڈوب جاؤ۔“

اس کے ضمیر نے فوراً مداخلت کی:

”عبداللہ! کیا اپنے مالک کو بھی بھول جاؤ گے؟“

شیطان نے دیکھا کہ خواہش عبداللہ کا راستہ نہیں روک پا رہی تو اس نے غضب اور تکبر کے

ہتھیاروں سے اسے گھائل کرنے کی کوشش کی:

''بھول گئے عبداللہ! یہ وہی لڑکی ہے جس نے تمھیں ذلیل کیا تھا۔ تمھیں ٹھکرادیا تھا۔ اب یہ کیا حماقت ہے کہ اپنا سب کچھ اس لڑکی کو دے کر اسے آزاد کررہے ہو۔ تم خدا کے محبوب ہو اور اس نے تمھارے لیے اس لڑکی کو تمھارے قدموں میں لا ڈالا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اس مغرور اور سرکش لڑکی کو اس کے تکبر کا مزہ چکھاؤ۔''

عبداللہ کی روح شکست قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی۔ وہ چلا اٹھی:

''مت بھولو عبداللہ! کمزور انسان خدا کا سفیر ہوتا ہے۔ یہ کمزور اور بے بس لڑکی خدا کی سفیر بن کر تمھاری زندگی میں آئی ہے۔ یاد رکھو جتنی مجبور یہ لڑکی تمھارے سامنے ہے، اس سے ہزاروں گنا کمزور تم اپنے آقا اللہ رب العالمین کے سامنے ہو۔''

عبداللہ اندھیری راہوں کا مسافر تھا۔ مگر اس مسافرِ شب کے سامنے جیسے ہی اللہ کا نام آیا دل کی اندھیر ہوتی دنیا پھر روشن ہوگئی۔ اب وہ خوشیوں کی روشنی کے لیے ناعمہ کے روشن چہرے کا محتاج نہیں رہا تھا۔ آسمان و زمین کا وہ نور جو زندگی بھر اس کے ہر اندھیرے کو اجالے میں بدلتا رہا تھا اس کے ہمرکاب تھا۔ اس کا دل ہمیشہ کی طرح ایک دفعہ پھر روشن ہو چکا تھا۔ اس نے ناعمہ کے دمکتے ہوئے سراپے سے نظریں ہٹا کر سر نیچے کیا اور سلام کر کے مسہری پر بیٹھ گیا۔

دوسری طرف ناعمہ کا وجود پتھرایا ہوا تھا۔ عبداللہ کو دیکھ کر اس کے اندر کوئی احساس بیدار نہیں ہوا۔ اس کے دل کا کوئی تار نہیں چھڑا۔ اس نے خود پر ضبط کرتے ہوئے عبداللہ کے سلام کا جواب دیا اور تھوڑا اسمٹ کر پیچھے ہوگئی۔

عبداللہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ناعمہ کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ ناعمہ کی نظریں بھی جھکی ہوئی تھیں۔ اگر وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ لیتے تو شاید دونوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس لمحے سامنے موجود ہر دو فریق کا چہرہ ایک لاش کی طرح

جذبات سے عاری ہے۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر عبداللہ نے اس خاموشی کو توڑا۔

''مجھے معلوم ہے ناعمہ آپ کن حالات سے گزری ہیں۔ نانا ابو نے مجھے بتایا تو مجھے اپنی خوش نصیبی لگی کہ اس مشکل گھڑی میں آپ کے خاندان کا ساتھ دوں۔''

عبداللہ ناپ تول کر الفاظ کا انتخاب کر رہا تھا۔

''مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔ جہاں آپ کی شادی ہو رہی تھی وہاں لالچ اور دکھاوا آڑے آ گیا۔ مجھے اندازہ ہے کہ آخری وقت میں شادی ختم ہونے سے آپ کو کتنا دکھ ہوا ہوگا۔لیکن اس کے بعد جو ہوا شاید وہ زیادہ بڑی زیادتی ہے۔''

آخری جملہ سن کر ناعمہ نے سر اٹھا کر عبداللہ کو دیکھا،مگر عبداللہ اس کے ہونے نہ ہونے سے بے نیاز سر جھکائے بیٹھا تھا۔اس نے بھی سر جھکا لیا۔عبداللہ بولتا رہا:

''ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنا جو ناپسند ہو بلکہ جس سے نفرت ہو ایک بہت مشکل فیصلہ ہے،لیکن آپ نے اپنے نانا اور والدہ کے لیے یہ فیصلہ کیا،اس سے میرے دل میں آپ کے لیے بہت جگہ بنی ہے۔''

ناعمہ ایک سرد لاش کی طرح ساکت رہی۔مگر دل میں کہیں یہ احساس ابھرا کہ عبداللہ ایسا نہیں تھا جیسا اس نے سمجھا تھا۔

''فاریہ نے آپ کے حوالے سے مجھ سے بات کی تھی۔اس نے بتایا تھا کہ آپ کو میرا اپنے گھر آنا پسند نہیں۔اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ میرے رشتے سے آپ پہلے دن ہی انکار کر چکی تھیں۔''

عبداللہ ایک لمحے کے لیے رکا اور ناعمہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔وہ بے تعلقی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔اس نے گفتگو جاری رکھی:

''مجھے اس پر آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ نہ یہ بات میں شکایتاً کہہ رہا ہوں۔ مجھے تو

آپ کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ آپ نے اپنے خاندان کے لیے ایک ایسا فیصلہ کیا جو آپ کو پسند نہیں تھا اور آپ نے یہ فیصلہ اس وقت کیا جب میرے پاس آپ کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا۔ میری جاب ختم ہو چکی ہے۔''

عبداللہ تھوڑی دیر کے لیے رکا اور پھر گویا ہوا:

''سچی بات یہ ہے کہ آج میں جس راستے پر ہوں اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ کے انکار نے میرے لیے زندگی کے بہت بڑے فیصلے بہت آسان کر دیے۔ خدا کی قربت کا جو سفر ہزاروں برس میں بھی طے نہیں ہو سکتا وہ آپ کے انکار نے چند لمحوں میں طے کرا دیا۔ اس لیے آپ کی قدر میرے دل میں بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن میں نہیں چاہتا کہ اپنی محسنہ اور ایسی بہادر اور حوصلہ مند لڑکی کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی ہونے دوں۔''

ایک لمحے کا وقفہ آیا۔ ناعمہ گنگ ہو چکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے اور کیا نہ بولے۔ خاموشی کے اس وقفے میں عبداللہ نے اپنے لباس کی جیب سے کچھ کاغذات نکالے۔ ناعمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

''یہ آپ کے مکان کے کاغذات ہیں، یہ مکان اب آپ کے نام ہو جائے گا۔ آپ کی وجہ سے آپ کے نانا کو اسے گروی رکھ کر قرض لینا پڑا تھا۔ میں نے وہ قرض ادا کر دیا، نانا ابو نے مکان مجھے دے دیا جو بطور مہر میں آپ کو دے رہا ہوں۔ اس طرح آپ اپنے نانا اور والدہ کی نظر میں سرخرو ہو جائیں گی۔ یہ میرا آپ پر کوئی احسان نہیں بلکہ آپ کا مہر ہے جو آپ کا حق ہے۔''

ناعمہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اسے محسوس ہوا کہ نفرت کے وہ سانپ جو اسے ڈس رہے تھے، کہیں بھاگ چکے ہیں۔ اسے یاد آیا ایسے ہی ایک سانپ نے قابیل میں نفرت کا زہر انڈھیلا تھا۔ اس کے دل سے ایک آہ نکلی:

''کاش میں اس سانپ کو پہلے دیکھ سکتی تو اس کا پھن کچل دیتی۔''

وہ انہیں خیالوں میں گم تھی کہ عبداللہ ایک اور کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

''یہ آپ کی آزادی کا پروانہ ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کسی کے احسان میں زندہ رہیں اور اپنی زندگی مجبوری کے عالم میں اس شخص کے ساتھ گزاریں جس کے ساتھ آپ رہنا ہی نہیں چاہتیں۔ یہ طلاق کے کاغذات میں نے تیار کر لیے ہیں۔ ان پر میرے دستخط اور تاریخ کی جگہ خالی ہے۔ شادی کے بعد کے کچھ ابتدائی دن گزر جائیں تو ان پیپرز پر تاریخ ڈال کر مجھے دے دیجیے گا۔ میں دستخط کر دوں گا۔''

ناعمہ سن ہو چکی تھی۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ عبداللہ اس جگہ کھڑا ہوگا۔ اسے بے اختیار حضرت موسیٰ یاد آ گئے۔ دو بے آسرا لڑکیوں پر یک طرفہ طور پر احسان کر کے بے نیاز ہو جانے والے موسیٰ۔ اس نے دھیرے سے عبداللہ کو دیکھا۔

خدا سے لو لگا کر انسانوں سے بے نیاز ہو جانے والا کردار جو پیغمبروں کا خاصہ ہوتا ہے، عبداللہ اس کا ایک عکس بن کر اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دل سے صدا ابھری:

''پروردگار مجھے معاف کر دے۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے تیرے ایک نیک بندے کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔''

پھر اس نے ندامت کے عالم میں سر جھکا لیا اور دل میں گڑگڑا کر بولی:

''مالک! مجھے اصلاح کا ایک موقع دیجیے۔ مجھ پر اپنا کرم فرمائیے۔ آپ ہی میرے کارساز ہیں۔''

وہ اسی کیفیت میں تھی کہ عبداللہ کی آواز ایک دفعہ پھر کانوں سے ٹکرائی۔

''آپ کی ایک امانت میرے پاس ہے۔''

یہ کہہ کر عبداللہ نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کہنے لگا:

''آپ کی شادی کی تیاری کے سلسلے میں آپ کی والدہ اور نانا کو آپ کے خاندانی سنار کے ہاں لے گیا تھا۔ جب وہ لوگ زیورات پسند کر رہے تھے تو میں نے وہاں ایک بہت خوبصورت

لاکٹ دیکھا جس پر آپ کے نام کا پہلا حرف تہجی N بنا ہوا تھا۔ میں نے بعد میں وہ آپ کی شادی میں تحفہ دینے کے لیے خرید لیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شادی کے موقع پر وہ آپ کے نانا کو دے دوں گا تاکہ وہ آپ تک اسے پہنچا دیں۔ مجھے نہیں خبر تھی کہ مجھے شوہر بن کر وہ لاکٹ آپ کو براہ راست دینا پڑے گا۔ اسے آپ اپنی منہ دکھائی کا تحفہ سمجھ لیجیے۔''

یہ کہہ کر عبداللہ نے جیب سے ہاتھ باہر نکالا اور ناعمہ کے ہاتھ پر وہی لاکٹ رکھ دیا جو اسے بہت پسند تھا اور اس نے غریب عورت کی مدد کے لیے بیچ ڈالا تھا۔

ناعمہ وہ لاکٹ ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھی اور اس کے دل و دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اسے عصر کے الفاظ یاد آ گئے:

''جس وقت یہ لاکٹ تمھیں ملے گا، اُسی وقت تمھاری ملاقات اُس شخص سے ہو جائے گی۔ تم بغیر کسی شک کے اسے پہچان لو گی۔''

......تو عصر نے جس شخص کا قالب اختیار کیا تھا......جس یونانی دیوتا کے لافانی حسن کی وہ اسیر ہو چکی تھی...... جو شخص خدا کا غلام اور خدا کا محبوب تھا، وہ یہی عبداللہ ہے...... جو خدا کی نظر میں ایک سردار تھا، مگر وہ اس سے ہمیشہ بھاگتی رہی، نفرت کرتی رہی......۔

ناعمہ کا پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ عبداللہ اس کی کیفیت سے بے نیاز سر جھکائے بیٹھا تھا۔ پھر وہ بستر سے اترا اور کھڑے ہو کر بولا:

''آپ جب چاہیں طلاق لے کر علیحدہ ہو جائیں۔ تب تک ہم اجنبیوں کی طرح زندگی گزار لیں گے۔ مجھ پر اعتماد کیجیے۔ مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ آپ کو ایک بہترین انسان سے ملا ہی دیں گے۔ اب میں کپڑے بدل کر لیٹوں گا۔ آپ بھی آرام کیجیے۔''

یہ کہہ کر وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ ناعمہ کا دل چاہا کہ وہ چیخ کر اسے روک دے۔ مگر اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔

ناعمہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ خدا کتنی عجیب ہستی ہے۔ پہلے وہ خدا سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے عجیب طریقے سے ناعمہ کے دل میں اپنی محبت داخل کردی۔ وہ سب سے بڑھ کر خدا کو چاہنے لگی۔ پھر وہ خدا کے اس بندے عبداللہ سے نفرت کرنے لگی۔ خدا نے بہت عجیب طریقے سے عبداللہ کو اس کا محبوب بنا دیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے دھیرے سے کہا:

''پروردگار تو اپنی مہربانیوں سے اپنے بندوں کو اپنے قدموں کی خاک بنا دیتا ہے۔''

پھر اس کے دل کی گہرائیوں سے صدا نکلی:

''رب کائنات! تیرے جیسا کون ہے؟''

ناعمہ کے دل میں سکون کی ایک لہر سرائیت کرتی چلی گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کے آتشیں رخسار خوشی سے دمک رہے تھے۔ جھیل جیسی آنکھوں میں محبت کی جگمگاہٹ تھی اور گلاب جیسے لبوں پر زندگی کی بھرپور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لاکٹ کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی اور پھر بولی:

''ایک گنہگار پر اتنی عنایات۔ مالک تیرے جیسا مہربان کون ہے؟ تیرے جیسا رحیم کون ہے؟''

اس نے دل میں سوچا:

پروردگار عالم اُس جیسی ''کافرہ'' کے ساتھ اتنے مہربان رہے ہیں تو اپنے وفاداروں کو کس طرح نوازیں گے؟ بے اختیار اس کی نظر میں وہ قالب آ گیا جو عصر نے اختیار کیا تھا اور جو دراصل اس کے شوہر سردار عبداللہ کا قالب تھا۔ اس نے اس قالب کو نظر میں لاتے ہوئے کہا:

''وفاداروں کو وہ ایسے نوازیں گے۔''

وہ اسی کیفیت میں تھی کہ عبداللہ کپڑے بدل کر باہر آیا اور خاموشی سے بستر کے دوسرے کنارے پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ کمرے میں پھیلی روشنی اسے اندھیروں سے زیادہ تاریک لگ رہی تھی۔

تاریکی پھیلاتی ہوئی اس روشنی سے بچنے کے لیے اس نے اپنا رومال اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

ناعمہ نے اپنا رخ عبداللہ کی طرف کرلیا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ عبداللہ کے چہرے میں اطمینان تھا، مگر ناعمہ دیکھ سکتی تھی کہ اداسی کی ایک لہر عبداللہ کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ناعمہ تڑپ اٹھی۔ اس نے اپنے محسن، اپنے خاندان کے محسن، خدا کے ایک محبوب کو کتنے دکھ دیے ہیں......اس شخص کو جواب اس کا بھی محبوب بن چکا تھا۔

دوسری طرف عبداللہ خاموشی سے لیٹا سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دلی طور پر اب بہت مطمئن تھا۔ اس نے اپنے ذمہ داری ممکنہ حد تک بہتر طریقے پر ادا کر دی تھی۔ اسے امید تھی کہ اسماعیل صاحب کی فیملی اور ناعمہ بہتر طریقے پر اس صورتحال سے نکل جائیں گے۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ اسے اپنے پیروں پر ایک بہت نرم لمس محسوس ہوا۔ اس نے رومال آنکھوں سے ہٹایا تو ایک انتہائی غیر متوقع منظر دیکھا۔

ناعمہ اس کے قدموں کو چوم کر خاموشی سے رو رہی ہے۔ وہ ایک دم سے اچھل کر بیٹھ گیا اور پریشانی کے عالم میں بولا:

''یہ کیا کر رہی ہو؟''

ناعمہ روتے ہوئے بولی:

''عبداللہ! میں بہت بری ہوں۔ میری غلطیاں بھی بہت ہیں۔ لیکن اب میں بدل چکی ہوں۔ میں اللہ کے راستے پر چلنا چاہتی ہوں۔ آپ اگر مجھے چھوڑ دیں گے تو میں اکیلے کبھی نہیں چل سکوں گی۔ مجھے آپ کا سہارا چاہیے۔ اللہ کے واسطے مجھے نہ چھوڑیں۔ میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھے نہ چھوڑیں۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر عبداللہ کے سامنے کر دیے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

عبداللہ کو لمحہ بھر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر اس نے ناعمہ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر کہا۔

''ناعمہ پلیز خاموش ہو جاؤ...... پلیز......''، پھر سائڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی بھر کر اسے پلاتے ہوئے بولا:

''میں تو صرف تمھاری خوشی چاہتا تھا۔''

''اب تو آپ ہی میری خوشی بن گئے ہیں۔ مجھے اقرار ہے کہ میں ایک وقت میں آپ سے نفرت کرتی تھی۔ مگر اب میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ مجھے آپ سے زیادہ اس دنیا میں کوئی محبوب نہیں رہا۔''

عبداللہ نے ناعمہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بظاہر خاموشی سے ناعمہ کو دیکھ رہا تھا، مگر درحقیقت اس کی نگاہوں میں کسی اور کی ہستی تھی۔ وہ جو اپنی ذات میں بہت اجنبی مگر صفات میں بہت مہربان ہے۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے ایک صدا نکلی:

''پروردگار! تیری مانند کون ہے؟ تیرے جیسا کون ہے؟''

ناعمہ جس کے آنسو اب تھم چکے تھے، اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بہت محبت سے بولی:

''آپ کو نہیں معلوم آپ کتنے اچھے اور کتنے خوبصورت ہیں۔''

عبداللہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔، وہ لطیف انداز میں بولا:

''میں تمھارا مسئلہ سمجھ سکتا ہوں۔ دلہن بنتے وقت تم نے اپنا چشمہ نہیں لگایا۔''

ناعمہ بھی ہنسنے لگی۔

''میری نظر اتنی کمزور نہیں ہے۔ لیکن آپ کو نہیں معلوم...... جو لوگ اللہ کی نظر میں بہت اچھے ہوتے ہیں، جنت میں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو بے حد حسین قالب سے نوازیں گے۔''

''مجھے معلوم ہے، مگر میرا خیال ہے کہ تم جنت میں جانے کے بعد بھی ایسی ہی رہو گی۔''

عبداللہ کی اس بات پر ناعمہ ہنستے ہنستے رک گئی۔ اس کے چہرے پر ایک افسردگی چھا گئی۔ وہ

اداس لہجے میں بولی:

''مجھے معلوم ہے، میں اچھی نہیں ہوں۔''

عبداللہ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے بولا:

''یہ بات نہیں۔ دراصل تم اتنی خوبصورت ہو کہ سمجھ نہیں آتا تم جنت میں جا کر اور حسین کیسے ہوگی؟

نائمہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔

....

شام کا وقت ہو رہا تھا۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ کبھی کبھی ان پرندوں کی چہچہاہٹ اس سکوت کو توڑ ڈالتی تھی جو فضا میں ہر طرف چھایا ہوا تھا۔ آسمان ابھی برس کر کچھ خاموش ہوا تھا۔ سورج بادلوں کی فوج سے شکست کھا کر مغرب کی سمت فرار ہو رہا تھا۔ اس کی سمٹتی روشنی ایک طرف زمین کے ماحول کو خوابناک بنا رہی تھی اور دوسری طرف آسمان میں قوس وقزح کے بکھرے رنگوں کی صورت یہ پیغام دے رہی تھی کہ روشنی شکست کھا کر بھی بہت حسین ہی رہتی ہے۔

یہ منظر کہیں بھی ہوتا روح کے تار چھیڑ دیتا، مگر آسمان کو چھوتے ان پہاڑوں کے درمیان اس منظر کو دیکھنے کا لطف ہی کچھ اور تھا۔ شادی کے دو ہفتے بعد عبداللہ اور نائمہ ایک بلند ہل اسٹیشن پر کھڑے فطرت کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ مصور کائنات کا فن ہر سو جلوہ گر تھا۔ کہیں سائے اور روشنی میں، کہیں پستی و بلندی میں، کہیں سکوت و گویائی میں اور کہیں ٹھہراؤ اور روانی میں۔ فلک بوس پہاڑ کہیں بلند قامت درختوں کا زیور پہنے گہرے سبز نظر آ رہے تھے تو کہیں تازہ گھاس کی نکھری ہوئی ہلکی سبز رنگ کی قبا اوڑھے ہوئے تھے۔ کہیں سنگلاخ چٹانیں برف کا سفید لباس اتار کر خاک کا فطری لباس آراستہ کر چکی تھیں تو کہیں چوٹیاں برف کی شفاف ململ پہنے حسن سادہ کی بے مثل تصویر بنی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی سورج بادلوں کے دامن سے نکل کر انہیں اپنی کرنوں سے

منور کرتا تو لگتا کہ برف چاندی کے قالب میں ڈھل چکی ہے۔

حسن کے یہ مظاہر بلندی کا حصہ ہی نہیں تھے۔ دھرتی کا نشیب بھی مصور کی فنکاری کا شاہکار تھا۔ پہاڑی دریا نہ جانے کتنی دور سے سفر کرتا لہراتا بل کھاتا چلا آرہا تھا۔ مگر اس کے جوش میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ جگہ جگہ بہنے والے پہاڑی جھرنے، آبشاریں اور چشمے بہتے، پھسلتے، اچھلتے ملن کی خواہش میں نشیب کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے۔ ان کے ملنے سے اس کی روانی اور جوش اور بڑھ جاتا۔ بلند اور ٹھہرے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں نشیب کی سمت بہتے پانی کا حسن ناقابل تصور حد تک حسین تھا۔ سبزہ خود کئی رنگ کا تھا، مگر پھر بھی شوق تنوع میں وہ پھولوں کی صورت ہزار رنگ میں ڈھل چکا تھا۔ یہ بے آمیز رنگ اس بات کے گواہ تھے کہ حسن بے پرواسادہ ہو تو تب بھی خوب ہے، مگر رنگوں میں ظاہر ہو جائے تو اس کی خوبی کا کیا کہنا۔

عبداللہ بہت دیر سے ساکن کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ فطرت کی اس تصویر کے ذریعے سے مصور سے ہم کلام تھا۔ اس کی خاموش نگاہیں اس کے بہتے ہوئے جھرنے یہ بتا رہے تھے کہ یہ گفتگو یکطرفہ نہیں۔ سرچشمہ فیض کی عطا اس کے دل کی بستی پر برس کر آنکھوں کے چشموں سے پھوٹ رہی تھی۔ مصور کو اس کی پروا نہیں تھی کہ اسے داد ملے۔ وہ سدا کا بے نیاز ہے۔ مگر جب کوئی صاحب ذوق نغمہ حمد سے اسے آفرین کہتا ہے تو وہ ضرور جواب دیتا ہے۔ پھر دل کے اندھیرے میں محبت کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ آنکھیں محبت کے شعلوں کی تاب نہ لا کر پگھل جاتی اور آنسوؤں کی بارش دریا کی مانند بہنے لگتی ہے۔ ایسے میں چاروں طرف پھیلے انگنت نورانی وجود اس خاکی وجود کو رشک سے دیکھنے جمع ہو جاتے ہیں۔ آدم کے سامنے سجدہ کرنے والے ایک دفعہ پھر ابن آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

....

خاکی و نوری کی دید و شنید سے بے خبر ناعمہ فطرت کے ان حسین نظاروں سے لطف اندوز

ہو رہی تھی۔ جب بہت دیر تک خاموشی چھائی رہی تو آخر کار اس نے سناٹے کو توڑا:

''سنیے! یہ سب کتنا اچھا لگ رہا ہے۔''

عبداللہ خاموش رہا۔ ناعمہ پھر بولی:

''ہم انشاءاللہ عمرہ کرنے جائیں گے۔''

''اس میں پیسے بہت لگتے ہیں۔''

اس دفعہ عبداللہ نے مختصر جواب دیا۔ صاف لگتا تھا کہ وہ گفتگو سے بچنا چاہ رہا ہے۔

''میں نے نانا ابو سے بات کرلی ہے۔ شادی میں ہمارے جو پیسے ضائع ہونے سے بچ گئے تھے، ہم ان کو استعمال کرلیں گے۔ دراصل......''

ناعمہ اپنے اس شوق کی وضاحت کرتے ہوئے بولی:

''پہلے میں سمجھتی تھی کہ یہ زیارت کا ایک سفر ہے جس میں پیسے ضائع ہوتے ہیں۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا نام ہے۔ اللہ سے ملاقات سے زیادہ قیمتی تو کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔''

پھر وہ عبداللہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولی:

''جنت میں تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی نا۔''

عبداللہ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اب ناعمہ خاموش ہوگی نہ اسے رہنے دے گی۔ اسے فطرت سے اپنے مکالمے کو ختم کر کے اپنی بیوی سے گفتگو کرنا ہوگی۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا:

''اگر پہنچ گئے تو یقیناً اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی۔''

''ہاں یہ تو ہے، مگر وہاں جا کر ہم کریں گے کیا۔ کیا جنت میں ہم بور نہیں ہو جائیں گے۔ دیکھیے نا یہ کتنی اچھی جگہ ہے۔ ہم ہنی مون پر ہیں۔ پھر بھی زیادہ دن یہاں رہیں تو بور ہو جائیں گے۔''

''ایک فلسفی حسینہ کے ساتھ شادی کرنے کا یہ بہت نقصان ہے۔ تم سوال بہت کرتی ہو۔''

یہ کہتے ہوئے عبداللہ کی مسکراہٹ ہنسی میں بدل چکی تھی۔ ناعمہ بھی مسکرا کر بولی:

''تو مان لیجیے نا آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔''

''ہاں میرے پاس جواب نہیں ہے۔ مگر میں جس سے پاتا ہوں اس کے پاس ہر سوال کا جواب ہے۔ یہ بتاؤ انسان بور کیوں ہوتے ہیں؟''

ناعمہ سوچتے ہوئے بولی:

''یکسانیت سے۔''، ناعمہ کی بات پر عبداللہ نے سر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا:

''قرآن مجید بتاتا ہے کہ جنت میں یکسانیت نہیں ہوگی۔ لوگوں کو جو نعمت ملے گی ہر دفعہ ایک نئے تنوع اور نئے انداز سے ملے گی۔ یہ اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات لامحدود ہیں۔ وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتیں نہ احاطے میں آسکتی ہیں۔ اس لیے ان کی ہر تخلیق پچھلی سے نئی اور منفرد ہوگی۔''

''یہ تو جنت کی بات ہے نا۔ ہم اس کو دنیا میں رہ کر کیسے سمجھ سکتے ہیں؟''

ناعمہ اس الجھن سے باہر نہیں آپا رہی تھی۔ یہ اس کا ایک پرانا سوال تھا اور آج جب اس کی زندگی جنت بن چکی تھی وہ آنے والی جنت کی حقیقت اس شخص سے سمجھ لینا چاہتی تھی...... جنت جس کا تجربہ تھی۔ عبداللہ نے بھی اسے تفصیل سے سمجھانے کا فیصلہ کرلیا:

''اللہ تعالیٰ کی صفات کس طرح کام کرتی ہیں اور کس طرح وہ بڑھتی چلی جاتی ہیں اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ انسان اس دنیا میں آنے سے قبل نو مہینے ایک ایسی دنیا میں زندہ رہتا، بڑھتا، خوراک حاصل کرتا اور زندگی کے دیگر بنیادی کام کرتا ہے جہاں سوائے اندھیرے کے کچھ نہیں ہوتا۔ اس اندھیری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلاقیت اور ربوبیت کارفرما ہوتی ہیں۔ لیکن یہی بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو اس کی خوراک ہی میں متعدد قسم کے ذائقے اور ان گنت اشیا شامل ہوجاتی ہیں۔ یہی معاملہ اس اندھیرے کا ہے جسے رنگ و روشنی کے ہزار انداز بدل دیتے ہیں۔''

ناعمہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلانے لگی۔ عبداللہ نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

''تم نے دیکھا کہ خدا وہی ہے۔ اس کی صفات بھی وہیں ہیں۔ مگر ماں کے پیٹ میں ان کا

ظہور بچے کی صلاحیت کے اعتبار سے بہت محدود تھا۔ مگر اِس دنیا میں آتے ہی اس صفات کے ہزاروں نئے ظہور سامنے آ گئے۔ ٹھیک اسی طرح جنت میں جاتے ہی جو نئی دنیا بنے گی اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات اس طرح ظہور کریں گی کہ ہمیشہ ہمیشہ انسان لذت، سرور، لطف کے نت نئے ذائقے چکھتا رہے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات لامحدود ہیں۔''

''سبحان اللہ!''

ناعمہ اپنے سوال کا جواب ملنے پر خوش ہو کر بولی۔ مگر ایک اور الجھن ابھی باقی تھی۔ اس نے وہ بھی سامنے رکھ دی۔

''مگر انسان ہمیشہ ہمیشہ کریں گے کیا؟''

انسان اپنی لامحدود زندگی میں اپنے مالک کی لامحدود صفات کو دریافت کر کے اس کی حمد و تسبیح کریں گے۔

''وہ کیسے؟''

ناعمہ نے اشتیاق سے پوچھا:

''اس بات کو انسانیت کے اجتماعی ارتقا سے سمجھو۔ کیونکہ انسانیت اجتماعی طور پر یہ تجربہ کر چکی ہے کہ کس طرح یہ محدود دنیا خدا کی صفات کاملہ کی بنا پر لامحدود امکانات رکھتی ہے۔ تم جانتی ہو کہ انسان نے اپنے سفر حیات کا آغاز پتھر کے دور سے کیا تھا۔ پھر زراعتی دور آیا۔ اس کے بعد صنعتی دور آیا اور اب انفارمیشن ایج ہے۔ ہر دور میں انسان نے اسی محدود دنیا میں رہتے ہوئے زندگی بہتر بنانے اور اس میں حسن و جمال لانے کے نت نئے امکانات کو دریافت کیا اور دنیا کو بہتر سے بہتر بناتے چلے گئے۔ تم زرعی دور کے کسی شخص کا تصور کرو تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آنے والے ادوار میں اسی دنیا میں رہتے ہوئے کیا انقلاب آئے گا۔ جب اس محدود دنیا کے مختلف زمانوں کا یہ حال ہے تو جنت کی اُس دنیا کا کیا حال ہو گا جسے اللہ تعالیٰ اپنی تمام صفات کے ظہور کے

لیے بنائیں گے۔انہی صفات کے ظہور کی بنا پر جنت میں اہل ایمان دریافت و تعمیر کی اعلیٰ ترین سطح پر زندگی گزاریں گے۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ خوبصورتی، جمال اور سرور کو تخلیق کرنے میں مصروف رہیں گے، مگر آج کے انسانوں کی طرح ان امکانات کو تخلیق کرنے والی ہستی کو نہیں بھولیں گے بلکہ ہر دریافت پر اس کی تسبیح اور ہر نعمت پر اس کا شکر کریں گے۔ مختصر یہ کہ وہاں ہر کام لطف حاصل کرنے کے لیے ہوگا اور ہر کام کے ساتھ اللہ کی حمد و تسبیح جاری رہے گی۔''

عبداللہ کی بات سن کر ناعمہ کے چہرے پر اطمینان کے آثار پھیل گئے۔ وہ آنکھیں بند کر کے بولی:

''میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ میری شادی آپ کے ساتھ ہوئی ہے۔''

''ناعمہ! خوش نصیبی کسی سے شادی ہو جانا نہیں۔ خوش نصیبی رب العالمین کا پسندیدہ بندہ بننا ہے۔ ہم سب انسان اس کائنات کی خوش نصیب ترین مخلوق ہیں۔ یہ کائنات چودہ ارب سال قبل اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی۔ یہ کائنات اتنی بڑی ہے کہ کھربوں ستارے اور سیارے بھی اس کے سامنے لاکھوں درختوں کے جنگل میں ایک پتے کی طرح ہیں۔ پروردگار عالم اپنی کسی ایک مخلوق کو اس بے کراں کائنات کا بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی عنایت کہ انہوں نے ہم انسانوں کو اس عظیم موقع کے لیے چنا۔ ناعمہ! ہم خوش نصیب ہیں کہ مجھے اور تمہیں بلکہ ہر انسان کو یہ موقع ملا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ چودہ ارب سال میں ہمیں یہ موقع پہلی اور آخری دفعہ ملا ہے۔ ایک دفعہ ہم نے اسے گنوا دیا تو کبھی اور کسی صورت یہ موقع دوبارہ نہیں دیا جائے گا۔''

عبداللہ سحر انگیز انداز میں بول رہا تھا اور ناعمہ دل میں اترتے اس کے ہر ہر لفظ کو ذہن نشین کر رہی تھی۔

''اس موقع میں سے آدھی زندگی ہم ضائع کر چکے ہیں۔ باقی کا بھی کچھ بھروسہ نہیں۔ دیکھو یہ زندگی...... یہ عظیم موقع...... پہلا اور آخری چانس ضائع نہ ہو جائے۔''

''میرے خواب بتاتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوگا۔''

ناعمہ نے عبداللہ کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''ناعمہ! وقت ہر خواب بھلا دیتا ہے۔ ہر کتاب بھلا دیتا ہے۔ ہم انسان الفاظ بھول جاتے ہیں۔ عہد بھی بھول جاتے ہیں۔ ہماری یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے۔''

''تو پھر ہم کیا کریں؟''

''جنگ...... ہر لمحے کی جنگ۔ اپنے جذبات و تعصّبات کے خلاف۔ اپنی خواہشات اور جذبات کے خلاف۔ شیطانی ترغیبات کے خلاف۔''

''اور غلطی ہو جائے تو۔''

''توبہ کر کے فوراً خدا کی سمت لوٹ آؤ۔ یہ زندگی نہیں جنگ ہے۔ انسان اور شیطان کے بیچ کی جنگ۔ اس جنگ میں ہم غیر جانبدار رہ سکتے ہیں نہ ہار مان سکتے ہیں۔ یہاں ہار ہی نہیں غیر جانبداری کا مطلب بھی شکست ہے اور شکست کا مطلب جہنم ہے۔ جنت سے محرومی ہے۔''

یہ کہہ کر عبداللہ خاموش ہو گیا۔ ناعمہ بھی چپ تھی۔ اسے عبداللہ کی باتوں سے کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ عجیب سے لہجے میں بولی:

''آپ سچ کہتے ہیں۔ ہماری یادداشت بڑی کمزور ہوتی ہے۔ ہم خواب اور کتاب دونوں بھول جاتے ہیں۔ الفاظ اور عہد سب کو فراموش کر دیتے ہیں۔ میں بھی شادی شدہ زندگی کی خوشیوں میں یہ بھول گئی تھی کہ مجھے گواہی دینی ہے۔ عصر کی قسم کھا کر یہ گواہی دینی ہے...... رسولوں کے زمانے کی قسم کھا کر یہ گواہی دینی ہے کہ سارے انسان خسارے میں ہیں، ایمان لانے والوں کے سوا، عمل صالح کرنے والوں کے سوا، حق کی تلقین اور اس پر صبر کی تاکید کرنے والوں کے سوا۔ یہ ہو گا...... یہ ہو کر رہے گا...... قسم اُس وقت کی...... قسم اُس وقت کی......''

آخری الفاظ کہتے ہوئے ناعمہ کی آواز بھرا گئی۔ اس کے ذہن میں جلیل القدر رسولوں کی

زندگی کے وہ مناظر تازہ ہو رہے تھے جب عالم کے پروردگار کی عدالت دنیا میں لگی تھی اور مجرموں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر اہل ایمان کو زمین کا وارث بنا دیا گیا تھا۔

دوسری طرف عبداللہ ایک اور دنیا میں تھا۔ روز حشر، جہنم اور جنت کے مناظر ایک زندہ حقیقت کے طور پر اس کی نگاہوں کے سامنے موجود تھے۔ انسانوں کی ابدی سزا و جزا کے مناظر۔ وہ دیر تک اسی کیفیت میں رہا پھر کسی درجہ میں احساس ندامت کے ساتھ ڈوبی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

''میں بھی بھول رہا تھا ناعمہ! مگر میرے رب نے مجھے یاد دلایا۔''

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے عبداللہ کی نظروں کے سامنے محرومی کی وہ رات تھی جب اسے معلوم ہوا تھا کہ ناعمہ اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل چکی ہے۔

''تب سے میں یہ بات کبھی نہیں بھولا کہ زندگی اب زندگی نہیں ایک مقدس مشن ہے۔ لوگوں کو غیر اللہ کی بڑائی سے نکال کر ایک اللہ کی بڑائی میں لانے کا مشن۔ جنت کی عظیم ترین کامیابی کی خبر لوگوں تک پہنچانے کا مشن۔ قیامت کے عظیم حادثے سے پہلے لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے کا مشن۔ پیغمبر عربی کے مقدس مشن کو عالمی ہدایت بنانے کا مشن۔ ایک ایک انسان تک پیغمبر آخر الزمان کا پیغام پہنچانے کا مشن۔ کیا تم اس مشن میں میرا ساتھ دو گی؟''

عبداللہ کے سوال کے جواب میں ناعمہ پورے عزم کے ساتھ بولی:

''میں اس مشن میں آپ کے ساتھ ہوں۔ میں ہی نہیں، اللہ سے سچی محبت کرنے والا ہر مرد اور عورت آپ کے ساتھ ہوگا۔ یہ مشن ہم سب کا مشن ہوگا۔ یہ مشن ہم سب کی زندگی ہوگی۔''

ہر طرف ڈوبتی شام کا سکوت طاری تھا۔ وقت کی رفتار شاید ہمیشہ کے لیے ٹھہر گئی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر تک یہ خاموشی رہی۔ پھر ناعمہ نے آسمان پر گہرے ہوتے ہوئے اندھیرے کی طرف دیکھا اور بولی:

’’ہمیں واپس چلنا چاہیے۔کل صبح ہمیں گھر لوٹنا ہے۔زندگی شروع کرنی ہے۔‘‘

عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھتے ہوئے بولا:

’’کل سے ہمیں زندگی نہیں جنگ شروع کرنی ہے۔زندگی تو جنت میں شروع ہوگی۔‘‘

وہ دونوں اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگے۔

....

حرف آخر

محترم قاری

حسب وعدہ ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ آپ کی خدمت میں پہنچ چکا ہے۔ اس دوسرے ناول کی وجہ تصنیف صرف یہ ہے کہ ''جب زندگی شروع ہوگی'' میں آخرت کے احوال کا تفصیلی بیان ہوگیا تھا لیکن استدلال قیامت وہاں زیر بحث نہیں آسکا تھا۔قرآن مجید میں عالم کا پروردگار جس اعتماد کے ساتھ بار بار یہ بات دہراتا ہے کہ ''قیامت آکر رہے گی ،اس میں کوئی شک نہیں''، یہ صرف ایک دعویٰ نہیں بلکہ ایک لازمی حقیقت کا بیان ہے۔ اس دعویٰ کی جو سب سے بڑی دلیل قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے وہ اِس ناول کی شکل میں بالکل واضح ہوکر سامنے آچکی ہے۔

اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم قرآن مجید کے اس بنیادی پیغام اوراس کے دلائل کو سمجھیں اوراُس دن کی تیاری کریں جب باپ اپنی اولاد اور ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو فراموش کر دے گی۔ اِس تیاری کا ایک حصہ اپنے اندراس پاکیزہ شخصیت کی تشکیل ہے جو اللہ کی شدید محبت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے عبارت ہو۔جبکہ دوسرا حصہ پیغام رسالت کو ہر ممکنہ شخص تک پہنچانا ہے۔ یہ ناول اسی ذمہ کو پورا کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔فہم قرآن کی یہ کنجی میرے پاس آپ کی ایک امانت تھی جو میں نے آپ کے سپرد کردی۔اس امید کے ساتھ یہ امانت آپ ایک ذمہ داری سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں گے۔

خیراندیش

ابویحییٰ

abuyahya267@gmail.com

جب زندگی شروع ہوگی

مصنف: ابو یحییٰ
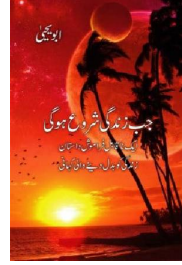
☆ ایک ایسی کتاب جس نے دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا

☆ ایک ایسی تحریر جسے لاکھوں لوگوں نے پڑھا

☆ ایک ایسی تحریر جس نے بہت سی زندگیاں بدل دیں

☆ ایک ایسی تحریر جو اب ایک تحریک بن چکی ہے

☆ آنے والی دنیا اور نئی زندگی کا جامع نقشہ ایک دلچسپ ناول کی شکل میں

☆ ایک ایسی تحریر جو اللہ اور اس کی ملاقات پر آپ کا یقین تازہ کر دے گی

☆ علم و ادب کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف

قسم اُس وقت کی

مصنف: ابو یحییٰ
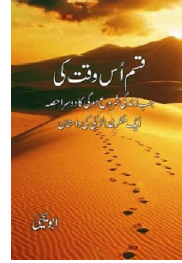
”جب زندگی شروع ہوگی“ سے شروع ہوئی کہانی کا دوسرا حصہ

- ☆ ایک ایسی کتاب جس نے کفر کی طرف بڑھتے کئی قدموں کو تھام لیا
- ☆ ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر جو سچ تلاش کرنے نکلی تھی
- ☆ ایک خدا پرست کی کہانی جس کی زندگی سراپا بندگی تھی
- ☆ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور روز قیامت کا نا قابل تردید ثبوت
- ☆ رسولوں کی صداقت کا نشان دور رسالت کی زندہ داستان
- ☆ کفر والحاد کے ہر سوال کا جواب ہر شبہے کا ازالہ
- ☆ ایک ایسی کتاب جو آپ کے ایمان کو یقین میں بدل دے گی
- ☆ ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

آخری جنگ

مصنف: ابو یحییٰ
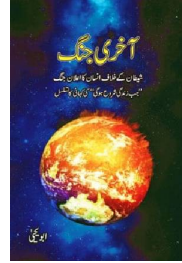
''جب زندگی شروع ہوگی'' سے شروع ہوئی کہانی کا تیسرا حصہ

☆ جب زندگی شروع ہوگی کی کہانی کا دلچسپ تسلسل
☆ شیطان اور انسان کی ازلی جنگ کا آخری معرکہ
☆ شیطانی طاقتوں کے طریقہ واردات کا دلچسپ بیان
☆ شیطان کے حملوں کو ناکام بنانے کے موثر طریقے
☆ مسلمانوں کے عروج کا وہ راستہ جو قرآن مجید بتاتا ہے
☆ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کامیابی کا حقیقی راستہ
☆ تاریخ کے وہ اسباق جو مسلمان بھول چکے ہیں
☆ یہ سب کچھ عبداللہ اور ناعمہ کی داستان کی شکل میں پڑھیے

خدا بول رہا ہے

مصنف: ابویحییٰ
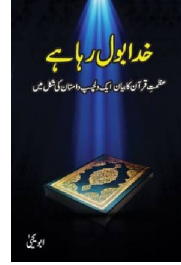
''جب زندگی شروع ہوگی'' سے شروع ہوئی کہانی کا چوتھا حصہ

☆ ''جب زندگی شروع ہوگی'' کی کہانی کا ایک نیا پہلو

☆ جنت میں عبداللہ کی اپنے والدین سے ملاقات کی روداد

☆ عظمتِ قرآن کا بیان، ایک منفرد ناول کی شکل میں

☆ ایک باوفا شخص کے اوراق حیات جس کی دنیا لٹ گئی تھی

☆ ایک نوعمر لڑکی کی داستان جو دنیا کو اپنی جنت بنانا چاہتی تھی

☆ قرآن کی تاثیر کا بیان جس نے ان دونوں کی زندگیاں بدل کر رکھ دیں

☆ قرآن کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھانے کا انوکھا انداز

☆ وہ کہانی جس کا اختتام جانتے ہوئے بھی آپ اسے ختم کیے بنا نہیں رہ سکتے

☆ ایک اچھوتے اور منفرد انداز میں قرآن مجید کا تعارف

قرآن کا مطلوب انسان

مصنف: ابو یحییٰ
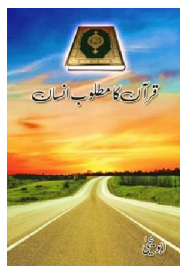
- ☆ قرآن مجید پر مبنی اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام
- ☆ اللہ تعالیٰ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں
- ☆ وہ کن لوگوں کو جنت عطا کریں گے
- ☆ کون سے اعمال انہیں ناراض کر دیتے ہیں
- ☆ ان کی پسند اور ناپسند کا راستہ کیا ہے
- ☆ اللہ تعالیٰ کی مرضی ان کے اپنے الفاظ میں جاننے کا منفرد ذریعہ
- ☆ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین اخلاق نبوی کا قرآنی نمونہ
- ☆ ابو یحییٰ کی ایک منفرد تصنیف

تیسری روشنی

مصنف: ابویحییٰ
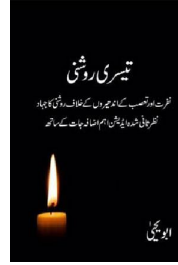
☆ ابویحییٰ کی داستان حیات ۔ تلاش حق کی سچی کہانی

☆ نفرت اور تعصب کے اندھیروں کے خلاف روشنی کا جہاد

☆ جب زندگی شروع ہوگی کے حوالے سے اٹھائے گئے اہم سوالات کا جواب

☆ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے رویوں کا تفصیلی بیان

☆ امت مسلمہ کے اتحاد کا جذبہ رکھنے والوں کے لیے ایک رہنما تصنیف

☆ ابویحییٰ کی ایک اور منفرد تصنیف

بس یہی دل

مصنف: ابو یحییٰ
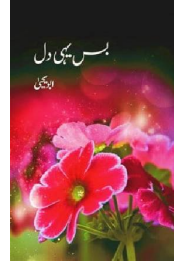
☆ دل کو چھو لینے والے مضامین

☆ ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

☆ آنکھوں کو نم کر دینے والے الفاظ

☆ ابو یحییٰ کے قلم سے نکلے ہوئے وہ مضامین جو ایمان و اخلاق کی اسلامی دعوت کا بھرپور اور موثر بیان ہیں۔

☆ دلنشین اسلوب میں لکھی گئی ایسی تحریریں جنھیں پڑھ کر آپ دل کے دروازے پر ایمان کی دستک سن سکیں گے۔

حدیثِ دل

مصنف: ابو یحییٰ
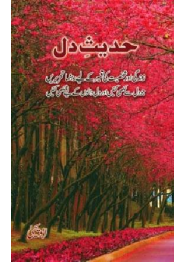
مجموعہ مضامین جس میں آپ پائیں گے اپنی

☆ شخصیت کی تعمیر

☆ اخلاق کی اصلاح

☆ ایمان کی تازگی

☆ اقدار کی زندگی اور

☆ افکار کی تشکیل نو

☆ ہمیشہ کی طرح ابو یحییٰ کے الفاظ کی دستک آپ اپنے دل کے دروازے پر محسوس کریں گے۔

کھول آنکھ زمیں دیکھ

مصنف: ابو یحییٰ
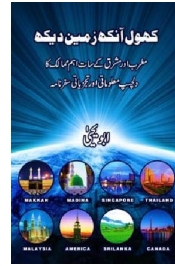
☆ مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفرنامہ

☆ کینیڈا، امریکہ کی زندگی کا تفصیلی جائزہ

☆ مکہ، مدینہ کی مقدس سرزمین اور سعودی عرب کا احوال

☆ سری لنکا، تھائی لینڈ، ملائیشا اور سنگاپور کی زندگی کا نقشہ

☆ مغرب اور مشرق کے ممالک کا تقابل اور اسلام کی علمی برتری کا بیان

☆ مغربی تہذیب کی کمزوریوں نظام کی خوبیوں کا بے لاگ جائزہ

☆ سات ممالک کے اہم قابل دید مقامات کی دلچسپ منظر کشی

☆ سفرنامے کے اسلوب میں لکھی گئی ایک اہم فکری کتاب

سیر ناتمام

مصنف: ابو یحییٰ
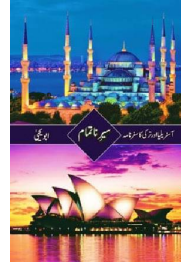
☆ آسٹریلیا کی نئی دنیا کے تمام اہم شہروں کے دعوتی سفر کی روداد

☆ مغرب اور مشرق کے سنگم ترکی کا آنکھوں دیکھا حال

☆ جدید اور قدیم دنیا کے تفریحی مقامات کی دلچسپ سیر

☆ سترہ صدیوں تک دنیا کا مرکز رہنے والے استنبول کی کہانی

☆ احوال سفر کے دلچسپ مشاہدات، معلومات اور نئی چیزوں کا تعارف

☆ ابو یحییٰ کے دلچسپ اور پرمغز تجزیے، تنقید اور تبصرے

☆ ہر قدم پر تاریخ کے اسباق اور جدید وقدیم دنیا کا تعارف

☆ آپ کے وژن اور طرز فکر کو نیا انداز عطا کرنے والی کتاب

☆ ایک داستان سفر جو سفر سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہے

ملاقات

مصنف: ابو یحییٰ
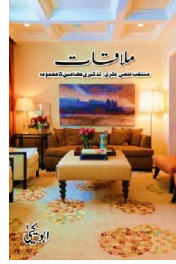
☆ اہم علمی، اصلاحی اور اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

☆ کریم اور رحیم کا خطاب پانے والے انبیا کی دلنواز سیرت کا بیان

☆ دین کی حقانیت اور دعوت دین کے اہم پہلوؤں کی وضاحت

☆ قیامت اور قرب قیامت کے اہم احوال کی تفصیل

☆ اہم معاشرتی اور خاندانی مسائل کے حل کے لیے رہنما تحریریں

☆ لونڈیوں سے تعلقات کے ضمن میں اسلام کے موقف کی وضاحت

☆ مسائل زندگی کے حل کے لیے رہنما تحریریں

☆ ہم جنسی تعلقات اور ارتقا جیسی عملی اور فکری گمراہیوں کی موثر تردید

When Life Begins

English Translation of Abu Yahya's Famous book **Jab Zindagi Shuru Ho Gee**
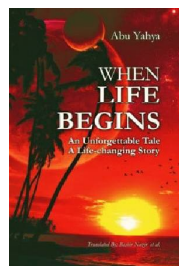
A Book that created ripples through out the world

A Writing that was read by Millions

A Book that changed many Lives

A Writing that has become a Movement

A Comprehensive sketch of the World and Life in Hereafter in the form of an interesting Novel

A Book that will strengthen your Faith in God and Hereafter

The first book of its kind in the world of Literature